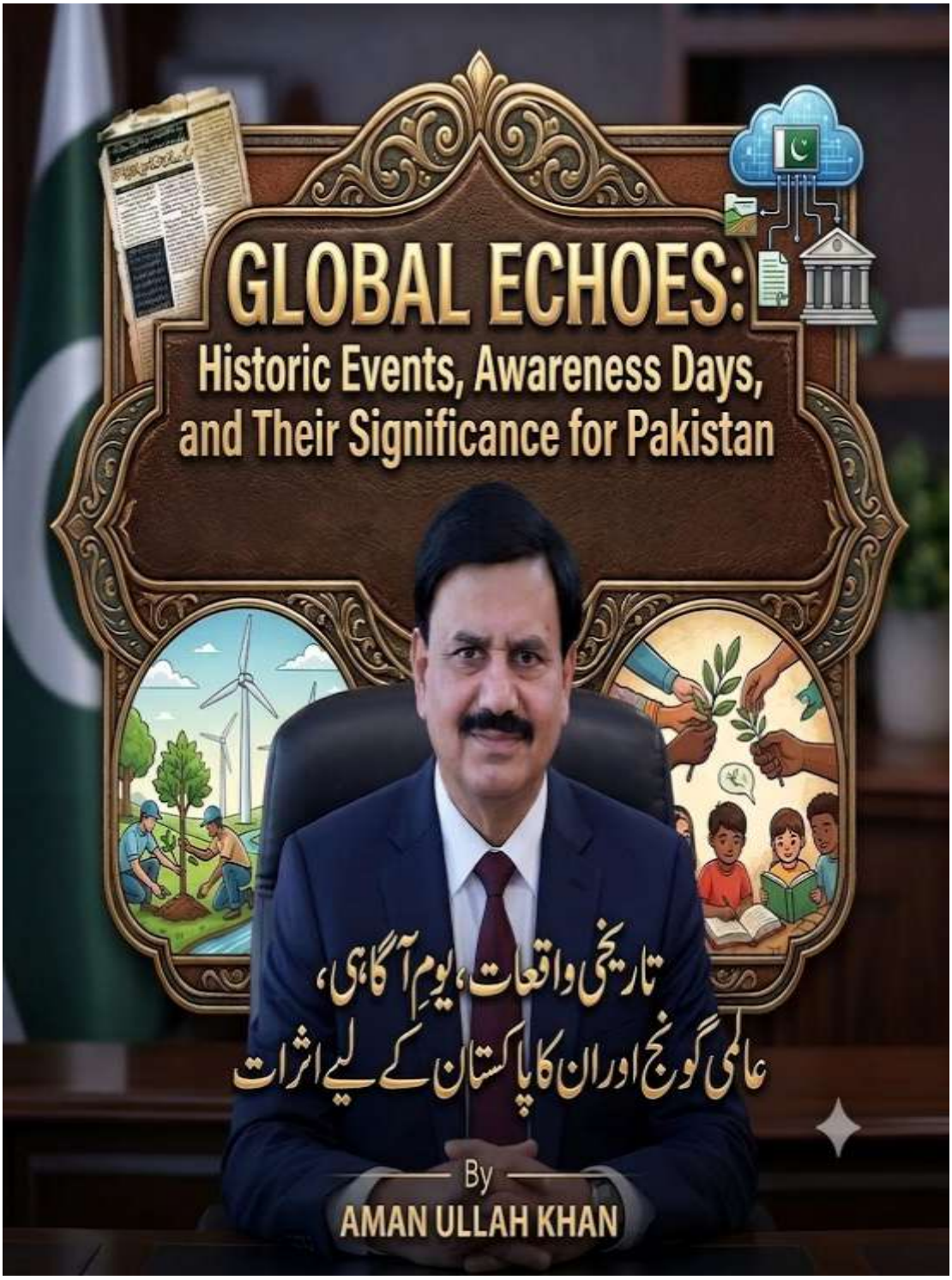
GLOBAL ECHOES:
Historic Events, Awareness Days,
and Their Significance for Pakistan
تاریخی واقعات، یومِ آگاہی،
عالمی گونج اور ان کا پاکستان کے لیے اثرات
By
AMAN ULLAH KHAN



ABOUT AUTHOR

Mr. Aman Ullah Khan is a retired senior civil servant belonging to the Provincial Management Service (PMS) of Punjab, Pakistan. With an illustrious career spanning several decades in public administration, governance, education and social development, he brings to his work a rich blend of professional experience, intellectual curiosity and a deep understanding of society and human affairs.

He holds a Master's degree in Education, with specialization in Guidance and Counselling, from the Institute of Education and Research (IER), University of the Punjab, Lahore, an institution established in collaboration with Indiana University, USA. He subsequently earned his Law degree from Islamia Law College, Karachi.

He also served in the Education Branch of the Pakistan Navy, reflecting his early association with education, discipline and institutional service.

He embarked upon his career in the Civil Services of the Government of Punjab as an Executive Magistrate (EAC) and subsequently held a wide range of important administrative, judicial and managerial assignments in different parts of the province. His distinguished service record includes positions as Executive Magistrate, Judicial Magistrate, Deputy Registrar Cooperatives, Assistant Commissioner/Sub-Divisional Magistrate, AD Anti-Corruption, District Coordination Officer (DCO), and Managing Director of the Punjab Health Foundation, Project Director of the Chief Minister's Initiative for Primary Health Care (CMIPHC), He also served the Punjab Rural Support Programme (PRSP) as District Support Manager in connection with the CMIPHC project for five years.

His career culminated in his retirement at the prestigious rank of Secretary to the Government of Punjab.

Following his retirement from government service, he continued his commitment to public welfare and institutional development by joining the Punjab Rural Support Programme, an esteemed development organization, as General Manager Operations, a position he continues to hold. His post-retirement engagement reflects his enduring dedication to public service and his belief that meaningful contribution to society transcends the boundaries of formal employment.

GLOBAL ECHOES reflects another dimension of his intellectual and literary pursuits. His interest in history, significant world events, international awareness initiatives and their relevance to Pakistan has inspired him to explore the connections between the past, the present and the challenges of the future. Through his writings, he seeks to promote awareness, encourage informed reflection and highlight the lessons that history and contemporary developments offer to individuals and society.

His professional journey, enriched by diverse experiences in administration, law, education and development, has shaped a perspective that values knowledge, integrity, public responsibility and continuous learning. He believes that the written word is not merely a means of communication; it is also a powerful instrument for preserving ideas, sharing knowledge and inspiring positive change.

(ASIF ALI RAI)

Ex Director PID

پیش لفظ: قارئینِ باذوق کے نام

تاریخ کا ہر اہم اور عظیم واقعہ اپنے دامن میں ایک ایسا ابدی سبق سموئے ہوئے ہوتا ہے جس کی گونج نسل در نسل سنائی دیتی ہے۔ ان مٹ اور دور رس تاریخی لمحات کو اپنے معاشرے اور شعورِ نو کے قریب لانے کی ایک مخلصانہ کوشش کے طور پر، میں نے متعدد معتبر و مستند ذرائع سے حاصل کردہ گراں قدر تحقیق کو یکجا کر کے اردو مضامین کی صورت میں ڈھالا ہے، جو ابتداً فیس بک پر قارئین کی نذر کیے گئے تھے۔ ان تاریخی داستانوں میں زندگی کا رنگ بھرنے اور انہیں مزید متحرک و دلکش بنانے کے لیے، تحریروں کے ساتھ گوگل اور جدید مصنوعی ذہانت (AI) کی مدد سے تخلیق کردہ بصری تصاویر کا خوبصورت امتزاج بھی شاملِ تحریر کیا گیا ہے۔

زیرِ نظر مجموعے میں یکم جنوری 2026ء سے 17 جولائی 2026ء تک کے انہی فکر انگیز اور منتخب شاہکاروں کو یکجا پیش کیا جا رہا ہے۔

علم کا ارتقا اور بقا باہمی مکالمے میں پوشیدہ ہے، اور آپ کا مخلصانہ تبصرہ اس پوری علمی کاوش کا سب سے خوبصورت اور قیمتی حاصل ہے۔ میں آپ کو دل کی گہرائیوں سے دعوت دیتا ہوں کہ اس تالیف پر اپنے خیالات، تدبر اور قیمتی آراء کا اظہار فرما کر میری حوصلہ افزائی کریں۔

تشکر اور نیک تمناؤں کے ساتھ،

امان اللہ خان — لاہور

"عالمی گونج (Global Echo) "

تاریخی واقعات، بین الاقوامی یومِ شعور اور پاکستان کے لیے ان کی اہمیت

میرے لیے یہ کوئی حیران کن لمحہ نہیں تھا جب مجھے جناب امان اللہ خان کی جانب سے ان کی تصنیف "عالمی گونج (Global Echoes) " کا مسودہ موصول ہوا، کیونکہ میں انہیں 1978ء سے جانتا ہوں جب انہوں نے پاک بحریہ کے شعبہ تعلیم (ایجوکیشن برانچ) میں شمولیت اختیار کی تھی۔ ہماری مشترکہ علمی و ادبی دلچسپیوں کی بدولت ہمارے درمیان گہرے دوستانہ مراسم استوار ہوئے۔ وہ مطالعہ کتب کے بے حد شائق تھے اور ساتھ ہی مسابقتی امتحانات (کمپیٹیٹو ایگزامز) کی تیاری بھی کر رہے تھے۔ اپنے ایک اور مشترکہ دوست جناب احمد خان بھٹی (ڈائریکٹر اسٹیٹ بینک آف پاکستان) کے ہمراہ ہمیں اسٹیٹ بینک کی لائبریری سے استفادہ کرنے کی گراں قدر سہولت میسر تھی۔ ان دنوں، خان صاحب روزنامہ "نوائے وقت " کراچی میں مختلف قومی اور مقامی مسائل پر باقاعدگی سے کالم لکھا کرتے تھے۔ یہ ان کی پرانی عادت بلکہ ان کی رگ رگ میں رچا بسا ایک جنون تھا؛ پنجاب یونیورسٹی میں دورانِ تعلیم بھی وہ روزنامہ "نوائے وقت"، روزنامہ "وفاق" اور روزنامہ "سیاست" کے لیے وقتاً فوقتاً لکھتے رہتے تھے۔ وہ طلبہ سیاست اور اسٹوڈنٹس یونین کے دور کے اپنے عملی تجربات کو بڑی خوبصورتی سے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا کرتے تھے۔ بعد ازاں، انہوں نے 1985ء میں پنجاب کی سول سروس میں شمولیت اختیار کی اور سیکرٹری کے اعلیٰ عہدے تک پہنچے، لیکن اس دوران بھی انہوں نے اخبارات میں لکھنے کا اپنا سفر جاری رکھا اسسٹنٹ کمشنر اور ڈی سی او جیسی اہم اور مصروفیات سے بھرپور ذمہ داریوں کے باعث پرنٹ میڈیا میں ان کی تحریروں کا سلسلہ کچھ عرصے کے لیے منقطع ہوا۔ تاہم، وقت کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے انہوں نے سوشل میڈیا یعنی فیس بک کا رخ کیا۔ زیرِ نظر کتاب دراصل فیس بک پر شائع ہونے والے ان کے فکر انگیز کالموں اور مضامین کا مجموعہ ہے۔ پوری کتاب کے عمیق مطالعے کے بعد میری عاجزانہ فکری رائے درج ذیل ہے

۔ : معلومات کے بے پناہ اور تھمنے نہ والے سیلاب، سوشل میڈیا کے عارضی رجحانات اور تیزی سے بدلتے ہوئے ڈیجیٹل بیانیے کے اس تیز رفتار دور میں، امان اللہ خان کی تصنیف "عالمی گونج " ایک بروقت، فکری اور علمی اعتبار سے انتہائی گراں قدر شراکت بن کر ابھری ہے۔ 1 جنوری سے 17 جولائی 2026ء کے درمیان لکھے گئے مضامین پر مشتمل یہ شاندار مجموعہ تاریخی نوعیت کے اہم واقعات، اقوامِ متحدہ کے زیرِ اہتمام منائے جانے والے بین الاقوامی ایام اور پاکستان کے لیے ان کی گہری سماجی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی اہمیت کے مابین ایک مضبوط اور معتبر پل کا کام کرتا ہے۔

یہ کتاب محض تاریخ وار لکھے گئے کالموں کا کوئی روایتی مجموعہ نہیں ہے، بلکہ یہ تاریخ کے اوراق سے معنی خیز مماثلتیں قائم کرتے ہوئے عصرِ حاضر کے قومی اور عالمی چیلنجوں کا ایک نہایت عمیق، سنجیدہ اور فکر انگیز تجزیہ پیش کرتی ہے۔ اس تصنیف کی ایک منفرد اور لائقِ تحسین خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے آج کے سنگین مسائل کا موازنہ ان ملتے جلتے موضوعات سے کیا ہے جن پر وہ 1977ء اور اس کے بعد سے اخبارات میں قلم اٹھاتے رہے ہیں۔ اپنی ان سابقہ تحریروں کا از سرِ نو جائزہ لے کر اور ان میں فیس بک پر اپنے حالیہ تبصروں کے اقتباسات کو سمو کر، انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ کس طرح بہت سے چیلنجز وقت کے ساتھ ساتھ ارتقائی مراحل تو طے کر رہے ہیں، لیکن ان کی جڑیں اب بھی ماضی کے تاریخی دھاروں سے جڑی ہوئی ہیں۔ فکر کا یہ خوبصورت اور مسلسل تسلسل قارئین کو نہ صرف تاریخی پس منظر فراہم کرتا ہے بلکہ موجودہ حالات کی گہرائی کو سمجھنے کا شعور بھی بخشتا ہے۔

یہ مجموعہ پبلک پالیسی اور حالاتِ حاضرہ کے خشک موضوعات سے آگے بڑھ کر انسانی رویوں کے نفسیاتی، ترغیبی (motivational) اور اخلاقی پہلوؤں کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ انسانی فطرت، عزم و استقلال، قیادت، بلند اخلاقی اقدار اور ذاتی ترقی (personal development) پر اپنے بصیرت افروز خیالات کے ذریعے مصنف قارئین کے اندر تنقیدی سوچ، رجائیت پسندی اور ایک ذمہ دار شہری کا جذبہ بیدار کرنے کی بھرپور ترغیب دیتے ہیں۔ آغاز میں یہ تحریریں سوشل میڈیا پر انتہائی مقبول پوسٹس کی صورت میں شیئر کی گئی تھیں، جنہیں اب کلاسیکی حوالوں اور بڑی مہارت سے تیار کردہ مصنوعی ذہانت (AI) کی تصاویر سے سجا کر ایک اعلیٰ پایہ کے تحقیقی و ادبی شاہکار کی شکل دے دی گئی ہے، جو تفہیم اور بصری کشش دونوں کو جلا بخشتی ہیں۔

"عالمی گونج" کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ پیچیدہ بین الاقوامی ترقیاتی معاملات کی تشریح پاکستان کے عملی اور مقامی تناظر میں کرتی ہے۔ یہ کتاب مختلف مگر باہم مربوط موضوعات کو اس روانی سے یکجا کرتی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے قارئین کے لیے اسے سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

کتاب کے کلیدی موضوعات اور ابواب کا جائزہ

- **تاریخی تناظر اور طرزِ حکمرانی**: جرمنی کے ہولناک تاریخی واقعے 'نائٹ آف دی لانگ نائفز' (1934ء) سے لے کر آئین پسندی، اداروں کے مابین توازن، اور قانون کی بالادستی کے اسباق تک، مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ تاریخ کس طرح دورِ حاضر کے طرزِ حکمرانی اور پبلک پالیسی کی تشکیل کرتی چلی آ رہی ہے

- **عوامی انتظامیہ (Public Administration)** میں انقلابی اصلاحات: کتاب کے اہم ترین معاصر مباحث میں سے ایک 'پنجاب لینڈ ریونیو ترمیمی ایکٹ، 2026ء' کا جامع اور عمیق تجزیہ ہے۔ مصنف نے روایتی پٹواری نظام کا موازنہ جدید کلاؤڈ بیسڈ ڈیجیٹل لینڈ ریکارڈ فریم ورک سے انتہائی مؤثر انداز میں کیا ہے۔ انہوں نے واضح کیا ہے کہ کس طرح یہ تکنیکی اصلاحات شفافیت کو فروغ دیتی ہیں، وراثت کے حقوق (خاص طور پر خواتین اور بیواؤں کے حقوق) کا تحفظ کرتی ہیں، اور زمین کے تنازعات، مقدمہ بازی، بدعنوانی اور انتظامی تاخیر میں نمایاں کمی لاتی ہیں۔
- **موسمیاتی تبدیلی اور ماحولیاتی سرپرستی**: بین الاقوامی یومِ حارہ (International Day of the Tropics)'، 'عالمی یومِ باد (Global Wind Day)' اور 'مطلبہ مگرمچھوں کے عالمی دن' جیسے موضوعات پر گفتگو کے ذریعے، یہ کتاب موسمیاتی تبدیلی، حیاتیاتی تنوع کے خاتمے اور ماحولیاتی انحطاط کے حوالے سے پاکستان کی بڑھتی ہوئی حساسیت کو اجاگر کرتی ہے۔ یہ وسائل کے پائیدار استعمال کی پرزور وکالت کرتی ہے اور مانگھوپیر اور ہنگول کی دلدلی زمینوں (wetlands) سمیت دیگر قیمتی حیاتیاتی ماحولیاتی نظاموں کے تحفظ پر زور دیتی ہے۔
- **سماجی و معاشی چیلنجز اور پبلک پالیسی**: مصنف نے پاکستان کے سنگین ترین مسائل کا نہایت نڈر ہو کر جائزہ لیا ہے، جس میں منشیات کے بڑھتے ہوئے خطرناک رجحان کا سال 1993ء کی صورتحال سے موازنہ کر کے 2026ء میں انسدادِ منشیات کے لیے اٹھائے گئے جامع اقدامات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ وہ عدالتوں میں زیرِ التوا مقدمات کے بوجھ، طرزِ حکمرانی میں اصلاحات، سماجی تحفظ کے نظام، اور پاکستان کے انشورنس سیکٹر کے ارتقاء بشمول 'تکافل' پر جاری مباحث کو بھی زیرِ بحث لائے ہیں، جس سے عام شہریوں کو متاثر کرنے والے مسائل کا ایک متوازن اور شواہد پر مبنی علمی تجزیہ سامنے آتا ہے۔
- **ادب کا ڈیجیٹل ارتقاء**: کتاب کے سب سے زیادہ فکر انگیز اور دل کو چھو لینے والے مضامین میں سے ایک میں، امان اللہ خان نے لاہور میں روایتی کتب بازاروں کے بتدریج زوال اور مطالعے کے کلچر کی چھپے ہوئے صفحات سے ڈیجیٹل پلیٹ فارمز پر منتقلی کا ایک نوستالجک (ماضی کی یادوں سے بھرا) احاطہ کیا ہے۔ ان کے یہ مشاہدات ایک اہم ثقافتی تبدیلی کی عکاسی کرتے ہیں اور یہ یقین دہانی کرواتے ہیں کہ باوقار علم اپنی بقا کے لیے کسی خاص مادی ذریعے کا محتاج نہیں ہوتا۔

"یہ ایک ایسی کتاب ہے جو معلومات کی بے ہنگم بھرمار کے شور کو منظم اور واضح علم کی روشنی میں بدل دیتی ہے۔ "

"**عالمی گونج**" کو جو چیز دیگر کتابوں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ امان اللہ خان محض خشک حقائق پیش کرنے یا تاریخی ریکارڈ مرتب کرنے پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ وہ تاریخ، پبلک پالیسی، بین الاقوامی شعور، مذہب، فلسفہ اور عصری حقیقتوں کے مابین ایک فکر انگیز اور مستقل مکالمہ تخلیق کرتے ہیں۔ بین الاقوامی یومِ بیوگان (International Widows Day)، عالمی یومِ باد اور اقوامِ متحدہ کی متعدد مہمات جیسے عالمی ایام کو پاکستان کے قانونی فریم ورک، قومی ترقیاتی اقدامات (جیسے بینظیر انکم سپورٹ پروگرام - BISP اور PULSE) اور وسیع تر سماجی و معاشی اشاریوں سے جوڑ کر، مصنف قارئین کو عالمی تناظر اور پاکستان کے لیے اس کے عملی مضمرات دونوں کو بیک وقت سمجھنے کی صلاحیت عطا کرتے ہیں۔

چنانچہ، "عالمی گونج" کالموں کے ایک عام مجموعے سے کہیں بڑھ کر ایک ایسا قیمتی علمی و فکری اثاثہ (Archive) ہے جو آنے والی نسلوں کے لیے عصرِ حاضر کی سنجیدہ گفتگو کو محفوظ کرتا ہے۔ یہ کتاب سوشل میڈیا کی ناپائیدار دنیا سے بصیرت افروز عوامی مکالمے کو بچا کر اسے ایک مستقل علمی و تحقیقی ماخذ میں تبدیل کرتی ہے، جو ہمیشہ غور و خوض، باخبر مباحثے اور شواہد پر مبنی فہم کی حوصلہ افزائی کرتا رہے گا۔

یہ کتاب طلبہ، محققین، ماہرینِ تعلیم، سول سرونٹس، پالیسی سازوں، صحافیوں اور ان تمام باشعور شہریوں کے کتب خانوں کی زینت بننے کے قابل ہے جو اس باہم مربوط ہوتی ہوئی دنیا میں پاکستان کے ابھرتے ہوئے کردار کا گہرا اور وسیع فہم حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں۔ تاریخی حکمت و دانش، معاصر تجزیے، ادبی نفاست اور عملی افادیت کو یکجا کر کے، "عالمی گونج" عوامی شعور کی بیداری، ترغیب اور رہنمائی کے لیے لکھی گئی تحریر کی پائیدار طاقت کا ایک زندہ جاوید ثبوت ہے۔

آصف علی رائے

سابق ڈائریکٹر، پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ

حکومتِ پاکستان، اسلام آباد

فہرستِ مضامین

شمار	مضمون / عنوان
1	تقریظ
2	عالمی گونج (Global Echo) "
3	پیش لفظ: قارئینِ باذوق کے نام
4	17 جولائی: عالمی یوم بین الاقوامی انصاف قانون کی بالادستی، انسانی وقار اور عالمی احتساب کے عزم کا دن
5	16 جولائی سانپوں کا عالمی دن-پاکستان میں صورت حال اور سانپوں کے بارے میں دیومالائی داستانوں کی حقیقت۔۔
6	15 جولائی۔۔ نوجوانوں کے ہنر کا عالمی دن
7	14 جولائی: باسٹیل ڈے — (Bastille Day) آزادی، مساوات اور عوامی طاقت کی علامت
8	13 جولائی۔ یوم شہداء کشمیر۔ جب 22 مسلمانوں نے اپنی زندگی کا نذرانہ پیش کر کے ازان مکمل کی۔
9	THE SYMPHONY OF TIME : EMBRACING PATIENCE ON THE PATH TO EXCELLENCE.
10	11 جولائی: عالمی یوم آبادی—پاکستان اور بالخصوص پنجاب کے تناظر میں بڑھتی آبادی کا چیلنج اور پائیدار ترقی کی ضرورت
11	پاسکو۔۔۔ اناللہ وانا الیہ راجعون (1973 -2026)
12	مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ: ایک ایسی آواز جسے تاریخ خاموش نہ کر سکی۔
13	تعلیمی اصلاحات یا پالیسیوں کا تضاد؟—"اقرا سرچارج" (1985ء) سے سرکاری سکولوں کی "آؤٹ سورسنگ" تک پاکستان بالخصوص پنجاب کے تعلیمی سفر کا تنقیدی جائزہ۔۔
14	پاکستان میں شمسی توانائی کا خاموش انقلاب: نصف صدی پر محیط ایک خواب کی تعبیر اور حکومت کی نئی مگر صارف کش پالیسی۔
15	7-جولائی—عالمی یوم معافی (Global Forgiveness Day) ۔ تلخیاں اور رنجشیں بھلانے۔۔۔ ایک دوسرے کو گلے لگانے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ایک دوسرے کو معاف کرنے کا عالمی دن
16	وقت تھم گیا یا ہم؟ پاکستان کی پیٹرولیم پالیسی اگر ہے۔۔۔ تو کیا یہ ملکی تقاضوں کے عین مطابق ہے؟؟
17	5 جولائی (1977) تاریخ پاکستان کا متنازعہ دن۔۔۔ "یوم سیاہ" یا "یوم نجات"
18	ان جواہر کی پہچان کون کرے؟ (9 ستمبر 1981 کو روزنامہ نوائے وقت کراچی میں میری ادارہ تعلیم و تحقیق جامعہ پنجاب میں 1976 میں کی گئی ریسرچ اور مشاہدات پر مبنی ایک تحریر۔۔۔۔۔ والدین اور اساتذہ کے لئے ایک پیغام
19	3 جولائی—انٹرنیشنل پلاسٹک بیگ فری ڈے (International Plastic Bag Free Day) اور پاکستان میں کئے گئے اقدامات
20	وفاقی اعلیٰ ملازمتوں میں کوٹہ سسٹم۔۔ کیا کھویا۔ کیا پایا؟؟؟ کیا کوئی بہتری آئی یا وہی چال بے ڈھنگی۔ 43 سال قبل روزنامہ نوائے وقت کراچی میں 22 ستمبر 1983 کو چھپنے والی میری تحریر
21	مایوسی بھگائیں اور ہنسی مذاق سے دل خوش کریں اور قہقہے لگائیں کیونکہ آج یکم جولائی ہے اور ہنسی مذاق کا عالمی دن بھی۔

شمار	مضمون / عنوان
22	کیا گزرے وقت کو واپس لایا جاسکتا ہے؟48سال قبل 15 دسمبر 1978 روزنامہ۔ جنگ کراچی میں مارٹن گارڈنر کے کے مقالے کا اردو ترجمہ و تلخیص۔
23	30جون:"لمبی چھریوں کی رات (Night of the Long Knives) "یا آپریشن "پرندے کی بھنبھناہٹ — (Hummingburd)" سیاسی قتل وغارت اور ریاستی دہشت گردی کا ایک سیاہ باب
24	33سال قبل۔۔۔منشیات کے خلاف جہاد(10 فروری 1993 کی میری ایک تحریر)اور۔2026 منشیات سے پاک پنجاب کا سال۔ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونا چاہیے؟؟؟
25	35سال قبل(1991)عدالتوں سے ملزمان کے فرار پر ایک تحریر(اس وقت ایگزیکٹو مجسٹریسی نظام رائج تھا)۔ اور موجودہ صورت حال؟
26	29جون—منطقہ حارہ کا عالمی دن اور پاکستان کے اقدامات پر ایک نظر۔
27	28جون-" قومی انشورنس آگاہی دن (National Insurance Awareness Day) "پاکستان کے تناظر میں۔
28	ماضی کے جھروکوں سے۔ سرکاری ملازمین 1992 میں بھی انہی مسائل کا شکار تھے جیسے اب ہیں
29	27جون—نیشنل اونین ڈے :(National Onion Day) غذائیت، تاریخ اور پاکستان کی زرعی معیشت میں پیاز کی اہمیت
30	26جون: منشیات اور غیر قانونی اسمگلنگ کے خلاف عالمی دن—پاکستان کے تناظر میں
31	25جون: جہاز رانوں کا عالمی دن—عالمی تجارت کے خاموش محافظ اور پاکستان کے لیے اہمیت
32	24:جون: سفارت کاری میں خواتین کا بین الاقوامی دن—عالمی امن اور پاکستانی خواتین کا روشن کردار
33	بین القوامی یوم یوگان-عالمی رد عمل اور پاکستان: بے سہارا خواتین کے تحفظ کے لیے فلاحی و قانونی اقدامات
34	21جون-بین الاقوامی یوم یوگا-ذہنی سکون اور روحانی توازن کا دن اور پاکستان میں ارتقائی عمل
35	20جون عالمی یوم پناہ گزین اور پاکستان کا کردار و مسلم بھائی چارے کہ بہترین مثال
36	19جون۔ تنازعات کے دوران جنسی تشدد کے خاتمے کا عالمی دن اور پاکستان کا کردار
37	نفرت کے شور سے مکالمے کی روشنی تک—پاکستان کے تناظر میں نفرت انگیز گفتگو کے تدارک کا عالمی دن
38	صحرائی پن اور قحط سالی کے خلاف جدوجہد: پاکستان کے لیے ایک اہم قومی چیلنج
39	۔مگرمچھوں کا عالمی دن اور پاکستان: آبی حیات کے خاموش محافظوں کا تحفظ
40	پنجاب لینڈ ریونیو ایکٹ 1967 میں تاریخی ترامیم 2026 کاغذ سے کلاؤڈ تک:
41	گلوبل ونڈ ڈے (Global Wind Day) یا ہوا کی توانائی کا عالمی دن اور پاکستان میں پیشرفت
42	۔عالمی یوم عطیہ خون zindagi :کا تحفہ اور انسانیت کی پکار--'پاکستان میں صورت حال
43	عالمی یوم آگاہی برائے البینزم (بھورا پن یا سورج مکھی)-انسانیت کا عزم اور پاکستان۔
44	عالمی یوم انسدادِ مشقتِ اطفال: بچوں کے محفوظ مستقبل کی جدوجہد اور پاکستان کے اقدامات۔
45	کاغذ کا کفن اور ڈیجیٹل سحر: کیا یہ کتابوں کی آخری صدی ہے؟
46	تہذیبوں کے درمیان مکالمہ: عالمی امن اور پاکستان کا کردار اور نصاب تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت

شمار	مضمون / عنوان
47	:عالمی یومِ آرکائیوز (International Archives Day) اور قومی ورثے کا تحفظ اور پاکستان میں کیے گئے اقدامات کا جائزہ
48	برین ٹیومر کا عالمی دن: آگاہی، تحقیق اور بہتر علاج کی ضرورت اور پاکستان میں پیشرفت
49	8جون۔ سمندروں کا عالمی دن اور پاکستان کی اہمیت اور مثبت کردار
50	7جون۔عالمی یومِ تحفظِ خوراک (World Food Safety Day) اور پاکستان کی صورت حال
51	5جون:ماحولیات کا عالمی دن ــــ زمین کے تحفظ کا عالمی عہد اور پاکستان مین کیے گئے اقدامات کا جائزہ۔۔۔
52	4جون۔۔۔ جارحیت کا شکار معصوم بچوں کا عالمی دن اور پاکستان میں کیے گئے اقدامات کا جائزہ۔
53	بائیسکل کا عالمی دن: بین الاقوامی رجحانات اور پاکستان میں متبادل سواری کا مستقبل
54	3جون1947۔ تقسیم ہندوستان کا منصوبہ۔نہرو-ماونٹ بیٹن گٹھ جوڑ یا حالات کا جبر
55	یکم جون:بچوں اور دودھ کا عالمی دن ــــ پاکستان کے لیے اہم پیغام
56	31 مئی تمباکو نوشی کے خلاف عالمی دن۔ مگر تمباکو کی صنعت انتہائی بلندیوں پر۔ حکومتوں کا تضاد۔۔ کاروبار اور تبلیغ ساتھ ساتھ۔ اور پاکستان پر اثرات۔۔
57	پاکستان میں تھر کے کوئلے کا استعمال، معاشی امکانات اور ڈاکٹر ثمر مبارک مند کے تجربے کی حقیقت۔۔ سپریم کورٹ کا حکم اور نیب کی انکوائری
58	چین کے تعاون سے پاکستان کا پہلا کول ٹو یوریا منصوبہ ــــ معاشی استحکام اور پاک چین دوستی کا نیا باب
59	شمسی توانائی اور ہوا سے صاف پانی کا حصول اب یوا ممکن. معروف مسلم سائنسی دان پروفیسر عمر یاغی کا دنیا کے لئے نایاب تحفہ۔۔۔۔
60	28 مئی۔یوم تکبیر۔ عزم اور جہد مسلسل کی ایک عظیم داستان۔ جب پاکستان عالم اسلام کی پہلی اور دنیا کی ساتویں ایٹمی طاقت بنا
61	ابراہیم اکارڈ-امریکہ کی نئی دھمکی اور پاکستان کے لئے اس کے مضمرات
62	25 مئی ــــ گمشدہ بچوں کا عالمی دن اور پاکستان میں اس کے اثرات
63	24 مئی مارخور کا عالمی دن: تحفظِ حیاتِ نو کا عالمی عزم اور پاکستان ISI کے سابقہ لوگو سے جدید لوگو تک(
64	قطر میں مقیم برطانوی نژاد پاکستانی سائنس دان کی مصنوعی ذہانت پر مبنی آنکھوں کی اسکین ٹیکنالوجی،ڈیمنشیا کی بروقت تشخیص میں اہم پیش رفت
65	کچھوؤں کا عالمی دن اور پاکستان میں اس حوالے کیے گئے اقدامات
66	22 مئی ــــ حیاتیاتی تنوع کا عالمی دن
67	بین الاقوامی یومِ چائے: عالمی معیشت، ثقافت اور پاکستان کے لیے چیلنجز (جو سالانہ 17 ارب روپے کی چائے درآمد کرتا ہے،
68	عالمی یومِ مگسِ عسل: فطرت، خوراک اور انسانی بقا کے خاموش محافظ ــــ پاکستان میں مگس بانی کی موجودہ صورتِ حال
69	19 مئی۔عالمی یومِ منصفانہ کھیل کھیل، دیانتداری اور عالمی ہم آہنگی کا پیغام
70	18 مئی ــــ عالمی ایڈز ویکسین ڈے اور پاکستان میں متاثرین کی صورت حال۔۔
71	پاکستان میں مہنگائی کا اعشاریہ: حکومتی اعداد و شمار کی حقیقت PBS کا طریقہ کار اور عوامی تاثرات؟؟
72	17 MAY — WORLD TELECOMMUNICATION AND INFORMATION SOCIETY DAY

شمار	مضمون / عنوان
	&PAKISTAN
73	16 MAY — INTERNATIONAL DAY OF LIGHT
74	موسمیاتی بے ترتیبی اور ال نینو: پاکستان کے بدلتے موسم کی ایک تشویشناک تصویر
75	14 مئی-ایک یادگار دن جب ایڈورڈ جینز نے چیچک کے خلاف پہلی موثر ویکسین لانچ کی
76	مینیملزم —(Minimalism) سادگی کی جانب ایک عالمی فکری انقلاب اور پاکستانی معاشرے پر اس کے اثرات
77	بلوغِ فکر کے چھ سنہری اصول
78	10 مئی۔ "مدر ڈے" اور اسلام میں ماں کا مقام
79	9 مئی پاکستان کی تاریخ کے حوالے سے یوم سیاہ یا ملکی سیاست کا ایک متنازع ہنگامہ خیز باب۔؟
80	عالمی یوم ریڈ کراس و ہلالِ احمر—پس منظر اور عالمی خدمات
81	7 مئی (World Athletics Day) کھیلوں کا عالمی دن اور پاکستان بالخصوص پنجاب میں کھیلوں کے فروغ کے لئے کیئے گئے اہم اقدامات
82	4 مئی فائر فائٹرز کا عالمی دن اور پاکستان
83	ورلڈ پریس فریڈم ڈے: آزادئ اظہار کی عالمی علامت اور پاکستان کے تناظر میں جائزہ
84	مصنوعی ذہانت۔ گلوکارہ کی تخلیق۔ تفریح کا ایک نیا انداز
85	سوشل میڈیا پر ٹیکس چھوٹ کے بارے میں وائرل وڈیو اور اصل حقیقت۔۔۔
86	"امریکہ فرسٹ" ٹرمپ انتظامیہ کی پھڈے بازی اور عالمی امن کو لاحق خدشات۔
87	یکم مئی !! عام تعطیل تو محنت کشوں کے نام پر۔۔۔۔۔ مگر لطف اندوز!! غیر محنت کش۔۔ دوغلے پن کی انتہا؟؟
88	WHAT IS THE REAL DISPUTE BETWEEN - TRUMP ADMINISTRATION & ZAMBIA?
89	عالمی یوم رقص (اعضا کی شاعری(
90	کیا ملک کا انتظام چلانے والوں کی منزل بھی پاکستان ہے؟ دوہری شہریت کے بارے میں ایک تجزیاتی رپورٹ
91	خواتین کے حقوق کا تحفظ اور حکومت پنجاب کی خواتین دوست پالیسیوں پر ایک نظر۔
92	چین میں مذہبی آزادی "!! اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں وائرل وڈیو اور حکومتی پالیسی۔
93	عالمی یوم دانشورانہ املاک (26 اپریل): تخلیق، اختراع اور ترقی کا عالمی پیغام اور پاکستان
94	WHO SLOGAN FOR 25 APRIL-26
95	24 اپریل۔ کثیر الجہتی سفارتکاری برائے امن اور خواتین بالخصوص بچیوں کی انفارمین و کمیونیکیشن ٹیکنالوجی میں شمولیت کا دن اور پاکستان میں اس حوالے سے کئے گئے اقدامات کا جائزہ
96	WORLD BOOKS & COPY RIGHT DAY
97	22 APRIL - EARTH DAY - A GLOBAL CAMPAIGN FOR AWARENES & ROLE OF

شمار	مضمون / عنوان
	PAKISTAN ???
98	21اپریل۔۔ تاریخ کے تین اہم سیاسی فکری اور ثقافتی حوالہ جات کا دن
99	CDA ANTI-ENCROACHMENT OPERATION IN MUSLIM COLONY BARI AMAM.???
100	لوگوں کی سطحی تنقید کو نظر انداز کریں.
101	اپنے ثقافتی ورثہ کی حفاظت کریں۔۔۔یہی قوموں کی زندگی اور ان کی پہچان ہے
102	17 APRIL- WORLD HAEMOPHILIA DAY-A REMINDER FOR SOCIETY TO SPREAD AWARENESS TO SAVE THE CHILDREN .
103	16 APRIL ----WORLD VOICE DAY
104	15اپریل—جب "ناقابلِ غرق" ٹائٹینک فطرت کے سامنے ٹھہر نہ سکا۔(ترقی جب عاجزی سے خالی ہو تو کمزوری بن جاتی ہے(
105	اپنے پیاروں کے بارے میں جاننے کی بجائے انہیں سمجھنے کی کوشش کریں
106	DOUBT---- FROM SILENT T SABOTEUR TO STRENGTHENED CLARITY?
107	SILENT VIRTUE, LASTING IMPACT
108	12اپریل—طبّی تاریخ کا ایک عظیم سنگِ میل
109	11 APRIL- WORLD PARKINSON'S DAY
110	IS MOTIVATION THE ONLY KEY TO SUCCESS?
111	تربوز کا جوس کیسے تیار ہوتا ہے؟ پاکستان تربوز کی وافر پیداوار ہونے کے باوجود کیا ایسا نہیں کر سکتا؟؟؟
112	AVOID THE COMPANY OF SADISTS
113	EXPRESS YOUR THOUGHTS WITHOUT FEAR OF OTHER'S REACTION.NO THOUGHT IS NEGATIVE INDEED.
114	5اپریل—یومِ شعور: بیداری کی ایک پکار
115	RECENT HIKE IN PETROLEUM PRICE- WHY PAKISTAN DOES NOT GO FOR PURCHASE OF CHEAPER OIL FROM IRAN OR RUSSIA-THE ARGUMENTS OF OPPOSITION?
116	FOR BOOK LOVERS....MUST READ
117	02 APRIL- WORLD AUTISM ACCEPTANCE DAY
118	کبھی بھی کسی کے لئے آپشن (سٹپنی) نہ بنیں؟ بلکہ پہلی ترجیح بنیں۔۔۔یہی خودداری ہے۔۔
119	Theme and Message of "Hey America! .Hey Israel!" The viral song on social media,produced by Deepak Dev .its writer is Joel David Weir.

شمار	مضمون / عنوان
120	"حسد کا ناگ حاسد کو ہی ڈس لیتا ہے"
121	SEVEN SELF DEFEATING HABITS THAT UNDERMINE GROWTH AND SUCCESS
122	IS THE IRAN-US-ISRAEL CONFLICT PART OF A STRATEGY TO CONTAIN CHINA ???
123	SEVEN HABITS OF HIGHLY EFFECTIVE PEOPE) موثر ترین افراد کی سات اہم عادات
124	کامیابی کسی پبلسٹی کی محتاج نہیں ہوتی۔ خاموشی سے محنت کریں، یکسوئی کے ساتھ اپنے مقصد پر قائم رہیں، اور اپنی کامیابیوں کو خود بولنے دیں۔ حقیقی کامیابی کو کسی اعلان کی ضرورت نہیں ہوتی—وہ خود اپنی موجودگی کا احساس دلا دیتی ہے
125	Distance is the most powerful response to disrespect.
126	"DREAMS ARE NOT NEGOTIABLE
127	تلسی گیبرڈ کی Threat Assessment Report اور پاکستان کے خدشات؟
128	پاکستان کا ایٹمی پروگرام: دفاع، نہ کہ جارحیت
129	اپنے ذہنی سکون کی حفاظت کریں—ہر شخص ہمدردی کے لائق نہیں ہوتا۔
130	پاکستان کی معیشت میں آورسیز پاکستانیوں کا کردار اور ایران اسرائیل جنگ سے جڑے خدشات
131	سعودی عرب میں بھیک مانگنے کی ممانعت اور پاکستانی بھکاریوں کا مسئلہ
132	National Child Exploitation Awareness Day – 18 March
133	GO ON SMILING TO DEFEAT THE WORRIES IN LIFE
134	GOOD NEWS FOR PAKISTANI NET USERS
135	ایران کے بارے میں سابق سفیر نائلہ چوہان کے خیالات اور پاکستان کی خارجہ پالیسی۔
136	بین الاقوامی یوم خواتین (8 مارچ)
137	پاکستان میں تیل کی قیمتیں کیسے طے ہوتی ہیں اور بین الاقوامی منڈی سے یہ کیوں زیادہ ہوتی ہیں؟؟
138	پاکستان میں توانائی بحران کی حقیقت اور ابنائے ہرمز کی بندش سے جڑے خدشات اور ممکنہ حل
139	عالمی معیشت امریکی ڈالر کے شکنجے میں
140	4 MARCH- DEATH ANNIVERSARY OF SULTAN SALAH UDDIN AYUBI
141	ایران۔ اسرائیل امریکن جنگ میں پاکستان کیا کردار ادا کر سکتا ہے؟ اور کیا کرنے کی ضرورت ہے؟؟
142	ایران۔ امریکہ اور اسرائیل میں اختلافات کا تاریخی پس منظر
143	آبنائے ہرمز: عالمی توانائی کی شہ رگ اور اس کی بندش کے عالمی معاشی اثرات
144	رہبر اعظم علی خامنہ ای کی شہادت اور ایران میں قیادت کی تبدیلی۔۔ ایک مختصر جائزہ
145	NTERNATIONAL WHEAL CHAIR DAY

شمار	مضمون / عنوان
146	PUNJAB GOVERNMENT BANS ENTRY OF MEDICAL REPS IN PUBLIC HOSPITALS .
147	ARE CLOSE RELATIONS , AN EASY TARGET OF SHORT TEMPERED ??
148	20 , FEBRUARY-WORLD DAY OF SOCIAL JUSTICE (EQUALITY DAY)
149	16 FEBRUARY - NATIONAL ALMOND DAY
150	12 FEB --DARWIN DAY---' FOR CELEBRATION OF SCIENCE, REASON AND HUMANITY
151	WHAT IS REAL ISSUE WITH JEFFEREY EPSTEIN'S ISLAND ??
152	5TH FEBRUARY...KASHMIR SOLIDARITY DAY -VISION OF TWO GREAT LEADERS
153	FIRST FEBRUARY....WORLD HIJAB DAY
154	01 FEBRUARY.. NATIONAL FREEDOM DAY..WHEN SLAVERY WAS BANNED
155	NOT EVERY HAND SHAKER IS YOUR FRIEND
156	NEVER COMPROMISE YOUR SELF RESPECT IN THE NAME OF RELATIONSHIP
157	28 JANUARY ...A REMARKABLE DAY IN THE HISTORY OF PAKISTAN
158	NEVER LET THE LAMPS GO OUT
159	RUMOURS ARE JUST A NOISE—NOT YOUR REALITY. DEFEAT IT WITH SMILE
160	NEVER ALLOW ANYONE TO INTERFERE IN YOUR LIFE — AND EXTEND THE SAME RESPECT TO OTHERS.
161	GRATITUDE IS A GUIDING SPIRIT FOR UPLIFT IN LIFE
162	FOR A BRIGHT FUTURE ...NO NEED OF PERFECTION
163	SILENCE IS YOUR TREASURE & PEACE OF MIND
164	BE THE AUTHOR OF YOUR HAPPINESS ?
165	A TRUE STORY OF DETERMINATION..
166	SUSTAINED HAPPINESS IS NEVER PROMISED BY LIFE....IT ALWAYS REQUIRES FLEXIBILITY & ADJUSTMENT.
167	ONLY DEAD BODIES CANNOT THANK GOD??
168	RECOGNIZING A TRULY TOXIC PERSON
169	NO ONE OTHER THAN YOU CAN CARE YOU
170	چراغ حیات بجھنے والا ہے

مضمون / عنوان	شمار
SMALL TREES NEVER GROW UNDER THE SHADOW OF BIG TREES ??	171
BRAIN DRAINAGE FROM PAKISTAN. WORST SITUATION OF UNEMPLOYMENT	172
HAPPINESS OR USEFULNESS? WHAT SHOULD BE THE AIM IN LIFE .....???	173
IF YOU CANNOT TOLERATE THIRST.....CARRY WATER WITH YOU ???	174
NEVER WAIT FOR THE OPENING OF LOCKED DOOR	175
LIFE IS SHORT BUT BEAUTIFUL	176
KICK UNWANTED PERSONS OUT OF YOUR LIFE	177

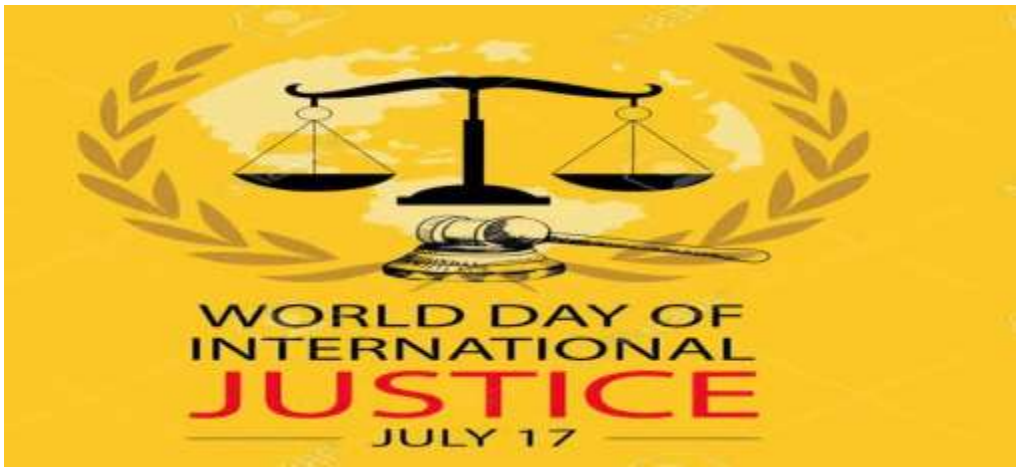

17 جولائی: عالمی یومِ بین الاقوامی انصاف قانون کی بالادستی، انسانی وقار اور عالمی احتساب کے عزم کا دن

ہر سال 17 جولائی کو دنیا بھر میں عالمی یومِ بین الاقوامی انصاف (World Day for International Justice) منایا جاتا ہے۔ اس دن کا مقصد نسل کشی (Genocide)، جنگی جرائم (War Crimes)، انسانیت کے خلاف جرائم (Crimes Against Humanity) اور جارحیت جیسے سنگین بین الاقوامی جرائم کے خلاف عالمی عزم کا اعادہ، متاثرین سے اظہارِ یکجہتی، اور قانون کی حکمرانی کو فروغ دینا ہے۔

17 جولائی 1998ء کو اٹلی کے دارالحکومت روم میں اقوامِ متحدہ کی سفارتی کانفرنس کے دوران روم اسٹیچوٹ (Rome Statute) منظور کیا گیا، جس کی بنیاد پر انٹرنیشنل کرمنل کورٹ (International Criminal Court – ICC) قائم کی گئی۔ یہ عدالت یکم جولائی 2002ء سے باقاعدہ طور پر فعال ہوئی اور اس کا صدر دفتر دی ہیگ، نیدرلینڈز میں واقع ہے

۔ آئی سی سی دنیا کی پہلی مستقل بین الاقوامی فوجداری عدالت ہے جو نسل کشی (Genocide)، انسانیت کے خلاف جرائم جنگی جرائم، جارحیت کا جرم (Crime of Aggression) کے مرتکب افراد کے خلاف کاروائی کرتی ہے۔

بعد ازاں یکم جون 2010ء کو یوگنڈا کے شہر کمپالا میں منعقدہ روم اسٹیچوٹ کی جائزہ کانفرنس میں ہر سال 17 جولائی کو "ورلڈ ڈے فار انٹرنیشنل جسٹس" کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا گیا

انٹرنیشنل کرمنل کورٹ نے گزشتہ برسوں میں کئی اہم مقدمات میں کارروائی کی، جن میں نمایاں مثالیں یہ ہیں :عمر البشیر (سوڈان): دارفور میں مبینہ نسل کشی، جنگی جرائم اور انسانیت کے خلاف جرائم کے الزامات پر گرفتاری کے وارنٹ جاری کیے گئے

۔ژاں پیئر بمبا (جمہوریہ کانگو): وسطی افریقی جمہوریہ میں قتل، عصمت دری اور لوٹ مار جیسے جرائم پر سزا سنائی گئی

۔افغانستان: طالبان، داعش خراسان اور دیگر فریقوں کی جانب سے مبینہ جنگی جرائم اور انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کی تحقیقات کی اجازت دی گئی

۔اسرائیل اور فلسطین: 2024ء میں آئی سی سی نے غزہ کی صورتحال کے تناظر میں اسرائیلی وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو اور سابق وزیر دفاع یوآو گیلنٹ سمیت حماس کے بعض رہنماؤں کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ جاری کیے، جنہیں متعلقہ فریقین نے مختلف قانونی و سیاسی بنیادوں پر چیلنج بھی کیا۔ ان مقدمات نے یہ اصول اجاگر کیا کہ سنگین بین الاقوامی جرائم کے مرتکب افراد، خواہ وہ کتنے ہی بااثر کیوں نہ ہوں، احتساب سے بالاتر نہیں

پاکستان نے روم اسٹیچوٹ پر نہ تو دستخط کیے ہیں اور نہ ہی اس کی توثیق (Ratification) کی ہے، اس لیے پاکستان آئی سی سی کا رکن نہیں۔ پاکستان کا مؤقف یہ رہا ہے کہ: قومی خود مختاری کا احترام ضروری ہے۔ بعض معاملات میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے کردار اور عدالت کے دائرہ اختیار پر تحفظات موجود ہیں۔ اسی وجہ سے کسی پاکستانی شہری کے خلاف آئی سی سی میں مقدمہ نہیں چلا۔

اکثر لوگ International Criminal Court (ICC) اور International Court of Justice (ICJ) کو ایک ہی ادارہ سمجھتے ہیں، حالانکہ دونوں کے اختیارات مختلف ہیں۔

انٹرنیشنل کورٹ اف جسٹس اقوام متحدہ کا بنیادی عدالتی ادارہ ہے جو ممالک کے درمیان تنازعات سنتا ہے اور انٹرنیشنل کرمنل کورٹ افراد کے خلاف مقدمات چلانے کی مجاز ہے.

پاکستان اگرچہ آئی سی سی کا رکن نہیں، تاہم عالمی عدالت انصاف (ICJ) سے متعدد مواقع پر رجوع کر چکا ہے۔ نمایاں مقدمات میں یہ شامل ہیں:

1۔ کلبھوشن یادیو کیس (2017–2019) بھارت نے پاکستانی فوجی عدالت کی جانب سے سنائی گئی سزا کے خلاف آئی سی جے سے رجوع کیا۔ عدالت نے پاکستان کو ویانا کنونشن کے تحت قونصلر رسائی فراہم کرنے اور مؤثر نظر ثانی کا موقع دینے کا حکم دیا، تاہم کلبھوشن یادیو کی فوری رہائی کا حکم نہیں دیا

۔2۔ اٹلانٹک طیارہ کیس (1999) پاکستان نے بھارتی فضائیہ کی جانب سے نیوی کے غیر مسلح اٹلانٹک طیارے کو مار گرائے جانے پر بھارت کے خلاف مقدمہ دائر کیا، لیکن عدالت نے دائرہ اختیار نہ ہونے کی بنیاد پر کیس نہیں سنا

۔3۔ جنگی قیدیوں کا مقدمہ (1973) 1971ء کی جنگ کے بعد پاکستان نے بھارتی اقدامات کے خلاف عالمی عدالت سے رجوع کیا، تاہم شملہ معاہدے کے بعد یہ معاملہ واپس لے لیا گیا۔

4۔ آئی سی اے او اپیل کیس (1971) بھارت نے پاکستانی طیاروں کی پروازوں سے متعلق آئی سی اے او کے اختیار کو چیلنج کیا، مگر آئی سی جے نے آئی سی اے او کے دائرہ اختیار کو برقرار رکھا

آئی سی جے نے عالمی قانون کی تشکیل میں کئی اہم فیصلے دیے، جن میں:

نکاراگوا بنام امریکہ (1986) — غیر مداخلت کے اصول کو مضبوط کیا

۔شمالی سمندر کے کانٹینینٹل شیلف مقدمات (1969) — بین الاقوامی سمندری قانون کی بنیاد رکھنے والے فیصلوں میں شمار ہوتا ہے۔ چاڈ بنام لیبیا (1994) — اوزو پٹی کے تنازع کا فیصلہ

۔روہنگیا نسل کشی کیس (2020) — میانمار کو روہنگیا مسلمانوں کے تحفظ اور شواہد محفوظ رکھنے کے عبوری احکامات جاری کیے۔

۔عالمی عدالتوں میں پاکستان کے کئی ممتاز قانون دان عالمی سطح پر اہم خدمات انجام دے چکے ہیں، جن میں: جسٹس سر محمد ظفر اللہ خان — عالمی عدالت انصاف (ICJ) کے صدر منتخب ہونے والے پہلے پاکستانی۔ جسٹس تصدق حسین جیلانی — کلبھوشن یادیو مقدمے میں پاکستان کے ایڈہاک جج۔ بیرسٹر خاور قریشی — (KC) کلبھوشن یادیو کیس میں پاکستان کے قانونی مشیر اور وکیل۔

۔عالمی یومِ بین الاقوامی انصاف کا دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ انصاف صرف قومی عدالتوں تک محدود نہیں بلکہ ایسے سنگین جرائم، جو پوری انسانیت کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیں، ان کے لیے بین الاقوامی احتساب بھی ناگزیر ہے۔ عالمی امن، انسانی وقار، خواتین اور بچوں کے حقوق کے تحفظ، اور مظلوموں کو انصاف کی فراہمی کے لیے قانون کی بالادستی ہی ایک پرامن اور منصفانہ عالمی نظام کی بنیاد ہے

۔17 جولائی اس عزم کی تجدید کا دن ہے کہ دنیا میں کوئی بھی شخص یا ریاست قانون سے بالاتر نہیں، اور انصاف ہی پائیدار امن، انسانی حقوق اور عالمی استحکام کی ضمانت ہے۔



16 جولائی سانپوں کا عالمی دن - پاکستان میں صورت حال اور سانپوں کے بارے میں دیومالائی داستانوں کی حقیقت۔۔

اگرچہ دنیا بھر میں سانپ دہشت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ مگر تاثر کو زائل کرنے کے کئے سانپوں کا عالمی دن ہر سال 16 جولائی کو منایا جاتا ہے

اس کا آغاز باقاعدہ طور پر 2013 میں امریکہ سے ہوا، جس کا بنیادی مقصد لوگوں میں سانپوں کے بارے میں پائے جانے والے خوف کو ختم کرنا اور ان کی ماحولیاتی اہمیت کو اجاگر کرنا تھا۔ اس دن کو منانے کا آغاز 2013 میں سوشل میڈیا اور مختلف وائلڈ لائف (wildlife) تنظیموں کی جانب سے کیا گیا۔ دنیا بھر میں سانپوں کو خوف کی علامت سمجھا جاتا ہے اور لوگ اکثر بے ضرر سانپوں کو بھی مار دیتے ہیں۔ اسی دقیانوسی سوچ اور منفی تاثر کو بدلنے کے لیے اس دن کا انعقاد عمل میں لایا گیا۔

سانپ ماحولیاتی نظام کا اہم حصہ ہیں جو چوہوں، کیڑے مکوڑوں اور مینڈکوں کی آبادی کو کنٹرول کر کے فصلوں اور قدرتی توازن کو برقرار رکھتے ہیں اور سانپوں کا زہر مختلف ادویات (خصوصاً اینٹی وینم اور بلڈ پریشر کی ادویات) کی تیاری میں بھی استعمال ہوتا ہے دنیا بھر میں سانپوں کی تقریباً 3500 اقسام ہیں اور ان میں سے زیادہ تر زہریلی نہیں ہوتیں۔ یہ دن ان کی نسلوں کو موسمیاتی تبدیلی اور انسانوں کی جانب سے شکار سے بچانے کے لیے شعور بیدار کرتا ہے۔ یہ دن منانے سے عوام میں یہ شعور اجاگر ہوا ہے کہ سانپ قدرتی ماحول کی حفاظت کے لیے کتنے ضروری ہیں۔ عالمی سطح پر ڈبلیو ایچ او (World Health Organization) نے سانپ کے کاٹنے کے واقعات اور اس سے بچاؤ پر بھرپور توجہ دی ہے۔ تاہم، جنگلات کی کٹائی اور غیر قانونی جنگلی حیات کی تجارت (pet trade) کے باعث سانپوں کو اب بھی خطرات لاحق ہیں جن پر قابو پانا باقی ہے۔

ایک طرف تو سانپ کے بارے مین دنیا کا یہ رویہ ہے دوسری طرف ہمارے پڑوسی ملک میں ایک اور طرح کا انداز اپنایا گیا ہے۔ ہندو مت اور معاشرے میں سانپ کو انتہائی قابل احترام، مقدس اور پر اسرار مقام حاصل ہے۔ اسے محض ایک جانور کے طور پر نہیں دیکھا جاتا، بلکہ دیوتاؤں سے لے کر کائنات کی تخلیق اور تباہی تک گہرا تعلق جوڑا جاتا ہے۔ ہندو مت میں سانپوں کی اہمیت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہندو مت کے سب سے بڑے دیوتاؤں میں سے ایک، بھگوان شیو کے گلے میں ہمیشہ 'واسکی (Vasuki) 'نام کا سانپ لپٹا رہتا ہے، جو اس بات کی علامت ہے کہ شیو نے موت اور خوف پر قابو پا رکھا ہے اور ہندو کائنات کے مطابق، بھگوان وشنو کائنات کی تخلیق سے پہلے کائنات کے سمندر میں 'شیش ناگ (Shesha Naga) 'نامی ہزاروں سروں والے سانپ کے بستر پر آرام کرتے ہیں۔ شیش ناگ کو وقت اور کائنات کی پائیداری کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہندو کیلنڈر کے مطابق ساون کے مہینے میں 'ناگ پنچمی' کا تہوار منایا جاتا ہے۔ اس دن لوگ سانپوں کی پوجا کرتے ہیں، اور ان سے تحفظ کی دعائیں مانگتے ہیں۔ ہندو یوگا اور روحانیت میں، سانپ کو انسانی جسم میں پوشیدہ روحانی توانائی (Kundalini) کی علامت مانا جاتا ہے۔

ناگوں کے بارے مین افسانے اور قصے کہانیاں

کہ وہ سو سال کی عمر کے بعد انسانی روپ دھار لیتے ہیں اور اچھا دھاری سانپ بن جاتے ہین اور ان پر فلمین اور کتابیں بھی لکھی جا چکی ہیں۔ یہ خالصتاً ایک دیومالائی افسانہ اور لوک داستان ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ سائنسی اعتبار سے سانپوں میں ایسی کوئی صلاحیت نہیں ہوتی۔ مختلف اقسام کے سانپوں کی طبعی عمر عام طور پر 10 سے 30 سال تک ہوتی ہے۔ جنگل میں یہ اس سے بھی کم جیتے ہیں۔ اور سانپوں میں دماغی صلاحیت اتنی ترقی یافتہ نہیں ہوتی کہ وہ اپنا جسم بدل سکیں یا انسانی شکل اختیار کر سکیں

سانپ صرف اپنی کینچلی (جلد) اتارتے ہیں تا کہ جسم بڑا ہونے پر نئی جلد حاصل کر سکیں، روپ نہیں بدلتے۔ یہ کہانیاں صدیوں سے دنیا بھر کے کلچر اور ڈراموں کا حصہ رہی ہیں (جیسا کہ ناگن کی کہانیاں)، لیکن حقیقت میں یہ صرف تخیل اور ڈر کا نتیجہ ہیں

سانپوں کی حقیقی دنیا ان افسانوں سے کہیں زیادہ دلچسپ ہے، جہاں سائنس ان کے حیرت انگیز سچ سامنے لاتی ہے۔ سانپ ناک کے بجائے اپنی زبان باہر نکال کر ارد گرد کے ماحول کو سونگھتے ہیں اور ان کے باہر کان نہیں ہوتے، یہ زمین کی تھرکن (vibrations) محسوس کرتے ہیں۔ سانپوں کی آنکھوں پر پلکیں نہیں ہوتیں، اس لیے وہ کبھی آنکھیں بند نہیں کرتے: یہ اپنے شکار کو چبائے بغیر ثابت نگلتے ہیں اور ہفتوں تک بغیر کھائے رہ سکتے ہیں

سانپوں کے بارے میں دیگر مشہور خرافات اور جھوٹی کہانی / افسانہ کہ سانپ بین کی دھن پر ناچتا ہے بھی عام ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ سانپ بہرے ہوتے ہیں، وہ بین کی آواز پر نہیں بلکہ اس کی حرکت دیکھ کر اپنا دفاع کرتے ہیں اور ہلتے ہیں۔ اسی طرح انتقام لینے والا ناگ (بدلہ لینا) بھی ان کے بارے میں مشہور ہے جبکہ سانپوں کا دماغ بہت چھوٹا ہوتا ہے، ان میں یادداشت یا بدلہ لینے کا کوئی جذبہ نہیں ہوتا۔ ناگ منی (چمکیلا پتھر) کسی سانپ کے سر میں کوئی قیمتی پتھر یا منی نہیں ہوتی، یہ سراسر من گھڑت کہانی ہے۔ سانپ رینگنے والے جاندار ہیں، وہ دودھ نہیں پیتے۔ پیاس کی شدت میں دودھ پینے سے وہ مر بھی سکتے ہیں۔ روٹین میں وہ دودھ پی بھی لیتے ہین

پاکستان میں بھی سانپوں کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اس دن کے موقع پر لاہور چڑیا گھر (Lahore Zoo) اور دیگر وائلڈ لائف ڈیپارٹمنٹس کی جانب سے نمائشوں اور سیمینارز کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ ان تقریبات میں اسکول کے بچوں کو غیر زہریلے سانپ دکھائے جاتے ہیں اور انہیں سانپوں کے بارے میں درست معلومات فراہم کی جاتی ہیں تاکہ لوگ انہیں نقصان پہنچانے کے بجائے ان سے دور رہیں اور قدرتی ماحول کو سمجھیں۔

مگر ان سب کے باوجود سانپ کا خوف اپنی جگہ موجود ہے اور یہ دہشت کی علامت ہے اور اسے دیکھتے ہی مار دیا جاتا ہے۔ جب سانپ نمودار ہوتا ہے تو کوئی اس چکر میں نہین پڑتا کہ وہ خطرناک ہے یا بے ضرر؟

پاکستان میں تقریباً 60 سے 90 سے زائد اقسام کے سانپ پائے جاتے ہیں، جن میں سے تقریباً 4 سے 9 انتہائی زہریلے اور جان لیوا ہیں۔

پاکستان کے چار سب سے زیادہ زہریلے سانپوں کو عرفِ عام میں "بگ فور (Big-4) " کہا جاتا ہے۔ ان میں انڈین کوبرا (Indian Cobra / کالاناگ) سب سے خطرناک ہے اور اس کا زہر فوری طور پر اعصابی نظام کو مفلوج کر دیتا ہے اور سانپ پنجاب (لاہور، فیصل آباد، ملتان، بہاولپور)، سندھ اور بلوچستان کے دیہی اور زرعی علاقوں میں عام پایا جاتا ہے۔

اسی طرح کامن کریت (Common Krait / سنگچور) کا زہر انتہائی طاقتور نیوروٹاکسک۔ اس کے کاٹنے کا درد نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے، اس لیے اسے 'خاموش قاتل (Silent Killer) ' بھی کہتے ہیں۔ اور یہ سندھ (تھرپارکر، دادو، جامشورو)، پنجاب کے میدانی علاقے اور بلوچستان مین پایا جاتا ہے۔

رسلز وائپر (Russell's Viper) سانپ کا: زہر: ہیموٹاکسک (خون کی نالیوں کو تباہ کرنے والا) ہے اور یہ: بالائی پنجاب (پوٹھوہار کے علاقے)، سندھ کے میدانی اور دریائی پٹی کے علاقے مین پایا جاتا ہے. اور ساسکیلڈ وائپر (Saw-Scaled Viper) سانپ کا زہر خون جمانے کی صلاحیت ختم کرنے والا اور اندرونی خون بہنے کا باعث بننے والا ہے اور یہ بلوچستان، تھر کے صحرا اور پنجاب کے خشک و پتھریلے علاقے مین پایا جاتا ہے۔

ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) کی رپورٹس کے مطابق، پاکستان میں سالانہ تقریباً 40,000 افراد سانپ کے کاٹنے کا شکار ہوتے ہیں۔ بروقت طبی امداد اور 'اینٹی اسنیک وینم (Anti-Snake Venom) ' نہ ملنے کی وجہ سے ہر سال 8,200 کے لگ بھگ اموات ہوتی ہیں۔ دیہی علاقوں میں ہلاکتوں کی شرح زیادہ ہونے کی بنیادی وجہ مریضوں کا ہسپتال پہنچنے سے پہلے مقامی عاملین یا جھاڑ پھونک کے چکروں میں قیمتی وقت ضائع کرنا ہے۔

حالانکہ پاکستان مین NIH اسلام آباد کی تیار کردہ۔ ASV کی فراہمی کی طرف خصوصی توجہ دی جاتی ہے اور ہر بنیادی مرکز صحت اور سرکاری ہسپتالوں مین یہ مناسب مقدار مین دستیاب ہوتی ہے۔ اس میں عوام کی آگاہی بہت صروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بے ضرر سانپون کے بارے عوامی اگاہی مہم ضروری ہے تاکہ ماحول دوست سانپ انسانوں کا شکار نہ بننے پائین۔



15جولائی۔۔نوجوانوں کے ہنر کا عالمی دن

(WORLD YOUTH SKILLS DAY)

ہر سال 15 جولائی کو دنیا بھر میں "ورلڈ یوتھ سکلز ڈے (World Youth Skills Day) "یعنی نوجوانوں کے ہنر کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ یہ دن نوجوانوں کو روزگار، باوقار کام اور کاروباری صلاحیتوں کے لیے ضروری ہنر سے آراستہ کرنے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے

اس دن کو منانے کی ابتدا سری لنکا کی کوششوں سے ہوئی۔ سری لنکا نے مئی 2014 میں منعقدہ "نوجوانوں پر عالمی کانفرنس" میں اس حوالے سے ایک تجویز پیش کی۔ اس کا مقصد دنیا بھر کے نوجوانوں کو درپیش بے روزگاری کے چیلنجز سے نمٹنے کے لیے تکنیکی و پیشہ ورانہ تعلیم اور تربیت (TVET) کی اہمیت کو تسلیم کروانا تھا۔ سری لنکا کی اس وکالت کے بعد، گروپ آف 77 (G77) اور چین کی حمایت سے ایک قرارداد تیار کی گئی، جسے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی (UNGA) نے 18 دسمبر 2014 کو متفقہ طور پر منظور کیا۔ پہلی بار یہ دن باقاعدہ طور پر 15 جولائی 2015 کو دنیا بھر میں منایا گیا.

اس عالمی دن کو منانے کے پس پردہ چند انتہائی اہم محرکات اور عالمی چیلنجز تھے کیونکہ دنیا بھر میں روایتی ڈگریوں کے باوجود نوجوانوں میں بے روزگاری کی شرح تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل ہونے والے نوجوانوں کے پاس وہ عملی ہنر (Practical Skills) نہیں تھے جن کی جدید صنعتی مارکیٹ کو ضرورت تھی۔ بہت سے معاشروں میں تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم (TVET) کو عام تعلیم سے کم تر سمجھا جاتا تھا۔ اس تاثر کو بدلنا اور اسے ایک معزز اور منافع بخش کیریئر کے طور پر پیش کرنا ضروری تھا۔ علاوہ ازیں اقوام متحدہ کے پائیدار ترقی کے ہدف نمبر 4 (معیاری تعلیم و تربیت) اور ہدف نمبر 8 (باوقار کام اور معاشی ترقی) کے حصول کے لیے نوجوانوں کی ہنر مندی ناگزیر تھی۔

اقوام متحدہ کی طرف سے مکمل حمایت اور آگاہی مہمات کی بدولت دنیا بھر کے ممالک نے اپنے تعلیمی نظام میں "پیشہ ورانہ تربیت" کو بنیادی ترجیح بنانا شروع کیا۔ فیکٹریوں، آئی ٹی کمپنیوں اور تعلیمی اداروں کے درمیان تعاون بڑھا تاکہ نوجوانوں کو وہی سکھایا جائے جس کی مارکیٹ میں مانگ ہے۔ موسمیاتی تبدیلیوں اور مصنوعی ذہانت (AI) کے اس دور میں اب دنیا بھر میں گرین جابز (Green Jobs) اور ڈیجیٹل ہنر پر توجہ دی جارہی ہے۔

پاکستان دنیا کے ان چند ممالک میں شامل ہے جہاں کی اکثریت (تقریباً 60 فیصد سے زائد آبادی) نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ اس دن اور عالمی رجحانات کی وجہ سے پاکستان میں درج ذیل واضح تبدیلیاں آئی ہیں

1۔ ذہنی رویوں میں تبدیلی: اب پاکستانی نوجوان اور والدین صرف روایتی ڈگریوں (جیسے بی اے، ایم اے) کے پیچھے بھاگنے کے بجائے آئی ٹی، فری لانسنگ، گرافک ڈیزائننگ، اور مختلف فنی کورسز کی طرف مائل ہو رہے ہیں

2۔ فری لانسنگ کا انقلاب: ہنر مند نوجوانوں کی بدولت پاکستان فری لانسنگ کی دنیا میں ایک ابھرتی ہوئی طاقت بن چکا ہے، جس سے ملک میں قیمتی زرِ مبادلہ آرہا ہے

3۔ خواتین کی شمولیت: مائیکرو ورکنگ اور ڈیجیٹل ہنر کی بدولت خواتین کو گھر بیٹھے معاشی طور پر خود مختار ہونے کے مواقع ملے ہیں

4۔ حکومت پاکستان (اور صوبائی حکومتیں، خصوصاً پنجاب میں) نوجوانوں کو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ہنر مند بنانے کے لیے متعدد عملی اقدامات اور پروگرام چلا رہی ہیں: نیوٹیک (NAVTTC): نیشنل ووکیشنل اینڈ ٹیکنیکل ٹریننگ کمیشن ملک بھر میں نوجوانوں کو مفت فنی اور پیشہ ورانہ کورسز کرواتا ہے اور انہیں بین الاقوامی معیار کے سرٹیفکیٹس فراہم کرتا ہے تاکہ وہ بیرونِ ملک بھی روزگار حاصل کر سکیں۔ ٹیوٹا (TEVTA) نیٹ ورک کے ذریعے صوبائی سطح پر (جیسے پنجاب ٹیوٹا) ہزاروں نوجوانوں کو مختلف صنعتی، تکنیکی اور سروس سیکٹر کے کورسز کروائے جارہے ہیں۔ وزیر اعظم / وزیر اعلیٰ یوتھ سکل ڈویلپمنٹ پروگرامز کے تحت نوجوانوں کو ہائی ٹیک (High-Tech) کورسز جیسے کہ بلاک چین، آرٹیفیشل انٹیلیجنس، کلاؤڈ کمپیوٹنگ، اور ڈیٹا سائنس میں مفت تربیت دی جاتی ہے

۔ڈی جی سکلز (DigiSkills.pk) وزارتِ انفارمیشن ٹیکنالوجی کا ایک انتہائی کامیاب پروگرام ہے جس کے تحت لاکھوں نوجوانوں کو بالکل مفت ڈیجیٹل ہنر (جیسے فری لانسنگ، ایس ای او، ورڈپریس، ای کامرس) سکھائے گئے ہیں

جو نوجوان ہنر سیکھ لیتے ہیں، حکومت انہیں اپنے چھوٹے کاروبار (Start-ups) شروع کرنے کے لیے آسان شرائط پر یا بلا سود قرضے فراہم کرتی ہے تاکہ وہ ملازم بننے کے بجائے خود روزگار فراہم کرنے والے بن سکیں۔

15 جولائی کا یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ نوجوانوں کو صرف تعلیم دینا کافی نہیں، بلکہ انہیں "کارآمد ہنر" دینا ہی ملک کی معاشی بقا کا واحد راستہ ہے۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کے لیے اپنے نوجوانوں کو ہنر مند بنانا کسی نعمت سے کم نہیں، کیونکہ یہی نوجوان کل کا خوشحال پاکستان بنا سکتے ہیں



14 جولائی: باسٹیل ڈے — (Bastille Day) آزادی، مساوات اور عوامی طاقت کی علامت

14 جولائی فرانس کی تاریخ کا وہ تاریخی دن ہے جس نے نہ صرف فرانس بلکہ پوری دنیا کی سیاسی تاریخ کا رخ بدل دیا۔ اس دن 1789ء میں پیرس کے عوام نے قلعۂ باسٹیل (Bastille Prison) پر حملہ کر کے اسے اپنے قبضے میں لے لیا۔ اسی واقعے کو فرانسیسی انقلاب (French Revolution) کا نقطۂ آغاز سمجھا جاتا ہے

باسٹیل ایک مضبوط قلعہ نما جیل تھی، جسے فرانسیسی بادشاہ سیاسی مخالفین، دانشوروں اور ناقدین کو بغیر مقدمے کے قید رکھنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ قلعہ شاہی ظلم، آمریت اور مطلق العنان حکومت کی علامت بن گیا۔ اٹھارہویں صدی کے آخر میں فرانس شدید مشکلات کا شکار تھا: بادشاہت کی شاہانہ فضول خرچی بھاری ٹیکسوں کا بوجھ صرف عام عوام پر اشرافیہ اور مذہبی طبقے کو خصوصی مراعات مہنگائی، قحط اور بے روزگاری عوام کو سیاسی حقوق سے محرومی یہ تمام عوامل عوامی غصے کا سبب بنے

14 جولائی 1789 کی صبح ہزاروں شہری اسلحہ اور بارود حاصل کرنے کے لیے باسٹیل پہنچے۔ قلعے کے محافظوں اور عوام کے درمیان شدید جھڑپ ہوئی۔ کئی گھنٹوں کی لڑائی کے بعد عوام نے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اس واقعے میں تقریباً 100 کے قریب انقلابی شہری مارے گئے جبکہ قلعے کے گورنر برنارڈ رینے ڈی لونے (Bernard-René de Launay) گرفتار ہونے کے بعد ہجوم کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس وقت باسٹیل میں صرف سات قیدی موجود تھے، لیکن اس قلعے کی علامتی اہمیت اس کے اندر موجود قیدیوں سے کہیں زیادہ تھی

باسٹیل پر قبضے نے فرانس میں ایک نئی سیاسی سوچ کو جنم دیا: بادشاہ کی مطلق العنان طاقت کمزور پڑ گئی۔ جاگیرداری نظام کے خاتمے کا آغاز ہوا

۔ آزادی، مساوات اور اخوت (Liberté, Égalité, Fraternité) کے اصول دنیا بھر میں مقبول ہوئے۔ اور اعلانِ حقوقِ انسان و شہری (Declaration of the Rights of Man and of the Citizen) منظور کیا گیا۔ جمہوریت، انسانی حقوق اور آئینی حکومتوں کی تحریکوں کو دنیا بھر میں تقویت ملی۔

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا باسٹیل ڈے صرف قلعے پر قبضے کی یاد ہے؟

دلچسپ بات یہ ہے کہ فرانس کا قومی دن صرف 1789ء کے واقعے کی یاد نہیں دلاتا بلکہ 14 جولائی 1790ء کو منعقد ہونے والی Fête de la Fédération کی بھی یادگار ہے، جس میں قومی اتحاد، مفاہمت اور نئے فرانس کے قیام کا جشن منایا گیا

۔ آج 14 جولائی فرانس کا قومی دن ہے، جسے پورے ملک میں جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر پیرس کے Champs-Élysées پر شاندار فوجی پریڈ ہوتی ہے۔ فرانسیسی فضائیہ فضائی کرتب پیش کرتی ہے۔ ایفل ٹاور کے قریب آتش بازی کا شاندار مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ موسیقی، ثقافتی تقریبات اور عوامی جشن منعقد ہوتے ہیں۔

۔ باسٹیل ڈے ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ جب ظلم، ناانصافی اور عدم مساوات حد سے بڑھ جائیں تو عوام تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ تاہم تاریخ یہ بھی سکھاتی ہے کہ حقیقی اور پائیدار انقلاب صرف اقتدار کی تبدیلی سے نہیں بلکہ انصاف، قانون کی حکمرانی، عوامی شعور اور ذمہ دار قیادت سے کامیاب ہوتا ہے

۔ المختصر 14 جولائی 1789ء کو باسٹیل قلعے پر عوامی قبضہ فرانسیسی انقلاب کی علامت بن گیا، جبکہ آج یہ دن پوری دنیا میں آزادی، مساوات، جمہوریت اور انسانی حقوق کی جدوجہد کی ایک تاریخی یادگار کے طور پر جانا جاتا ہے



13 جولائی۔یوم شہداء کشمیر۔جب 22 مسلمانوں نے اپنی زندگی کا نذرانہ پیش کر کے ازان مکمل کی۔

ہر سال 13 جولائی یوم شہدا کشمیر تحریک آزادی کشمیر کے ان 22 غیور مسلمانوں کی یاد میں منایا جاتا ہے، جنہیں 13 جولائی 1931 کو سرینگر کی سینٹرل جیل کے باہر ڈوگرہ راج کی فوج نے نمازِ ظہر کے دوران اذان دیتے ہوئے شہید کر دیا تھا۔اس روز سری نگر جیل میں ایک مقامی مسلمان نوجوان عبدالقدیر خان کے خلاف توہینِ مذہب کے مقدمے کی سماعت کے موقع پر ہزاروں کشمیری مسلمان عدالت کے باہر جمع ہو گئے تھے۔ نمازِ ظہر کا وقت ہونے پر ایک نوجوان نے اذان دینا شروع کی تو ڈوگرہ فوج نے اسے گولی مار کر شہید کر دیا۔اس کے بعد یکے بعد دیگرے 22 افراد نے ازان مکمل کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

سری نگر، کشمیر میں پیش آنے والا یہ واقعہ کشمیر کی جدید تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔عبدالقدیر بنیادی طور پر جموں و کشمیر کے مقامی باشندے نہیں تھے، بلکہ ان کا تعلق سوات صوبہ خیبر پختونخوا سے تھا اور وہ ایک انگریز فوجی افسر کے باورچی (کک) کی حیثیت سے سری نگر آئے ہوئے تھے۔جون 1931 میں، جموں کے علاقے میں مسلمانوں کے ساتھ چند ایسے واقعات پیش آئے جنہیں مسلمانوں نے اپنے مذہبی جذبات کی توہین اور مداخلت سمجھا (جیسے عید کے خطبے کو روکنا اور قرآن پاک کی مبینہ بے حرمتی)۔ان واقعات کے خلاف کشمیر کے مسلمانوں میں شدید غم و غصہ پایا جاتا تھا۔21 جون 1931 کو سری نگر کی خانقاہِ معلّٰی میں مسلمانوں کا ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا، جہاں مقامی رہنماؤں نے تقاریر کیں۔اسی جلسے کے اختتام پر عبدالقدیر نے اسٹیج پر آ کر ایک انتہائی جوشیلی اور غصیلی تقریر کی، جس میں انہوں نے ڈوگرا راج کے مظالم کے خلاف آواز اٹھائی اور لوگوں کو محل کی اینٹ سے اینٹ بجانے پر اکسایا

۔اس تقریر کی پاداش میں ڈوگرا حکومت نے 25 جون 1931 کو انہیں بغاوت اور توہینِ مذہب / ریاست کے الزامات کے تحت گرفتار کر لیا۔ عبدالقدیر کے خلاف مقدمے کی سماعت پہلے سری نگر کی مرکزی عدالت میں شروع ہوئی، لیکن وہاں ہر پیشی پر ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع ہو جاتے تھے، جس سے امن و امان کا مسئلہ پیدا ہو رہا تھا۔ حکومت نے عوامی ردعمل کے ڈر سے مقدمے کی سماعت کو عدالت سے منتقل کر کے سینٹرل جیل سری نگر کے اندر ہی چلانے کا فیصلہ کیا

۔13 جولائی 1931 کو جب جیل کے اندر مقدمے کی سماعت ہو رہی تھی، تو جیل کے باہر ہزاروں کی تعداد میں نہتے مسلمان جمع ہو گئے تاکہ اپنے رہنما کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کر سکیں اور مقدمے کی کارروائی کا حال جان سکیں۔

دوپہر کے وقت جب نماز کا وقت ہوا، تو ہجوم میں سے ایک نوجوان نے اذان دینا شروع کی۔ ڈوگرا پولیس نے اسے روکنے کی کوشش کی اور گولی چلا دی، جس سے وہ نوجوان شہید ہو گیا۔ روایات کے مطابق، اس نوجوان کے گرنے کے بعد دوسرے شخص نے اذان کو وہیں سے جاری رکھا، اسے بھی گولی مار دی گئی۔ اس طرح اذان مکمل ہونے تک کئی لوگ یکے بعد دیگرے گولیوں کا نشانہ بنے۔ جیل حکام اور ڈوگرا پولیس نے ہجوم کو منتشر کرنے کے لیے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ اس سرکاری بربریت کے نتیجے میں 22 مسلمان موقع پر یا بعد میں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہوئے اور درجنوں زخمی ہوئے۔

اس واقعے نے کشمیر کی تحریکِ آزادی میں ایک نئی روح پھونک دی۔ ان شہدا کو سری نگر کے نقشبند صاحب کے احاطے میں دفن کیا گیا، جسے آج مزارِ شہدا کہا جاتا ہے۔ اس واقعے کے بعد ہی کشمیر میں ڈوگرا راج کے خلاف باقاعدہ اور منظم سیاسی تحریک کا آغاز ہوا، جس کی قیادت بعد میں شیخ محمد عبداللہ اور دیگر رہنماؤں نے سنبھالی۔ کشمیری تاریخ میں اس دن کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ ڈوگرہ مہاراجہ ہری سنگھ کے جبر کے خلاف کشمیری مسلمانوں کی پہلی اجتماعی اور باقاعدہ جدوجہد اور قربانی کا آغاز تھا۔ کشمیری عوام اور حکومتِ پاکستان سمیت دنیا بھر میں کشمیری اس دن شہدا کی عظیم قربانیوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں اور تحریکِ آزادی کے عزم کو دہراتے ہیں۔

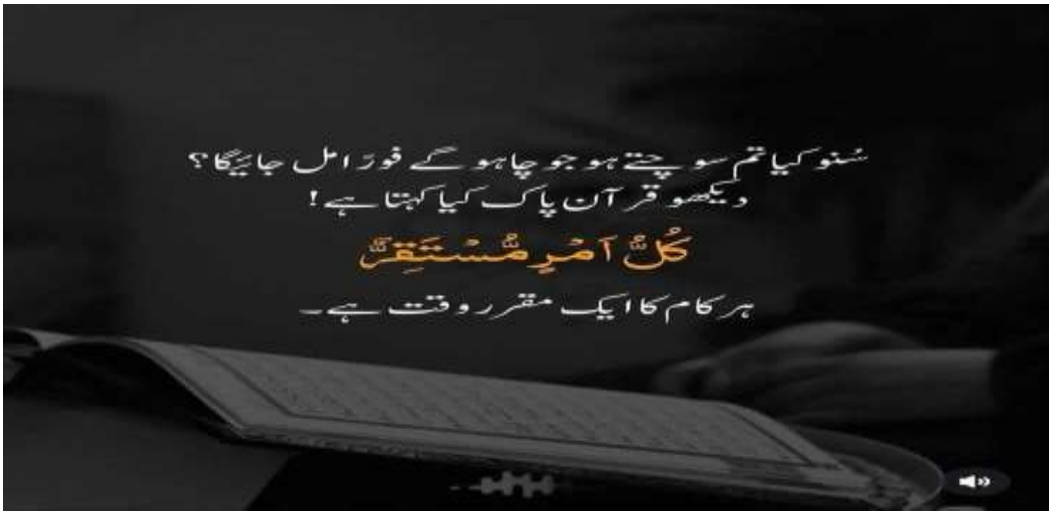

THE SYMPHONY OF TIME : EMBRACING PATIENCE ON THE PATH TO EXCELLENCE.

(وقت کی راگنی-کمال کے سفر میں صبر کی اہمیت)

True success is rarely an overnight phenomenon; it demands a level of patience and perseverance that tests our deepest resolve. While we often invest our entire being into our goals with the hope of immediate returns, the universe operates on a precise and infallible rhythm. This truth is beautifully anchored in the timeless wisdom,

"Kullu Amrin Mustaqir"—every matter has its appointed time and destined outcome.

In both our professional pursuits and personal growth, impatience merely breeds anxiety and disappointment. Conversely, adopting the unshakeable conviction that sincere effort is never wasted empowers us with resilience, building the unwavering confidence needed to weather any storm.In the corporate and creative worlds alike, consistency is the true cornerstone of enduring achievement. Just as a seed must endure the silent transition of seasons before transforming into a fruit-bearing tree, every grand vision and meaningful enterprise requires time to mature.

Embracing this reality liberates us from the fear of temporary setbacks and the urgency of forced outcomes, allowing us to remain calm, focused, and purposeful under pressure.

If the fruits of your labor are not yet visible, do not lose heart. Refine your strategy, elevate your standards, and continue to execute with integrity. When your appointed moment arrives, the harvest of your dedication will be far more remarkable and rewarding than you ever imagined.

کامیابی کا راز: صبر، استقامت اور اللہ کی مقرر کردہ تدبیر میں مضمر ہے۔ حقیقی کامیابی فوری نتائج سے نہیں بلکہ صبر، مستقل مزاجی اور مسلسل جدوجہد سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم کا ابدی پیغام "كُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ" ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہر کام کا ایک مقررہ وقت اور انجام ہوتا ہے۔ اس لیے اگر آج آپ کی محنت کے ثمرات نظر نہیں آ رہے تو مایوس ہونے کے بجائے اپنے عزم کو مزید مضبوط کریں، اپنی صلاحیتوں کو نکھاریں اور دیانت و اخلاص کے ساتھ اپنی کوشش جاری رکھیں۔ جس طرح ایک بیج موسموں کی سختیاں برداشت کرنے کے بعد تناور اور پھلدار درخت بنتا ہے، اسی طرح مستقل مزاجی اور اللہ پر کامل بھروسہ رکھنے والے افراد ہی پائیدار اور باوقار کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ یقین رکھیں، ہر مخلصانہ کوشش ضائع نہیں جاتی؛ جب اللہ کا مقررہ وقت آتا ہے تو کامیابی توقعات سے بڑھ کر، زیادہ دیرپا اور زیادہ بابرکت ثابت ہوتی ہے

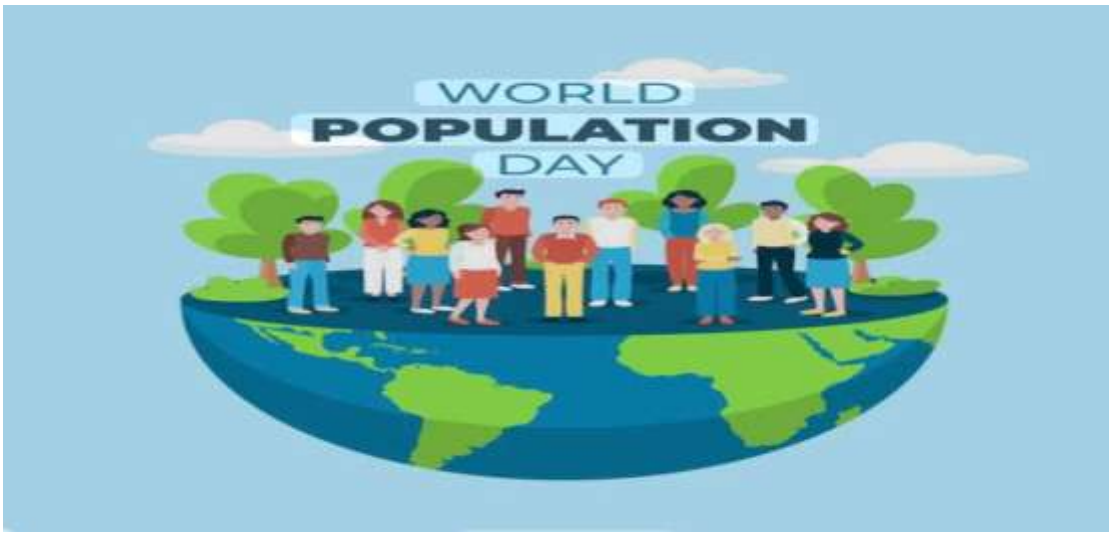

11 جولائی: عالمی یومِ آبادی — پاکستان اور بالخصوص پنجاب کے تناظر میں بڑھتی آبادی کا چیلنج اور پائیدار ترقی کی ضرورت

ہر سال 11 جولائی کو دنیا بھر میں عالمی یومِ آبادی (World Population Day) منایا جاتا ہے۔ اس دن کے منانے کا آغاز 1989ء میں اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام (UNDP) کی گورننگ کونسل کے فیصلے کے تحت ہوا، جبکہ اسے پہلی مرتبہ 11 جولائی 1990ء کو باضابطہ طور پر منایا گیا۔ اس دن کے انتخاب کی بنیاد 11 جولائی 1987ء کا وہ تاریخی موقع تھا جب دنیا کی آبادی پہلی بار 5 ارب تک پہنچی، جسے "Day of Five Billion" کا نام دیا گیا۔ اسکے بعد سے یہ دن مسلسل منایا جاتا ہے تاکہ تیزی سے بڑھتی ہوئی عالمی آبادی کے مسائل، چیلنجز اور ان کے پائیدار حل پر توجہ مرکوز کی جاسکے ۔ اس دن کی مناسبت سے دنیا بھر میں سرکاری اور غیر سرکاری تنظیمیں سیمینارز، واکس اور خصوصی پروگراموں کا انعقاد کرتی ہیں۔ ان سرگرمیوں کا بنیادی مقصد عوام میں خاندانی منصوبہ بندی، صنفی مساوات، غربت کے خاتمے، زچہ و بچہ کی صحت اور انسانی حقوق کے بارے میں شعور بیدار کرنا ہوتا ہے تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے وسائل کا بہتر انتظام اور ایک مستحکم مستقبل یقینی بنایا جاسکے۔

اقوام متحدہ کے تازہ ترین تخمینوں کے مطابق دنیا کی آبادی تقریباً 8.3 ارب تک پہنچ چکی ہے۔ آبادی کے لحاظ سے دنیا کے پانچ بڑے ممالک میں: بھارت: تقریباً 1.47 ارب (سالانہ شرحِ اضافہ 0.89 فیصد) چین: تقریباً 1.41 ارب (سالانہ شرح -0.23 فیصد، یعنی آبادی میں کمی) امریکہ: تقریباً 34.9 کروڑ (سالانہ شرح 0.5 تا 0.6 فیصد) انڈونیشیا: تقریباً 28.7 کروڑ (سالانہ شرح 1 فیصد) شامل ہین پاکستان کی ابادی: تقریباً 25.5 تا 26 کروڑ اور) سالانہ شرحِ اضافہ 2.55 فیصد، ہے

2023ء کی مردم شماری کے مطابق) پاکستان اس وقت آبادی کے لحاظ سے دنیا کا پانچواں بڑا ملک ہے، جبکہ اس کی آبادی میں اضافے کی رفتار عالمی اوسط سے نمایاں طور پر زیادہ ہے۔ 2023ء کی پہلی ڈیجیٹل مردم شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی 24 کروڑ 14 لاکھ سے بڑھ کر تقریباً 24.98 کروڑ (249.8 ملین) ہو گئی، جبکہ سالانہ شرحِ اضافہ 2.55 فیصد ریکارڈ کی گئی۔ یہ شرح جنوبی ایشیا میں بلند ترین شرحوں میں شمار ہوتی ہے اور ملک کے محدود وسائل، تعلیم، صحت، روزگار، رہائش، پانی، خوراک اور ماحولیات پر مسلسل دباؤ بڑھا رہی ہے۔ صوبوں کی آبادی اور شرحِ اضافہ کے مطابق پنجاب کی آبادی 12.76 کروڑ — شرحِ اضافہ 2.53 فیصد اور سندھ کی آبادی 5.56 کروڑ — شرحِ اضافہ 2.57 فیصد جبکہ خیبر پختونخوا: کی آبادی 4.08 کروڑ — شرحِ اضافہ 2.38 فیصد اور بلوچستان کی آبادی 1.48 کروڑ اور — شرحِ اضافہ 3.20 فیصد (ملک میں سب سے زیادہ) اسلام آباد کی آبادی 23 لاکھ — شرحِ اضافہ 2.81 فیصد ریکارڈ کیا گیا

پاکستان نے آبادی اور وسائل میں توازن پیدا کرنے کے لیے متعدد اقدامات کیے ہیں، جن میں نمایاں طور پر: وزیر اعظم کی سربراہی میں نیشنل پاپولیشن کونسل کا قیام۔ ملک بھر میں فیملی ویلفیئر سینٹرز اور موبائل ہیلتھ یونٹس کے ذریعے خاندانی منصوبہ بندی کی سہولیات کی فراہمی۔ میڈیا، سول سوسائٹی اور علمائے کرام کے ذریعے عوامی آگاہی مہمات۔ تولیدی صحت اور زچہ و بچہ کی صحت کی خدمات میں بہتری۔ اگرچہ ان اقدامات کے نتیجے میں شرحِ پیدائش میں کچھ کمی آئی ہے، تاہم روایتی سماجی رویے، دور دراز علاقوں میں آگاہی کی کمی، اور انتظامی و سیاسی چیلنجز کی وجہ سے مطلوبہ نتائج ابھی تک حاصل نہیں ہو سکے۔

پنجاب حکومت نے آبادی کے بڑھتے ہوئے دباؤ سے نمٹنے کے لیے ایک اہم انتظامی اصلاح متعارف کرائی ہے۔ محکمہ بہبودِ آبادی کو محکمہ صحت میں ضم کر کے "محکمہ صحت و آبادی پنجاب" تشکیل دیا گیا ہے۔ اس انضمام کے تحت 6,553 ملازمین اور فیلڈ سٹاف کو نئے نظام کا حصہ بنایا گیا ہے تاکہ ماں اور بچے کی صحت، خاندانی منصوبہ بندی اور بنیادی طبی خدمات ایک ہی انتظامی ڈھانچے کے تحت فراہم کی جا سکیں۔ اس اقدام کا مقصد بنیادی مراکزِ صحت (BHUs)، لیڈی ہیلتھ ورکرز اور خاندانی منصوبہ بندی کی خدمات کو باہم مربوط کر کے عوام تک مؤثر، بروقت اور جامع طبی سہولیات پہنچانا ہے

پنجاب میں خاندانی منصوبہ بندی کے نظام کو مضبوط بنانے کے لیے ورلڈ بینک نے 100 ملین امریکی ڈالر کی مالی معاونت فراہم کی ہے۔ اس فنڈنگ کے تحت Punjab Population Innovation Fund (PPIF) کے ذریعے منتخب دیہی اور پسماندہ اضلاع میں نجی شعبے کی شراکت سے جدید منصوبے جاری ہیں، جن کا مقصد خاندانی منصوبہ بندی کی مفت خدمات، گھر کی دہلیز تک طبی سہولیات کی فراہمی اور آبادی کے ذمہ دارانہ انتظام کے بارے میں عوامی شعور کو فروغ دینا ہے۔

عالمی یومِ آبادی ہمیں یہ احساس دلاتا ہے کہ آبادی میں اضافہ صرف اعداد و شمار کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ قومی ترقی، انسانی وسائل، تعلیم، صحت، معیشت اور ماحولیات سے جڑا ہوا ایک بنیادی چیلنج ہے۔ پاکستان، بالخصوص پنجاب، میں آبادی کے مؤثر انتظام کے لیے ضروری ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی، خواتین کی تعلیم، تولیدی صحت، معاشی مواقع اور عوامی آگاہی کو قومی ترقی کی حکمتِ عملی کا مستقل حصہ بنایا جائے۔ پائیدار ترقی کا خواب اسی وقت شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے جب آبادی اور دستیاب وسائل کے درمیان متوازن تعلق قائم کیا جائے



پاسکو۔۔۔اناللہ وانا الیہ راجعون (1973 -2026)

وفاقی کابینہ نے پاسکو (PASSCO) کو دسمبر تک ختم کرنے کی منظوری دے دی۔ پاسکو ملازمین کے لیے 4 ارب 18 کروڑ روپے کے پیکیج کی بھی منظوری دے دی گئی۔ پاسکو کے ریگولر ملازمین کی تعداد تقریباً 1100 ہے، ذرائع سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں گندم کے ذخائر بھی نیلام کیے جائیں گے۔ یہ ایک مختصر سی خبر ہے مگر اپنے پس منظر میں ایک مکمل داستاں سفر بھی رکھتی ہے

۔اکستان میں زراعت اور غذائی تحفظ (Food Security) کے حوالے سے پاسکو (PASSCO - Pakistan Agricultural Storage & Services Corporation) ایک انتہائی اہم ادارہ رہا ہے ۔اس ادارے کا قیام 1973 میں عمل میں آیا اور اس نے باقاعدہ طور پر مئی 1974 سے اپنے آپریشنز کا آغاز کیا۔ اس کا ہیڈ کوارٹر لاہور میں بنایا گیا

اس ادارے کو بنانے کی بنیادی وجہ ملک میں غذائی تحفظ کو یقینی بنانا، فصلوں کی کٹائی کے سیزن میں مارکیٹ کو مستحکم رکھنا اور کسانوں کو ان کی محنت کا جائز معاوضہ دلانا تھا ۔ماضی میں ذخیرہ اندوزی اور گوداموں کی کمی کی وجہ سے اناج ضائع ہو جاتا تھا اور کسان آڑھتیوں کے رحم و کرم پر ہوتے تھے، جس کے حل کے لیے ایک وفاقی ادارے کی ضرورت محسوس کی گئی ۔

پاسکو کو درج ذیل اہم ذمہ داریاں سونپی گئیں :

سپورٹ پرائس (حمایتی قیمت): کسانوں سے حکومت کی مقرر کردہ حمایتی قیمت پر گندم اور دیگر اجناس (جیسے چاول، چنے، پیاز وغیرہ) خریدنا تاکہ انہیں نقصان نہ ہو ۔

اسٹریٹجک ذخائر :(Strategic Reserves) ملک میں گندم کا ہنگامی ذخیرہ برقرار رکھنا ۔

کمی والے علاقوں کو سپلائی: گندم کی کمی کا سامنا کرنے والے صوبوں (جیسے خیبر پختونخوا اور بلوچستان)، آزاد کشمیر، گلگت بلتستان اور افواجِ پاکستان کو ضرورت کے مطابق گندم فراہم کرنا جدید گوداموں کی تعمیر: اناج کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے جدید ترین اسٹوریج اور بلک ہینڈلنگ سسٹم بنانا ۔

۔اپنے 50 سالہ سفر میں پاسکو نے ملک کو بڑے غذائی بحرانوں سے بچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس نے کامیابی سے ملک کے طول و عرض میں گندم کی ترسیل کو یقینی بنایا اور کئی بار بین الاقوامی اداروں سے اسٹوریج نقصانات کو کم کرنے پر داد بھی وصول کی۔

تاہم، حالیہ برسوں میں گوداموں میں گندم خراب ہونے، خریداری کے عمل میں کرپشن، باردانہ (بوریوں) کی تقسیم میں اقربا پروری اور حالیہ سیلابوں کے دوران ہزاروں ٹن گندم ضائع ہونے جیسے سنگین مسائل سامنے آئے، جس کی وجہ سے اس کی کارکردگی پر شدید تنقید کی گئی (بڑی وجہ چند گندی مچھلیاں تھین جس کی وجہ سے تالاب گندہ ہونا شروع ہوا اور یوں اس کی بدبو دور دور سے محسوس ہونے لگی

پاسکو طویل عرصے سے شدید مالی بحران اور قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا ۔کیونکہ یہ کمرشل بینکوں سے اربوں روپے کا قرضہ لے کر گندم خرید تا تھا۔ حکومت کی طرف سے وقت پر ادائیگیاں نہ ہونے اور گندم کے سود (Interest) بڑھنے کی وجہ سے ادارہ شدید مالی خسارے کا شکار ہو گیا ۔حکومتِ پاکستان پاسکو کو گندم کی خریداری، اسٹوریج اور سستے داموں صوبوں کو سپلائی کے فرق کو پورا کرنے کے لیے سالانہ اربوں روپے کی سبسڈی دیتی تھی، لیکن یہ سبسڈی بنیادی طور پر بینکوں کے سود اور انتظامی اخراجات کی نذر ہو جاتی تھی، جس سے قومی خزانے پر بھاری بوجھ پڑ رہا تھا۔

انہی مسلسل خساروں، گندم اسکینڈلز اور کارکردگی کے مسائل کی وجہ سے حکومت نے پاسکو کو بند کرنے (Winding-up) کا حتمی فیصلہ کر لیا ۔حکومت کی اقتصادی رابطہ کمیٹی (ECC) نے پاسکو کے ملازمین کے لیے 4.188 ارب روپے کے سیلورنس پیکیج (گولڈن ہینڈ شیک / ملازمت کے خاتمے کے واجبات) کی منظوری دی ہے۔

اس کے ساتھ ہی، گوداموں میں موجود خراب گندم کو نیلام کرنے اور اس ادارے کی جگہ ایک نئی کمپنی 'Wheat Stocks Management Company' (WSMC) بنانے پر کام جاری ہے تاکہ بقایا قرضوں اور ضروری معاملات کو سنبھالا جا سکے۔

۔مگر کیا حکومت کا یہ فیصلہ درست ہو گا۔؟؟ کیا یہ نئی کمپنی آسمانی مخلوق کے ذریعے یہ نظام چلائے گی؟؟

اگر یہ 1100 ملازمین جنہیں گولڈن ہینڈ شیک دے کر فارغ کیا جا رہا ہے۔ نااہل یا کرپٹ تھے تو انہیں کیوں برداشت کیا جاتا رہا؟؟ اور گولڈن ہینڈ شیک کیوں؟۔ اب یہ نئی کمپنی کا تجربہ بھی کہیں ہیلتھ والا تجربہ نہ ہو جب CMIPHC پروگرام کو پی آر ایس پی PRSP سے بہترین چالو حالت میں لے کے نئی کمپنی phfmc بنائی گئی (کو دے دیا گیا معہ اثاثہ جات (جو اس وقت بستر مرگ پر ہے اور تمام مراکز صحت بند کر کے پرائیویٹ افراد کو آئوٹ سورس کر دئے گئے ہین اور شنید ہے کہ وہ بھی بھاگ رہے ہین

۔حکومت نئی کمپنیون کے جنون سے باہر نکلے اور قومی خزانے کو برباد نہ کرے اور کوئی مناسب حکمت عملی بنائے جس میں سرکاری بابوز کا کنٹرول نہ ہو صرف پرائیویٹ سیکٹر اگے ائے۔ اور وہ سروسز مہیا کرے اور حکومت صرف معاوضہ دے اور کسی جھنجھٹ میں نہ پڑے۔ اب پیف اور پیما کے تحت سکول بھی تو چل رہے ہین۔ اور حکومت ایک بچے پر صرف 1200 روپے ادائیگی کر رہی ہے ۔۔اس میں بھی 30 فی صد کی ڈنڈی مار رہی ہے۔ وہ بھی چل رہا ہے۔ اور اس طرز پر باقی بھی چل جائیں گے۔ کیونکہ حکومتی ادارے تو کام نہ کرنے کے لئے بنے ہین۔ جب بھی کوئی کام ہوتا ہے تو آئوٹ سورس کر دیتے ہین اور نئی کمپنی پی ایم یو بن جاتا ہے۔۔۔۔ تو یہ سرکاری محکمے کس لئے پال رکھے ہین



مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ: ایک ایسی آواز جسے تاریخ خاموش نہ کر سکی۔

نو جولائی پاکستان کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم اور فکر انگیز دن ہے۔ اس روز قوم مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کو خراجِ عقیدت پیش کرتی ہے، جنہوں نے نہ صرف تحریکِ پاکستان میں اپنے عظیم بھائی محمد علی جناح کا بھرپور ساتھ دیا بلکہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی جمہوریت، آئین کی بالادستی، شہری آزادیوں اور عوامی حقِ حکمرانی کے لیے ایک مضبوط اور بے باک آواز بن کر ابھریں۔ وہ پیشے کے اعتبار سے ایک ماہر دندان ساز تھیں، مگر قومی خدمت کے جذبے نے انہیں تاریخ کی ان عظیم شخصیات میں شامل کر دیا جنہوں نے ذاتی آسائش پر قومی مفاد کو ترجیح دی۔ تحریکِ پاکستان کے دوران فاطمہ جناحؒ نے خواتین کو منظم کیا، رفاہی سرگرمیوں کی قیادت کی اور مسلم خواتین میں سیاسی شعور بیدار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا

تاہم ان کا اصل امتحان قیامِ پاکستان کے بعد شروع ہوا، جب انہوں نے اصولوں پر سمجھوتہ کرنے کے بجائے جمہوری اقدار کا دفاع کیا۔

محترمہ فاطمہ جناح نے بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی اور سیاسی جدوجہد کے پوشیدہ گوشوں کو سامنے لانے کے لیے 1955ء میں انگریزی زبان میں ایک سوانحی کتاب "مائی برادر" تحریر کی، جو ان کی وفات (1967ء) کے طویل عرصے بعد 1987ء میں قائداعظم اکیڈمی کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی۔ اس کتاب میں قائداعظم کے آخری ایام، نوزائیدہ ریاست کے سیاسی حالات اور اس وقت کی قیادت پر سخت تنقید کی گئی تھی۔ ان حصوں کو ملکی استحکام اور ریاستی نظریے کے منافی قرار دے کر اشاعت سے قبل ہی سنسر کر دیا گیا تھا۔ سنسر شپ کا شکار ہونے والے ان متنازع صفحات میں بہت سے اہم اور سنسنی خیز انکشافات شامل ہیں اس میں نوابزادہ لیاقت علی خان اور ان کے رفقا کے سیاسی کردار پر ناپسندیدہ اور سخت تبصرے کیے گئے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح نے انکشاف کیا تھا کہ قائداعظم کی علالت کے دوران ان کے بیانات اور یومِ پاکستان کے پیغامات کو جان بوجھ کر پریس میں نمایاں نہیں ہونے دیا گیا اور ان کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے علاوہ جولائی 1948ء میں جب قائداعظم شدید علالت کی حالت میں زیارت (بلوچستان) میں مقیم تھے، تو ان کے نجی طیارے میں آکسیجن کے سلنڈر یا تو موجود ہی نہیں تھے یا ناکافی تھے، جو کہ ایک انتہائی تشویشناک انکشاف تھا

۔کتاب میں واضح اشارے موجود تھے کہ اعلیٰ حکام اور بیوروکریسی قائداعظم کی بگڑتی ہوئی صحت اور ان کی سیاسی ترجیحات سے متعلق حقائق کو عوام سے چھپانا چاہتی تھی۔ انہی حساس سیاسی وجوہات کی بنا پر کتاب کی اشاعت دہائیوں تک رکی رہی۔ جب 1987ء میں قائداعظم اکیڈمی (زیرِ ادارت شریف المجاہد) نے اسے پہلی بار چھاپا، تب بھی اس کے کئی صفحات حذف کر دیے گئے تھے۔ بعد ازاں، یہ حذف شدہ مواد معروف بیوروکریٹ اور مصنف قدرت اللہ شہاب کی مشہورِ زمانہ تصنیف "شہاب نامہ" کے ذریعے منظرِ عام پر آیا

1965ء کے صدارتی انتخابات میں انہوں نے فوجی حکمران محمد ایوب خان کے مقابلے میں انتخاب لڑ کر یہ ثابت کیا کہ عوامی طاقت کسی بھی اقتدار سے زیادہ مضبوط ہو سکتی ہے۔ اگرچہ سرکاری نتائج ان کے حق میں نہ آئے، لیکن متعدد مؤرخین اور سیاسی مبصرین اس بات پر متفق ہیں کہ ان کی انتخابی مہم نے ملک میں جمہوریت کی نئی روح پھونکی اور نوجوان نسل میں سیاسی شعور کو بیدار کیا۔ تنقیدی جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ مادرِ ملت کو اپنی زندگی کے آخری برسوں میں سیاسی تنہائی، سرکاری مخالفت اور کردار کشی کی مہمات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی وفات 9 جولائی 1967ء کو ایسے حالات میں ہوئی جس پر وقتاً فوقتاً مختلف سوالات اور شکوک کا اظہار کیا جاتا رہا، اگرچہ ان سے متعلق کوئی ایسا حتمی اور مستند عدالتی یا سرکاری نتیجہ سامنے نہیں آیا جو ان قیاس آرائیوں کی قطعی تصدیق کرے۔ تاریخ کا تقاضا ہے کہ ایسے معاملات میں جذبات کے بجائے مستند شواہد کو بنیاد بنایا جائے، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان کی جدوجہد اور نظریات عوام کے دلوں میں زندہ رہے۔ مادرِ ملت کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ حقیقی قیادت اقتدار سے نہیں بلکہ کردار، اصول پسندی، دیانت اور عوامی اعتماد سے جنم لیتی ہے۔ آج جب پاکستان کو قومی اتحاد، مضبوط جمہوری اداروں، آئینی بالادستی، خواتین کی بااختیار شمولیت اور شفاف طرزِ حکمرانی کی ضرورت ہے تو فاطمہ جناحؒ کی فکر پہلے سے کہیں زیادہ رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ ان کی برسی ہمیں یاد دلاتی ہے کہ قومیں اُن شخصیات کو کبھی فراموش نہیں کرتیں جو حق کی خاطر تنہا کھڑے ہونے کا حوصلہ رکھتی ہیں۔ مادرِ ملت کا اصل پیغام یہی ہے کہ اختلاف کو دشمنی نہیں بلکہ جمہوری روایت سمجھا جائے، اور قومی مفاد کو ہر ذاتی یا سیاسی مفاد پر مقدم رکھا جائے۔ یہی ان عظیم قومی رہنما کے لیے حقیقی خراجِ عقیدت ہے۔

"قوموں کی تاریخ میں کچھ شخصیات وقت کی قید سے آزاد ہو جاتی ہیں۔ مادرِ ملت فاطمہ جناحؒ بھی انہی عظیم کرداروں میں سے ایک ہیں، جن کی جرأت، اصول پسندی اور حب الوطنی آنے والی نسلوں کے لیے ہمیشہ مشعلِ راہ رہے گی۔



تعلیمی اصلاحات یا پالیسیوں کا تضاد؟—"اقرا سرچارج"(1985ء) سے سرکاری سکولوں کی "آؤٹ سورسنگ" تک پاکستان بالخصوص پنجاب کے تعلیمی سفر کا تنقیدی جائزہ۔۔

تعلیم کسی بھی قوم کی ترقی، معاشی استحکام اور سماجی خوشحالی کی بنیاد ہوتی ہے، لیکن پاکستان میں گزشتہ چار دہائیوں کے دوران تعلیمی شعبے کی مالی معاونت اور اصلاحات کے نام پر اختیار کی جانے والی پالیسیوں نے کئی اہم سوالات کو جنم دیا ہے۔

1985ء میں "اقرا سرچارج" کے نفاذ سے لے کر آج سرکاری سکولوں کی آؤٹ سورسنگ تک، مختلف حکومتوں نے تعلیم کے فروغ کے لیے متعدد اقدامات کیے، مگر زمینی حقائق اب بھی اس شعبے کی کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہیں

۔یکم جولائی 1985ء کو جنرل محمد ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں اقرا سرچارج (Iqra Surcharge) نافذ کیا گیا۔ یہ ایک خصوصی وفاقی سرچارج تھا جو بنیادی طور پر درآمدی اشیاء پر تقریباً پانچ فیصد تک وصول کیا جاتا تھا۔ اس کا مقصد تعلیم کے فروغ اور تعلیمی منصوبوں کے لیے اضافی مالی وسائل فراہم کرنا تھا۔ یہ رقم پاکستان کسٹمز کے ذریعے وصول کی جاتی تھی۔

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 1985ء سے 1994ء کے دوران اس مد میں تقریباً 65 ارب روپے جمع ہوئے، تاہم پارلیمانی رپورٹس اور بعد کی سرکاری دستاویزات سے یہ تاثر ابھرا کہ یہ خطیر رقم بڑی حد تک قومی خزانے میں شامل ہو کر عمومی سرکاری اخراجات پر صرف ہوتی رہی اور تعلیم کے لیے علیحدہ اور شفاف انداز میں استعمال نہ ہو سکی۔ یہی وجہ تھی کہ اس سرچارج کو شدید تنقید کا سامنا کرنا

پڑا اور بالآخر 30 جون 1994ء کو ٹیکس اصلاحات، نظام کو سادہ بنانے اور بین الاقوامی مالیاتی اصلاحاتی تقاضوں کے تناظر میں اسے ختم کر دیا گیا۔

۔ تین دہائیاں گزرنے کے باوجود پاکستان کا تعلیمی شعبہ آج بھی بنیادی مسائل سے دوچار ہے۔ وفاقی بجٹ 2026–27 میں تعلیم کے لیے 117.75 ارب روپے مختص کیے گئے، جو گزشتہ سال کے مقابلے میں تقریباً 4.5 فیصد زیادہ ہیں، جبکہ ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC) کے لیے 112 ارب روپے رکھے گئے۔ اس کے باوجود پاکستان میں تعلیم پر مجموعی قومی پیداوار (GDP) کا صرف 0.8 سے 1.7 فیصد خرچ کیا جاتا ہے، جو عالمی معیار سے کہیں کم ہے۔ ملک میں تقریباً 2 کروڑ 60 لاکھ بچے آج بھی سکولوں سے باہر ہیں، جبکہ تعلیمی بجٹ کا بڑا حصہ اساتذہ کی تنخواہوں اور جاری اخراجات پر صرف ہو جاتا ہے، جس کے باعث نئے سکولوں، بنیادی سہولیات، تحقیق اور تعلیمی معیار میں بہتری کے لیے وسائل محدود رہ جاتے ہیں۔ دوسری طرف تعلیمی سامان اور اسٹیشنری پر ٹیکسوں نے کم آمدنی والے خاندانوں کے لیے تعلیم کو مزید مہنگا بنا دیا ہے

اسی تناظر میں پنجاب حکومت نے مالی سال 2025–26 میں کئی اہم انتظامی فیصلے کیے۔ بجٹ دستاویزات کے مطابق تقریباً 26,960 خالی تدریسی اسامیوں کو مستقل طور پر ختم (Abolish) کر دیا گیا۔ ان میں دیگر اسامیاں مثلاً "نائب قاصد سیکورٹی گارڈز سینٹری ورکرز اس کے علاوہ ہیں۔ علاوہ ازیں 5,800 سے زائد سرکاری سکولوں کو مرحلہ وار نجی شعبے، فلاحی اداروں اور دیگر تعلیمی شراکت داروں کے سپرد کر دیا گیا یا ان کی آؤٹ سورسنگ مکمل کی گئی (اس سے قبل ائوٹ سورس کئے گئے اسکول ان میں شامل نہی۔ اگر تمام سکول شامل کر لئے جائیں تو یہ تعداد 23000 تک جا پہنچتی ہے (حکومت کے مطابق اس پالیسی کا مقصد کم داخلوں اور کم کارکردگی والے سکولوں میں انتظامی استعداد، معیارِ تعلیم اور طلبہ کے نتائج بہتر بنانا ہے۔ اور اس کے خاطر خواہ نتائج بھی سامنے ائے ہین جبکہ ناقدین کے نزدیک یہ اقدامات مستقبل میں سرکاری تعلیمی نظام، اساتذہ کے روزگار اور تعلیم تک مساوی رسائی پر منفی اثرات مرتب کر سکتے ہیں۔ اور یہ کہ حکومت کی اس پالیسی سے اساتذہ میں بے چینی بڑھ رہی ہے اور نجی شعبہ کے حوالے کئے گئے سکولوں میں ایف اے۔ بی اے پاس غیر تربیت یافتہ یافتہ ٹیچر اساتذہ کی اہلیت نہیں کہ وہ بچوں کو مستند طریقے سے پڑھا سکیں۔

دوسری طرف۔ پنجاب کے تعلیمی بجٹ میں اگرچہ نمایاں اضافہ دیکھنے میں آیا۔ مالی سال 2024–25 میں سکولی تعلیم کے لیے تقریباً 669.7 ارب روپے مختص کیے گئے تھے، جو 2025–26 میں بڑھ کر تقریباً 758 ارب روپے ہو گئے، یعنی تقریباً 88 ارب روپے (13 فیصد) اضافہ۔ تاہم بجٹ کے بڑے حصے کا استعمال بدستور جاری اخراجات، تنخواہوں، گرانٹس اور انتظامی مدات میں ہوتا ہے، جبکہ بنیادی تعلیمی ڈھانچے، اساتذہ کی نئی بھرتیوں، جدید تدریسی سہولیات اور معیاری تعلیم کی فراہمی پر مطلوبہ سرمایہ کاری ابھی بھی ایک بڑا چیلنج ہے۔

اگر مجموعی منظرنامے کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو ایک اہم سوال سامنے آتا ہے: کیا پاکستان میں مسئلہ وسائل کی کمی ہے یا وسائل کے مؤثر اور شفاف استعمال کا؟ اقراسر چارج سے اربوں روپے جمع ہوئے، آج بھی وفاق اور صوبے تعلیم پر سینکڑوں ارب روپے خرچ کر رہے ہیں، مگر لاکھوں بچے معیاری تعلیم سے محروم ہیں۔

تازہ ترین سرکاری اور بین الاقوامی اعداد و شمار کے مطابق صوبہ پنجاب میں 5 سے 16 سال عمر کے تقریباً 97 لاکھ (9.7 ملین) بچے سکول سے باہر (Out of School Children – OOSC) ہیں۔ یہ پنجاب کے اسی عمر کے بچوں کا تقریباً 27 فیصد بنتا ہے۔ اگر تناسب کے لحاظ سے سب سے زیادہ متاثرہ اضلاع دیکھے جائیں تو وہ یہ ہیں

راجن پور، (56.62) --- ڈیرہ غازی خان (46.87-) رحیم یار خان (45.81

2023 کی مردم شماری کے مطابق ان اضلاع میں سکول سے باہر بچوں کی اندازاً تعداد یہ ہے:

رحیم یار خان: تقریباً 6 لاکھ بچے--- ڈیرہ غازی خان: تقریباً 4.6 لاکھ بچے---راجن پور: تقریباً 3.8 سے 4 لاکھ بچے (تناسب سب سے زیادہ ہے، اگرچہ آبادی نسبتاً کم ہونے کی وجہ سے مجموعی تعداد رحیم یار خان سے کم ہے

۔اس کے باوجود ہزاروں تدریسی اسامیاں ختم کی جارہی ہیں اور سرکاری سکول نجی شعبے کے حوالے کیے جارہے ہیں۔ جبکہ صرورت اس امر کی ہے کہ سکول سے باہر بچوں کو سکول میں داخل کرایا جائے اور ان مقامات پر نئے سکول بنائے جائین جہان ان کی ضرورت ہے اور وہ تمام سکول جو اپنی افادیت کے لحاظ سے غلط جگہ بنائے گئے تھے ختم کئے جائیں یا دوسرے سکولوں مین ضم کر دیئے جائیں۔ محض بجٹ میں اضافہ یا نئے مالی ذرائع پیدا کرنا کافی نہیں، بلکہ شفاف حکمرانی، مؤثر منصوبہ بندی، احتساب اور تعلیم کو قومی ترجیح بنانے کی ضرورت ہے۔

جب تک وسائل کا رخ براہِ راست طالب علم، استاد اور سکول کی بہتری کی جانب نہیں موڑا جاتا، تب تک "تعلیمی اصلاحات" کا سفر اپنے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر سکے گا۔۔وزیر اعلی پنجاب اور ان کی ٹیم پنجاب مین تعلیمی فروغ کے لئے بہت سی اسکیموں پر عمل پیرا ہے اور پر عزم بھی حالیہ اقدامات سے طلبا کی تعداد میں دگنے سے زیادہ اضافہ ہوا ہے اور سکولوں مین درکار ضروری سہولتیں بھی دستیاب ہونے لگی ہین اور توقع ہے کہ اس شعبہ مین برف ضرور پگلے گی

پاکستان میں شمسی توانائی کا خاموش انقلاب: نصف صدی پر محیط ایک خواب کی تعبیر اور حکومت کی نئی مگر صارف کش پالیسی۔

قدرت نے پاکستان کو سال کے بیشتر حصے میں بھرپور دھوپ کی نعمت سے نوازا ہے، مگر افسوس کہ ہم نے طویل عرصے تک اس قدرتی دولت سے بھرپور استفادہ نہیں کیا۔ راقم کو یاد ہے کہ 21 جنوری 1983ء کو روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والے اس مضمون میں (پوسٹ کے ساتھ شامل ہے (اس امر کی نشاندہی کی تھی کہ پاکستان جیسے ملک کے لیے شمسی توانائی مستقبل کا سب سے سستا، محفوظ اور پائیدار ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس وقت یہ خیال محض ایک تصور محسوس ہوتا تھا، کیونکہ سولر ٹیکنالوجی مہنگی تھی، حکومتی ترجیحات مختلف تھیں اور عام آدمی کے لیے سولر نظام تک رسائی تقریباً ناممکن تھی۔ آج چار دہائیوں بعد یہی تصور ایک خاموش مگر غیر معمولی انقلاب کی صورت اختیار کر چکا ہے

۔1983ء سے 2006ء تک اس شعبے میں کوئی قابلِ ذکر پیش رفت نہ ہو سکی، جبکہ 2006ء سے 2013ء کے دوران قابلِ تجدید توانائی کے فروغ کے لیے ابتدائی پالیسی اقدامات کیے گئے

تاہم پاکستان میں شمسی توانائی کے حقیقی انقلاب کا آغاز 2015ء میں نیپرا کی نیٹ میٹرنگ ریگولیشنز سے ہوا، جن کے تحت گھریلو، تجارتی اور صنعتی صارفین کو اپنی اضافی بجلی قومی گرڈ میں شامل کرنے اور اس کے عوض مالی کریڈٹ حاصل کرنے کی اجازت ملی۔ اسی دوران عالمی سطح پر سولر پینلز کی قیمتوں میں نمایاں کمی، بجلی کے بڑھتے ہوئے نرخ اور لوڈشیڈنگ کے مسائل نے لاکھوں پاکستانیوں کو شمسی توانائی کی طرف راغب کیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے سولر سسٹم متوسط طبقے تک بھی پہنچنے لگا

آج پاکستان میں شمسی توانائی توانائی کے شعبے کی ایک اہم حقیقت بن چکی ہے۔ تقریباً 4 لاکھ 66 ہزار صارفین نیٹ میٹرنگ کے ذریعے قومی گرڈ سے منسلک ہیں، جن میں 82 فیصد بڑے شہری مراکز سے تعلق رکھتے ہیں۔ صرف چار ماہ میں تقسیم کار کمپنیوں نے ان صارفین سے 57 کروڑ 37 لاکھ یونٹس سے زائد بجلی خریدی، جبکہ مالی سال 2025-26 میں مزید 1 لاکھ 98 ہزار نئے صارفین اور 2,633 میگاواٹ نئی صلاحیت کے قومی نظام میں شامل ہونے کی توقع ظاہر کی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ 26 لاکھ سے زائد گھرانے اور کاروباری ادارے آف گرڈ سولر سسٹمز استعمال کر رہے ہیں، جن کی مجموعی پیداواری صلاحیت 18 سے 19 گیگاواٹ کے درمیان بتائی جاتی ہے

۔ مجموعی طور پر پاکستان میں نصب شدہ شمسی صلاحیت 50 گیگاواٹ سے تجاوز کر چکی ہے، جو چند برس پہلے تک ناقابلِ تصور تھی۔ اگرچہ یہ پیش رفت حوصلہ افزا ہے، لیکن فروری 2026ء میں نافذ ہونے والی پروزیومر ریگولیشنز (نیٹ بلنگ) نے اس شعبے میں ایک نئی بحث چھیڑ دی ہے۔ نئے نظام کے تحت صارفین کو گرڈ سے خریدی گئی بجلی کی مکمل قیمت ادا کرنا ہو گی، جبکہ اضافی بجلی کی فروخت پر انہیں تقریباً 10 تا 12 روپے فی یونٹ ملیں گے، حالانکہ خریداری کا نرخ تقریباً 45 تا 50 روپے فی یونٹ ہے

۔اس فرق سے نئے سرمایہ کاروں کے لیے سولر منصوبوں کی معاشی کشش اور سرمایہ کی واپسی کا دورانیہ متاثر ہونے کا خدشہ ظاہر کیا جارہا ہے۔ تاہم حکومت نے یہ یقین دہانی کرائی ہے کہ 8 فروری 2026ء سے پہلے منظور ہونے والے تمام صارفین اپنے سابقہ معاہدوں کے مطابق سات سال تک پرانے نیٹ میٹرنگ نظام سے مستفید ہوتے رہیں گے

۔مگر نئے صارفین کو ایک ہی پیغام واضح طور پر دے دیا گیا ہے

جکومت کو سولر بجلی نہیں چاہیئے۔ جسے چاہیئے وہ خود استعمال کرے اور جو بچے بیٹریوں میں ذخیرہ کرلے اور رات کو استعمال کرلے۔ اگر پھر بھی اس کا کچھ حصہ قومی گرڈ میں شامل ہو گیا تو وہ حکومت دس گیارہ روپے یونٹ پر خریدے گی اور اس پر انکم ٹیکس یا سیلز ٹیکس بھی لاگو ہو گا کہ یہ صارف کی آمدنی ہے

۔۔۔۔مطلب یہ ہوا کہ

اپنی بالو۔۔۔۔اپنی سیکو۔۔۔۔خود بنائو۔۔خود استعمال کرو۔۔۔جاگدے رہنا۔ ساہڈے تے نہ رہنا

پاکستان کی بڑھتی ہوئی توانائی ضروریات، درآمدی ایندھن پر انحصار، گردشی قرضوں اور ماحولیاتی تبدیلیوں کے تناظر میں شمسی توانائی اب محض ایک متبادل ذریعہ نہیں بلکہ قومی ضرورت بن چکی ہے۔ اس شعبے میں پالیسیوں کا بنیادی مقصد صرف مالی توازن قائم کرنا نہیں بلکہ عوام کے اعتماد، سرمایہ کاری کے تسلسل اور قابلِ تجدید توانائی کے فروغ کو بھی یقینی بنانا ہونا چاہیے۔ اگر حکومت، نجی شعبہ اور صارفین باہمی اعتماد کے ساتھ آگے بڑھیں تو پاکستان نہ صرف اپنی توانائی کی ضروریات بڑی حد تک مقامی وسائل سے پوری کر سکتا ہے بلکہ جنوبی ایشیا میں گرین انرجی کی قیادت بھی حاصل کر سکتا ہے۔ شمسی توانائی کا سفر ابھی ختم نہیں ہوا؛ حقیقت یہ ہے کہ یہ پاکستان کے روشن، خود مختار اور پائیدار توانائی مستقبل کی صرف ابتداء ہ


روزنامہ جنگ کراچی

شمسی توانائی اور اس کا استعمال

پاکستان میں اس کو ترقی دیگر توانائی کے بحران پر قابو پایا جاسکتا ہے

لمان اللہ خان

شمسی توانائی کیلئے بجلی گھر کی ضرورت ہے اور نہ بجلی کی لمبے کیبل کی۔



7-جولائی—عالمی یومِ معافی (Global Forgiveness Day)

۔ تلخیاں اور رنجشیں بھلانے۔۔۔ایک دوسرے کو گلے لگانے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ایک دوسرے کو معاف کرنے کا عالمی دن

زندگی کی سب سے بڑی خوبصورتی یہ نہیں کہ ہم کبھی غلطی نہ کریں، بلکہ یہ ہے کہ ہم دلوں سے نفرت، رنجش اور انا کا بوجھ اتار کر ایک دوسرے کو معاف کرنا سیکھ جائیں۔ معافی کمزوری نہیں بلکہ ایک عظیم اخلاقی قوت ہے، جو ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑتی، دلوں کو سکون بخشتی اور معاشرے میں محبت، رواداری اور باہمی احترام کو فروغ دیتی ہے۔

اسی پیغام کو اجاگر کرنے کے لیے ہر سال 7 جولائی کو عالمی یومِ معافی (Global Forgiveness Day) منایا جاتا ہے۔ 7 جولائی کو منائے جانے والے اس دن کا آغاز 1994 میں امریکا سے ہوا۔ اس کا کریڈٹ "کرسچن ایمبیسی انٹرنیشنل (CEI)" نامی ایک تنظیم کو جاتا ہے، جس نے سب سے پہلے کینیڈا کے شہر وینکوور میں اس دن کو منانے کی بنیاد رکھی۔ بعد میں اس کا دائرہ کار بڑھتا گیا اور اسے عالمی سطح پر "Global Forgiveness Day" کے طور پر تسلیم کیا جانے لگا

۔اس دن کا بنیادی مقصد انسانوں کو یہ احساس دلانا ہے کہ معافی صرف دوسرے شخص پر احسان نہیں بلکہ خود اپنے دل، ذہن اور روح کو نفرت، غصے اور انتقام کی قید سے آزاد کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ ماہرینِ نفسیات کے مطابق معاف کرنے کی عادت ذہنی دباؤ میں کمی، قلبی صحت میں بہتری اور مثبت طرزِ زندگی کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

دنیا کے مختلف ممالک، خصوصاً امریکا، کینیڈا اور یورپ میں اس موقع پر سیمینارز، آگاہی مہمات اور سوشل میڈیا سرگرمیوں کے ذریعے لوگوں کو درگزر، برداشت اور باہمی احترام کی تلقین کی جاتی ہے۔ بہت سے افراد اس دن کو غنیمت جان کر برسوں پرانی ناراضگیاں ختم کرتے، رشتہ داروں اور دوستوں سے دوبارہ رابطہ کرتے اور معافی مانگنے یا معاف کرنے کا حوصلہ پیدا کرتے ہیں، کیونکہ ایک معاف کیا ہوا دل ہی حقیقی سکون کا راستہ پاتا ہے

۔پاکستان میں اگرچہ اس دن کو سرکاری سطح پر نہیں منایا جاتا، تاہم معافی، عفو و درگزر اور حسنِ سلوک ہماری دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا بنیادی حصہ ہیں۔ قرآنِ کریم بار بار عفو و درگزر کی تلقین کرتا ہے، جبکہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی سیرتِ طیبہ سے یہ عملی سبق دیا کہ طاقت کے باوجود معاف کر دینا ہی حقیقی عظمت ہے۔ فتحِ مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کا اپنے بدترین مخالفین کو عام معافی دینا انسانی تاریخ کی عظیم ترین مثالوں میں شمار ہوتا ہے۔ آج بھی ہمارے تعلیمی ادارے، سماجی تنظیمیں اور نوجوان سوشل میڈیا کے ذریعے رواداری، برداشت اور باہمی احترام کے پیغامات عام کر رہے ہیں۔

۔آیئے اس عالمی یومِ معافی پر یہ عہد کریں کہ دلوں سے کدورتیں نکالیں، انا کے بت توڑیں، ایک دوسرے کو معاف کریں، اگر ہم سے کسی کا دل دُکھا ہے تو اس سے معذرت کریں، اور اگر کسی نے ہمیں دکھ پہنچایا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اسے معاف کر دیں۔ یاد رکھیے، معاف کرنے والا دل کبھی چھوٹا نہیں ہوتا، بلکہ وہی دل اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا، باوقار اور قابلِ احترام ہوتا

وقت تھم گیا یا ہم؟ پاکستان کی پیٹرولیم پالیسی اگر ہے۔۔۔ تو کیا یہ ملکی تقاضوں کے عین مطابق ہے؟؟

10 ستمبر 1985ء میں روزنامہ "نوائے وقت" کراچی کے صفحات پر بکھرے میرے الفاظ آج چار دہائیاں گزرنے کے بعد بھی ماضی کا قصہ نہیں، بلکہ حال کا ایک تلخ آئینہ محسوس ہوتے ہیں۔

چالیس سال قبل جب میں نے ملک میں پٹرولیم مصنوعات کی بڑھتی ہوئی طلب اور رسد کے بحران پر قلم اٹھایا تھا، تو اگست 1985ء میں پاکستان کی روزانہ ملکی پیداوار 40 ہزار بیرل اور کھپت ایک لاکھ بیرل یومیہ تھی، جو ستمبر تک اچانک چھلانگ لگا کر ایک لاکھ 60 ہزار بیرل تک جا پہنچی۔ اس وقت ہماری مقامی پیداوار کل کھپت کا محض 25 فیصد پورا کرنے کے قابل تھی، اور میں نے اپنی اس تحریر میں انہی عوامل اور پسِ منظر کو اجاگر کرنے کی کوشش کی تھی جو ملک کو اس توانائی کے بحران کی طرف دھکیل رہے تھے

۔ طویل وقت بیت جانے کے بعد بھی حیرت انگیز طور پر حالات کا دھارا بدلا نہیں، بلکہ مزید سنگین ہو چکا ہے۔ مالیاتی سال 2025-26 کے حالیہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ پٹرولیم کی کھپت میں گزشتہ سال کے مقابلے میں 7.04 فیصد کا مزید اضافہ ہوا ہے، جس سے مجموعی ملکی طلب 13.17 ملین میٹرک ٹن تک پہنچ گئی ہے۔

اگرچہ ہماری مقامی پیداوار بڑھ کر 70 سے 80 ہزار بیرل یومیہ تو ہو چکی ہے، لیکن بڑھتی ہوئی آبادی اور بے ہنگم طلب کے باعث اب یہ ملکی ضرورت کا محض 15 سے 20 فیصد ہی پورا کر پاتی ہے۔ گویا 41 سال پہلے جو انحصار 75 فیصد تھا، وہ آج بڑھ کر 80 فیصد سے تجاوز کر چکا ہے—ایک ایسا تازیانہ جو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ وقت آگے نکل گیا، مگر ہماری معاشی مجبوریاں وہیں کی وہیں کھڑی ہیں۔

نوائے وقت
کراچی ۔ لاہور ۔ راولپنڈی ۔ ملتان
کراچی منگل ۲۴ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ ۱۰ ستمبر ۱۹۸۵ء

تیل کی طلب میں اچانک اضافہ اور اُس کے اقتصادی مضمرات

تحریر
امان اللہ
خاں

چند روز ہفتہ وفاقی وزیر مملکت برائے پٹرولیم اور قدرتی ذرائع ڈاکٹر [illegible] خان نے پریس کانفرنس میں قوم کو جہاں یہ مژدہ سنایا کہ ملک میں تیل کی پیداوار ۶۰ ہزار بیرل یومیہ سے بڑھ کر ۷۰ ہزار بیرل یومیہ ہے بھی ہو گئی ہے۔ وہیں انہوں نے ملک میں تیل کی بڑھتی ہوئی کھپت کی طرف بھی اشارہ کیا۔ تقریباً ایک ڈیڑھ ماہ پہلے تک میں تیل کی مجموعی کھپت ایک لاکھ بیرل یومیہ تھی اور ملکی پیداوار کل کھپت کا ۶۰ فی صد۔ اب بیک ملکی پیداوار حیرت انگیز طور پر بڑھ رہا ہے وہیں اس کا فی صد گراف بھی نیچے گرتا نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ ملک میں تیل کی بڑھتی ہوئی ضروریات ہیں۔ اس وقت تیل کی مجموعی کھپت ایک لاکھ ساٹھ ہزار بیرل یومیہ ہو چکی ہے اور ملکی پیداوار ۴۲ فی صد سے کم ہو کر محض ۳۵ فیصد رہ گئی ہے۔ اگرچہ ۱۹۸۴-۸۵ء میں ہم نے تیل کے درآمدی بل میں چار ارب ڈالر بچائے ہیں کہ ۱۹۸۳-۸۴

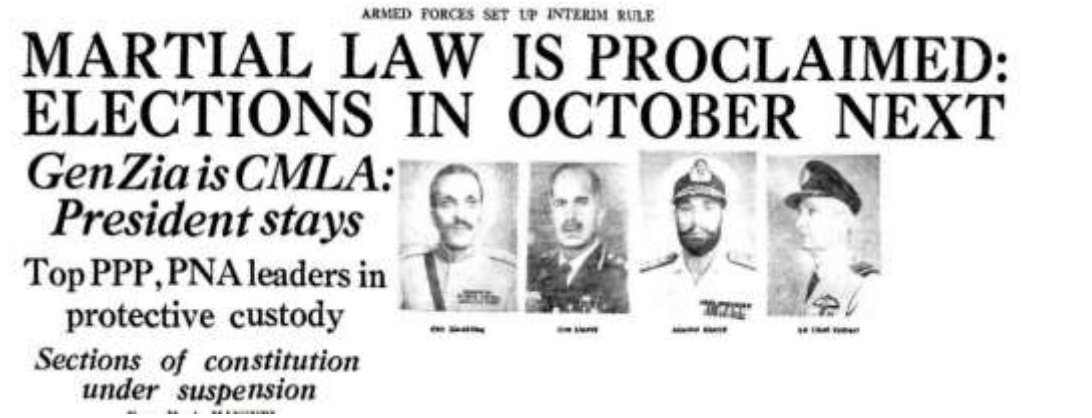

ARMED FORCES SET UP INTERIM RULE

MARTIAL LAW IS PROCLAIMED:
ELECTIONS IN OCTOBER NEXT

Gen Zia is CMLA:
President stays

Top PPP, PNA leaders in protective custody

Sections of constitution under suspension

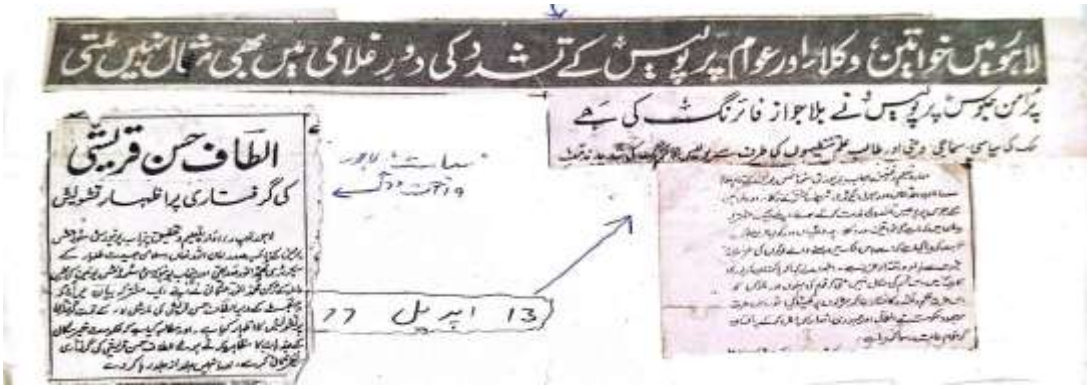

لاہور میں خواتین، وکلاء اور عوام پر پولیس کے تشدد کی دورِ غلامی میں بھی مثال نہیں ملتی

پُرامن جلوس پر پولیس نے بلاجواز فائرنگ کی ہے

الطاف حسن قریشی
کی گرفتاری پر اظہارِ تشویش

13 اپریل 77

5جولائی(1977 (تاریخ پاکستان کامتنازعہ دن۔۔۔"یوم سیاہ" یا"یوم نجات" اورمارشل لاءکے نفاذ پر عالمی رد عمل۔

5جولائی1977ء کو جنرل محمد ضیاء الحق کی طرف سے نافذ کیے جانے والے مارشل لا (جسے "آپریشن فیئر پلے "کا نام دیا گیا) کے محرکات کو سمجھنے کے لیے اس وقت کے سیاسی، آئینی اور سماجی منظر نامے کو دیکھنا ضروری ہے۔ انہی محرکات کو سامنے رکھ کر ہی مخصوص طبقات فکر اسے "یوم سیاہ" یا"یوم نجات "یا پھر "آپریشن فیئر پلے" کے نام سے تعبیر کر سکتے ہین

مارشل لا کا سب سے فوری اور بڑا محرک مارچ1977ء کے عام انتخابات بنے۔ ذوالفقار علی بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی (PPP) نے ان انتخابات میں بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی، لیکن نو جماعتوں پر مشتمل اپوزیشن اتحاد، "پاکستان قومی اتحاد (PNA) "نے حکومت پر بڑے پیمانے پر منظم دھاندلی کا الزام لگایا۔ اپوزیشن نے انتخابی نتائج کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فوری طور پر نئے انتخابات کا مطالبہ کیا

۔پاکستان قومی اتحاد (PNA) نے انتخابات کے بعد ملک بھر میں ایک شدید احتجاجی تحریک شروع کر دی۔ تحریک نے رفتہ رفتہ مذہبی رنگ اختیار کر لیا اور "نظامِ مصطفیٰ" کا نعرہ اس کا مرکزی نقطہ بن گیا۔ بڑے شہروں میں ہڑتالیں، جلوس اور پر تشدد جھڑپیں روز کا معمول بن گئیں۔ اور 200 سے 300 افراد ہلاک ہو گئے اور 30,000 سے زائد افراد جیلون مین دسل دئے گئے۔ اس تحریک نے بھٹو حکومت کو شدید دباؤ میں ڈال دیا اور ملک کی معاشی سرگرمیاں مفلوج ہو کر رہ گئیں۔ بحران کے باعث امن وامان کی صورتحال حکومت کے کنٹرول سے باہر ہونے لگی۔ صورتحال پر قابو پانے کے لیے بھٹو حکومت نے کراچی، لاہور اور حیدرآباد جیسے بڑے شہروں میں کرفیو نافذ کیا اور فوج کو "سول پاور کی مدد" کے لیے طلب کیا۔ بعض مقامات پر مقامی فوجی کمانڈروں اور جوانوں میں نہتے مظاہرین پر گولی چلانے کے احکامات پر اندرونی تحفظات بھی سامنے آئے۔ اس صورتحال نے فوج کو براہِ راست سیاسی بحران کا حصہ بنا دیا۔

)راقم ان دنون جامعہ پنجاب میں طالب علم اور ادارہ تعلیم و تحقیق (IER) میں سٹوڈنٹس یونین کا قائم مقام صدر اور ایک طلبہ تنظیم کا مقامی عہدیدار بھی اور بھٹو حکومت کے احکامات کے تحت ہونے والے عوام و طلبا و وکلا پر تشدد کا چشم دید گواہ اور شکار بھی تھا۔ ان ایام میں میرے بہت سے بیانات بھی اخبارات کی زینت بنتے رہے ان سے اس وقت کے طلبہ کے نقطہ نظر کو اور حالات کو سمجھا جا سکتا ہے۔ دو کلپ اس پوسٹ کے ساتھ منسلک ہیں(

اگرچہ جون 1977ء میں بھٹو حکومت اور پی این اے (PNA) کے رہنماؤں کے درمیان طویل مذاکرات ہوئے اور دونوں فریقین نئے انتخابات کرانے پر اصولی طور پر متفق بھی ہو گئے تھے، لیکن معاہدے کی حتمی تفصیلات اور دستخط کے معاملے پر تعطل برقرار رہا۔ اپوزیشن کو حکومت کی نیت پر شبہ تھا اور حکومت اپوزیشن کے سخت مطالبات سے مطمئن نہیں تھی۔ اس سیاسی ڈیڈلاک نے یہ تاثر عام کیا کہ سیاست دان بحران کا حل نکالنے میں ناکام ہو رہے ہیں۔

نظامِ مصطفیٰ تحریک اور مذہبی بیانیہ کی وجہ سے اپوزیشن کی تحریک کو دائیں بازو اور مذہبی جماعتوں کی بھرپور حمایت حاصل تھی۔ اس بیانیے نے معاشرے کے ایک بڑے حصے کو متحرک کیا جو بھٹو حکومت کی بعض سوشلسٹ اور لبرل پالیسیوں سے نالاں تھا۔ جنرل ضیاء الحق نے، جو خود ایک مذہبی رجحان رکھنے والے انسان تھے، اس عوامی لہر اور مذہبی ماحول کو بھانپ لیا، جس نے بعد میں ان کے مارشل لا اور "اسلامائزیشن" کی پالیسیوں کو ایک جواز فراہم کیا

تاریخ دانوں اور سیاسی تجزیہ کاروں کے نزدیک 5 جولائی کے مارشل لا کے محرکات کو دو مختلف زاویوں سے دیکھا جاتا ہے

:پہلا زاویہ –(فوجی قیادت اور حامیوں کا مؤقف): اس نقطہ نظر کے مطابق ملک اس وقت (Civil War) کی نہج پر پہنچ چکا تھا، معیشت تباہ ہو رہی تھی اور سیاست دان کسی معاہدے پر پہنچنے میں ناکام تھے۔ ایسے میں فوج نے مزید خون خرابے کو روکنے اور ملک کو بچانے کے لیے "ایک ناگزیر قدم" کے طور پر مداخلت کی، جس کا ابتدائی وعدہ صرف 90 دن میں انتخابات کرانا تھا

۔دوسرا زاویہ (جمہوریت پسندوں اور نقادوں کا مؤقف): اس مکتبِ فکر کا ماننا ہے کہ سیاسی بحران حل کے قریب تھا اور فریقین معاہدے پر دستخط کرنے ہی والے تھے کہ فوج نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے لیے اس موقع کا فائدہ اٹھایا

)پیپلز پارٹی کے رہنما اور وفاقی وزیر مولانا کوثر نیازی کی کتاب "اور لائن کٹ گئی"۔ میں بھی اسی قسم کا تذکرہ ملتا ہے (

نقادوں کے مطابق، یہ مارشل لا کسی ہنگامی ضرورت کے تحت نہیں بلکہ ادارہ جاتی بالادستی قائم کرنے اور ذوالفقار علی بھٹو کو سیاسی منظر نامے سے ہٹانے کے لیے لگایا گیا تھا، جس کا ثبوت 90 دن کے وعدے کا 11 سال طویل آمریت میں تبدیل ہونا ہے۔

اس اقدام کو بین الاقوامی سطح پر جمہوری عمل کے انحطاط اور سیاسی عدم استحکام کے طور پر دیکھا گیا۔ البتہ، سرد جنگ کی عالمی سیاست میں اس واقعے کو خطے میں سوویت یونین کے اثر و رسوخ کو روکنے کے لیے ایک نئے اتحادی کے عروج سے بھی تعبیر کیا گیا۔ دنیا نے اس فوجی بغاوت کو مختلف زاویوں سے دیکھا۔ جیسے امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کے لیے یہ قدم حیران کن تھا۔ اگرچہ انہوں نے جمہوری حکومت کے خاتمے اور سیاسی رہنماؤں کی قید پر تشویش کا اظہار کیا، لیکن جلد ہی سرد جنگ کے تناظر میں ان کا رویہ بدل گیا۔ 1989 میں سوویت یونین کے افغانستان میں داخل ہونے کے بعد جنرل ضیاء الحق کی حکومت کو امریکہ سمیت مغربی دنیا میں ایک اہم "فرنٹ لائن اسٹیٹ" کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اسٹریٹجک مجبوریوں کے باعث بین الاقوامی برادری نے مارشل لاء کی نوعیت پر زیادہ تنقید کرنے کے بجائے پاکستان کو سوویت پیش قدمی روکنے کے لیے ایک اہم کردار کے طور پر تسلیم کیا۔: اس دور میں پاکستان کے سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات جیسے خلیجی ممالک کے ساتھ تعلقات میں نمایاں بہتری آئی۔ ان ممالک نے جنرل ضیاء الحق کی جانب سے ملک میں نفاذِ اسلام کے اقدامات اور پالیسیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ بھارت میں حکومت کی تبدیلی اور علاقائی سیاست کے تناظر میں اس مارشل لاء کو پاکستان کے اندرونی معاملات کا حصہ سمجھا گیا، تاہم وہاں بھی فوجی آمریت کے طویل ہونے اور پاکستان کے جوہری پروگرام کو لے کر شدید تحفظات پائے جاتے تھے۔

مجموعی طور پر، عالمی برادری نے اس مارشل لاء کو جمہوریت کی تنزلی کے طور پر تو لیا، لیکن سرد جنگ کے جیوپولیٹیکل دباؤ کے باعث اس کی مخالفت کرنے کی بجائے اسے خطے میں اپنے مفادات کے تحفظ کا ایک موثر ذریعہ سمجھا۔ تاہم یہ حقیقت بھی اپنی جگہ قائم ہے کہ 5 جولائی 1977ء کا مارشل لا شدید سیاسی پولرائزیشن (تقسیم)، انتخابی بحران، سڑکوں پر جاری پر تشدد احتجاج اور فوج کے سیاسی معاملات میں بڑھتے ہوئے عمل دخل کا ایک منطقی نتیجہ تھا، جس نے پاکستان کی سیاسی اور آئینی تاریخ پر گہرے اور دیرپا اثرات مرتب کیے۔

اب یہ قارئین کے سامنے ہے کہ وہ ان اقدامات کو کس زاویے سے لیتے ہیں۔ ہر ایک کی سوچ اپنی ہے اور ہمیں ایک دوسرے کے نقطہ نظر کا احترام بھی ہے

ان جواہر کی پہچان کون کرے ؟(9 ستمبر 1981 کو روزنامہ نوائے وقت کراچی میں میری ادارہ تعلیم و تحقیق جامعہ پنجاب میں 1976 میں کی گئی ریسرچ اور مشاہدات پر مبنی ایک تحریر۔۔۔۔۔والدین اور اساتذہ کے لئے ایک پیغام

ذہین اور فطین بچے شرارتی نہیں متجسس ہوتے ہیں۔۔انہیں پہچانیں۔یہ بچے غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں (Giftedness) کے حامل بچے عام بچوں کے مقابلے میں نہایت تیزی سے سیکھنے، مضبوط یادداشت، وسیع ذخیرۂ الفاظ اور غیر معمولی تجسس کے باعث نمایاں ہوتے ہیں۔وہ محض معلومات حاصل کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہر معاملے کی وجوہات اور گہرائی کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، مسائل کے تخلیقی حل تلاش کرتے ہیں، تجریدی (Abstract) تصورات کو جلدی سمجھ لیتے ہیں اور اپنی دلچسپی کے موضوعات پر طویل وقت تک پوری توجہ کے ساتھ کام کر سکتے ہیں۔جذباتی طور پر یہ بچے انتہائی حساس، انصاف پسند، ہمدرد اور اعلیٰ معیار (Perfectionism) کے خواہاں ہوتے ہیں، اسی لیے اکثر ہم عمر بچوں کے بجائے بڑے افراد کی صحبت کو ترجیح دیتے ہیں۔تاہم یہ تصور درست نہیں کہ ہر ذہین بچہ لازماً تعلیمی لحاظ سے مثالی یا ہر وقت نظم وضبط کا پابند ہو گا؛ اگر اسے اس کی ذہنی استعداد کے مطابق چیلنجنگ اور حوصلہ افزا ماحول میسر نہ آئے تو وہ بوریت، بے دلی، کم تعلیمی کارکردگی یا غیر ضروری شرارت جیسے رویوں کا بھی شکار ہو سکتا ہے۔لہٰذا ایسے بچوں کی بروقت شناخت، مناسب رہنمائی اور ان کی صلاحیتوں کے مطابق تعلیمی و تربیتی ماحول کی فراہمی ان کی شخصیت اور معاشرے دونوں کی ترقی کے لیے ناگزیر ہے۔والدین اور اساتذہ کو اس پر توجہ دینا چاہیے۔۔۔ مگر کیا ہمارے ملک میں ایسا ہو رہا ہے۔۔۔؟؟

نوائے وقت
کراچی • لاہور • راولپنڈی • ملتان
تاریخ ۶ دسمبر ۱۹۸۱

اِن جوہر کی پہچان کون کرے؟

از: اعلیٰ اللہ خان

المیہ یہ ہے کہ جینئس طلبا کو اسکول میں شرارتی اور نافرمان شاگردوں کی فہرست میں رکھا جاتا ہے۔



ڈان۔ ایم فائن کے مطابق ہر اس نے ہم کو کے...





3 جولائی—انٹرنیشنل پلاسٹک بیگ فری ڈے (International Plastic Bag Free Day) اور پاکستان میں کئے گئے اقدامات

ہر سال 3 جولائی کو دنیا بھر میں انٹرنیشنل پلاسٹک بیگ فری ڈے منایا جاتا ہے، جس کا مقصد ایک بار استعمال ہونے والے پلاسٹک شاپنگ بیگز (Single-use Plastic Bags) کے بڑھتے ہوئے استعمال سے پیدا ہونے والے ماحولیاتی خطرات کے بارے میں عالمی شعور بیدار کرنا ہے۔ اس دن کی بنیاد 2008ء میں اسپین کی ماحولیاتی تنظیم Rezero نے رکھی، جو بعد ازاں Bag Free World اور یورپی Zero Waste تحریک کا حصہ بن گئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ مہم ایک عالمی ماحولیاتی تحریک کی صورت اختیار کر گئی، جس میں حکومتیں، تعلیمی ادارے، سماجی تنظیمیں اور عام شہری پلاسٹک کے استعمال میں کمی اور ماحول دوست متبادل اپنانے کے عزم کا اظہار کرتے ہیں۔

پلاسٹک شاپنگ بیگز بظاہر چند منٹ کی سہولت فراہم کرتے ہیں، مگر ان کے ماحولیاتی اثرات صدیوں تک برقرار رہتے ہیں۔ ایک عام پلاسٹک بیگ اوسطاً صرف 12 منٹ استعمال ہوتا ہے، لیکن اسے قدرتی طور پر تحلیل ہونے میں 500 سے 1000 سال لگ سکتے ہیں۔ یہی بیگز زمین، دریاؤں اور سمندروں کو آلودہ کرتے ہیں، نکاسیٔ آب کے نظام کو متاثر کرتے ہیں، جنگلی اور آبی حیات کے لیے جان لیوا ثابت ہوتے ہیں اور بالآخر مائیکرو پلاسٹک کی صورت میں غذائی زنجیر کے ذریعے انسانی صحت کے لیے بھی خطرہ بن جاتے ہیں۔

عالمی سطح پر ہر سال تقریباً 5 ٹریلین پلاسٹک بیگز استعمال کیے جاتے ہیں، یعنی اوسطاً ایک لاکھ ساٹھ ہزار بیگز فی سیکنڈ، جبکہ ان میں سے 5 فیصد سے بھی کم ری سائیکل ہو پاتے ہیں

۔پاکستان بھی اس سنگین ماحولیاتی مسئلے سے بری طرح متاثر ہے۔ مختلف سرکاری وماحولیاتی رپورٹس کے مطابق ملک میں ہر سال تقریباً 55 ارب پلاسٹک شاپنگ بیگز استعمال ہوتے ہیں، جبکہ آٹھ ہزار سے زائد صنعتی یونٹس ان کی تیاری سے وابستہ ہیں۔ اسی خطرے کے پیشِ نظر وفاقی حکومت، اسلام آباد کیپیٹل ٹیریٹری اور پنجاب سمیت مختلف صوبوں نے کم موٹائی والے سنگل یوز پلاسٹک بیگز کی تیاری، فروخت اور استعمال پر پابندیاں عائد کی ہیں، خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف جرمانوں اور قانونی کارروائی کے ساتھ ساتھ آگاہی مہمات بھی جاری ہیں تاکہ کپڑے، کاغذ اور دیگر قابلِ استعمال ماحول دوست تھیلوں کو فروغ دیا جاسکے۔ انٹرنیشنل پلاسٹک بیگ فری ڈے ہمیں یہ احساس دلاتا ہے کہ ماحولیاتی تحفظ صرف حکومتی پالیسیوں سے نہیں بلکہ ہر فرد کے روزمرہ طرزِ زندگی سے وابستہ ہے۔ اگر ہر شہری خریداری کے لیے دوبارہ استعمال ہونے والے کپڑے یا دیگر پائیدار تھیلوں کو اپنا معمول بنالے، غیر ضروری پلاسٹک کے استعمال سے گریز کرے اور ری سائیکلنگ کے کلچر کو فروغ دے تو نہ صرف آلودگی میں نمایاں کمی لائی جاسکتی ہے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک صاف، محفوظ اور پائیدار ماحول بھی یقینی بنایا جاسکتا ہے

وفاقی اعلی ملازمتوں میں کوٹہ سسٹم۔۔ کیا کھویا۔ کیا پایا؟؟؟ کیا کوئی بہتری آئی یا وہی چال بے ڈھنگی۔ 43 سال قبل روزنامہ نوائے وقت کراچی میں 22 ستمبر 1983 کو چھپنے والی میری تحریر

جس میں اعلی وفاقی ملازمتون میں کوٹہ سسٹم کو ائینی تحفظ۔ پر ایک جائزہ پیش کیا تھا کہ کیا یہ کوٹہ سسٹم جن مقاصد کے لئے روار کھا گیا تھا۔ وہ مقاصد پورے کر رہا ہے یا نہیں۔ کیا سندھ کے دیہی علاقوں میں پڑھنے والے اس کوٹہ سسٹم سے مستفید ہو رہے ہیں یا ایک مخصوص طبقہ جو اعلی تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل ہو کر صرف ڈومیسائل کی بنا پر میرٹ کی بجائے کوٹہ پر اعلی ملازمتوں پر قابض ہے۔۔ کیا وہ ہاریوں اور کسانوں کے ان بچوں کا حق نہیں مار رہا۔ جن کے لئے یہ کوٹہ سسٹم روار کھا گیا تھا

اب مزید آئینی ترامیم کے ذریعے اس کی مدت 2030 تک بڑھادی گئی ہے اور میرٹ کی پوسٹیں 10 فی صد کی بجائے 7.5 فی صد کر دی گئی ہیں۔ گویا اس وقت ان پوسٹوں پر میرٹ پر صرف 7.5 فی صد افراد منتخب ہو رہے ہیں۔ باقی 92.5 فی صد افراد کوٹہ سسٹم کے تحت ان اعلی پوسٹوں پر قابض ہو رہے ہیں۔

کیا یہ صورت حال ملک کو ترقی کی طرف لے جا رہی ہے یا تنزلی کی طرف۔؟

یہ فیصلہ میں قارئین پر چھوڑتا ہوں۔۔ میں نے 43 سال قبل جو نقاط اٹھائے تھے۔ کیا ان میں بہتری آئی ہے۔۔ قارئین کی رائے کا انتظار رہے گا

نوائے وقت
کراچی ۔ لاہور ۔ راولپنڈی ۔ ملتان

کیا کھویا کیا پایا





ھر شعبۂ حیات میں مساوات کے لئے جدوجہد کی جا رہی ہے۔ ضلع، تحصیل یا علاقے کے ہر شہری کو اپنی صلاحیت و ذہانت کے مطابق تعلیم کے برابر مواقع حاصل ہونے چاہئیں۔ اس حق کو دنیا بھر کی حکومتوں نے آئینی تحفظ دے رکھا ہے۔

پاکستان کے آئین کی دفعہ ۲۵ (۱) کے تحت بھی ہر شہری کے اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ تاہم تین دہائیوں کے خاتمے کے وقت دس سال کی مدت کے لئے اس حق کو معطل کر دیا گیا تھا۔ تاکہ پسماندہ علاقوں یا محروم طبقوں یا جنس کے افراد اپنی آبادی کے تناسب سے سول سروس میں خاطر خواہ حصہ حاصل کر سکیں اور تعلیمی میدان میں بھی ترقی یافتہ علاقوں کے شانہ بشانہ چل سکیں۔ اسی آئینی تحفظ کو بنیاد بنا کر پورے ملک میں کوٹہ سسٹم کو روشناس کرایا گیا۔ جس کے تحت علاقائی اور صوبائی کوٹے کی وجہ سے ذیل تقسیم عمل میں آئی۔

میرٹ	:	۵۰ فی صد
پنجاب	:	۲۰ فی صد
سندھ	:	۱۹ فی صد
شمالی علاقہ جات اور کوئٹہ کے ڈویژن نظام تعلیم	:	۶ فی صد
آزاد کشمیر	:	۲ فی صد

صوبہ سندھ میں صوبائی تقسیم بھی عمل میں لائی گئی اور شہری علاقوں اور دیہی علاقوں کا تعین بھی کیا گیا۔ شہری علاقے میں کراچی، حیدرآباد اور سکھر کی میونسپل کارپوریشن کے علاقے شامل تھے۔ کوٹہ سسٹم علاقوں کو بھی شہری علاقے کی تقسیم کی بنیاد پر اس طرح سندھ کا ۱۹ فی صد کوٹہ سسٹم کے تحت طے کیا گیا۔

۱۔ شہری : ۷ فی صد کا ۱۰ فی صد یعنی ۱ء۹ فی صد
۲۔ دیہی : ۱۲ فی صد کا ۹۰ فی صد یعنی ۱۰ء۸ فی صد

اس تقسیم کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ سندھ کی شہری زندگی اور دیہی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہے کراچی اور حیدرآباد جیسے شہروں میں زندگی کی تمام تر سہولتیں، تمام بڑے اعلیٰ تعلیمی ادارے، بہترین انڈسٹریاں صنعتیں اور بڑے بڑے تجارتی مراکز ہیں جبکہ سندھ کے دور دراز کے دیہی علاقے آج بھی بنیادی سہولتوں کو ترستے ہیں۔ ان کا مقابلہ شہری علاقوں کے طلباء سے کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے ان کے لئے کوٹہ سسٹم کی ایک علیحدہ کیٹیگری بنائی گئی۔ اس کیٹیگری کے تحت دیہی علاقوں کے طلباء کو میڈیکل اور انجینئرنگ کالجوں میں داخلے کے لئے ۱۰ فی صد کوٹہ دیا گیا۔ اس کیٹیگری کے تحت دیہی علاقوں کے طلباء کو میڈیکل اور انجینئرنگ کالجوں میں داخلے کے لئے ۱۰ فی صد کوٹہ دیا گیا۔ اس کیٹیگری کے تحت دیہی علاقوں کے طلباء کو میڈیکل اور انجینئرنگ کالجوں میں داخلے کے لئے ۱۰ فی صد کوٹہ دیا گیا۔

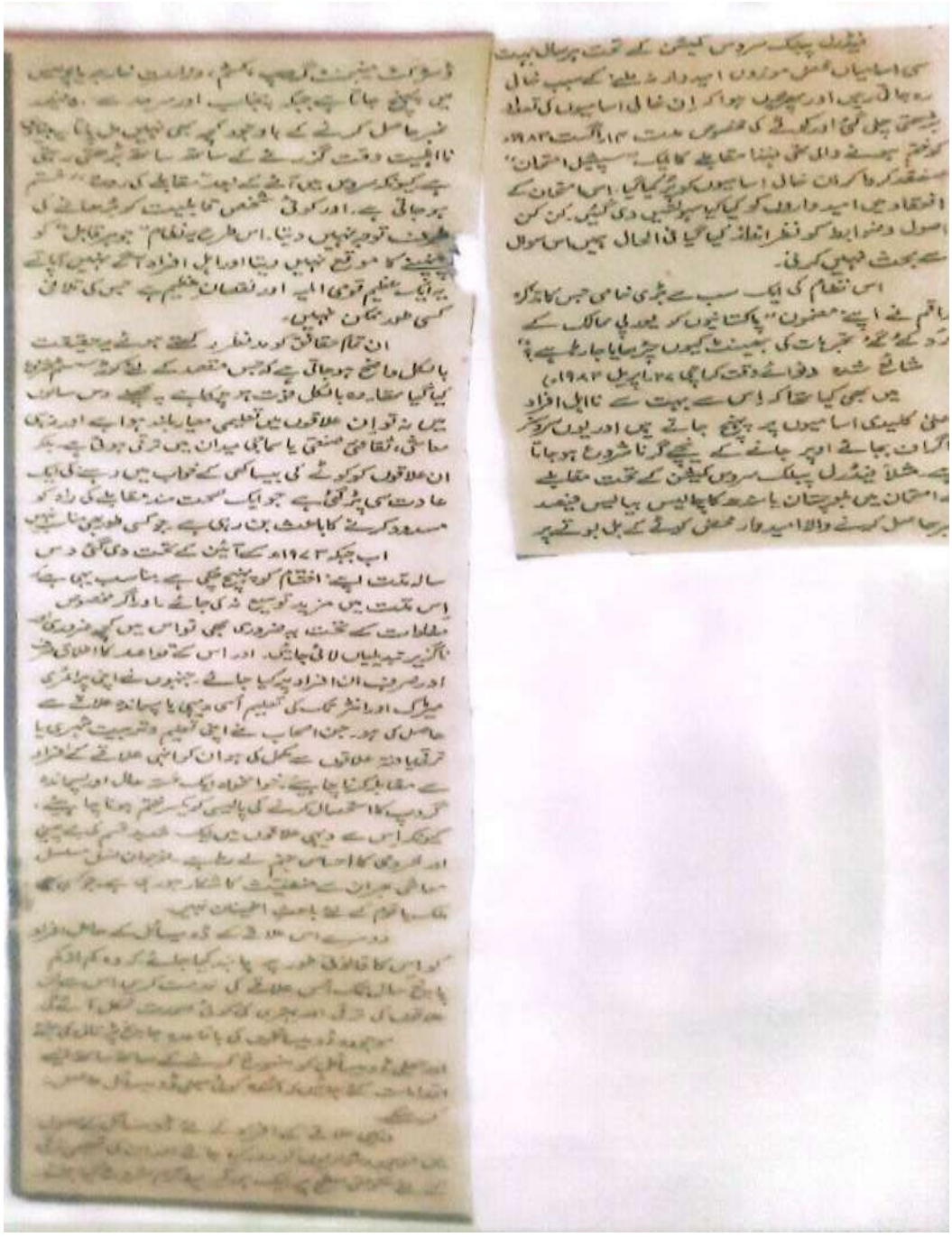



مایوسی بھگائیں اور ہنسی مذاق سے دل خوش کریں اور قہقہے لگائیں کیونکہ آج یکم جولائی ہے اور ہنسی مذاق کا عالمی دن بھی۔

مذاق اور مسکراہٹیں بکھیرنے کا یہ خوبصورت دن ہر سال یکم جولائی کو دنیا بھر میں منایا جاتا ہے۔ اس دن کو منانے کا مقصد زندگی کی مصروفیات اور تناؤ سے چند لمحوں کے لیے نکل کر ہنسنا اور مسکرانا ہے۔

اس دن کا باقاعدہ آغاز 1994ء میں امریکہ سے ہوا۔ اور اسے شروع کرنے کا سہرا ایک امریکی مصنف اور مزاح نگار وین رینا گل (Wayne Reinagel) کے سر جاتا ہے۔

وین رینا گل نے 1994ء میں اپنی مزاحیہ کتابوں (Joke Books) کی تشہیر کے لیے اس دن کو منانے کی تجویز دی تاکہ لوگ کتابیں پڑھیں، ایک دوسرے کو لطیفے سنائیں اور خوشیاں بانٹیں۔ آہستہ آہستہ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے ذریعے یہ خیال پوری دنیا میں مقبول ہو گیا اور اسے "عالمی دن" کی حیثیت مل گئی۔

وین رینا گل نے اس دن کے لیے یکم جولائی کی تاریخ کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ عیسوی کیلنڈر (Gregorian Calendar) کے مطابق یکم جولائی سال کا عین درمیانی نقطہ (Halfway Point) ہوتا ہے، یعنی سال کے 182 دن گزر چکے ہوتے ہیں اور 182 دن باقی ہوتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ سال کے دوسرے حصے کا آغاز مسکراہٹ، مثبت سوچ اور ہلکے پھلکے انداز میں ہونا چاہیے۔

اگرچہ یہ دن 1994ء میں شروع ہوا، لیکن انسانوں میں لطیفے سنانے کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے۔ماہرینِ آثارِ قدیمہ کے مطابق دنیا کا سب سے پرانا تحریری لطیفہ 1900 قبلِ مسیح کا ہے جس کا تعلق قدیم سومیری (Sumerian) تہذیب سے ہے۔

صحت اور نفسیات کے ماہرین کا ماننا ہے کہ "ہنسی بہترین دواہے(Laughter is the best medicine) "۔ لطیفے شیئر کرنے اور ہنسنے سے جسم میں دباؤ پیدا کرنے والا ہارمون 'کورٹیسول (Cortisol) 'کم ہوتا ہے اور 'اینڈورفن (Endorphins) 'خارج ہوتا ہے جو موڈ کو خوشگوار بناتا ہے۔اور ہنسنے اور خوش رہنے سے جسم کا مدافعت نظام (Immune System) مضبوط ہوتا ہے جو بیماریوں کے خلاف لڑنے میں مدد دیتا ہے۔

کھل کر ہنسنے سے جسم میں خون کی گردش بہتر ہوتی ہے، جس سے بلڈ پریشر متوازن رہتا ہے اور دل کی صحت پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

دوسرے جب آپ کسی کے ساتھ ہنستے ہیں یا کوئی لطیفہ شیئر کرتے ہیں، تو آپ کے درمیان ایک مضبوط اور دوستانہ تعلق قائم ہوتا ہے۔یہ باہمی دوریوں کو مٹانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

دفاتر یا کاروباری جگہوں پر ہلکا پھلکا مزاح کام کے بوجھ اور تھکن کو کم کرتا ہے، جس سے کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔(مگر خیال رہے کہ اس میں پٹائی کا خطرہ بھی ہو سکتا ہے اگر کسی صنف مخالف یا نک چڑھے کولیگ کو آپ کے مذاق واہیات لگیں اور طنز سے بھرپور یا بے عزتی پروگرام کے تحت نیچا دکھانے کے لئے کئے جائیں۔۔احتیاط ضروری ہے

اچھے لطیفے اور مزاحیہ گفتگو انسان کو مایوسی اور ڈپریشن سے نکال کر زندگی کی طرف مائل کرتی ہے۔اس یکم جولائی کو آپ بھی اپنے دوستوں، خاندان کے لوگوں یا ساتھیوں کو کوئی اچھا اور شائستہ لطیفہ سنا کر ان کے چہرے پر مسکراہٹ لا سکتے ہیں! کسی نے کیا خوب کہا تھا کہ

اے دوست مسکرا کہ طبیعت اداس ہے

کیا گزرے وقت کو واپس لایا جاسکتا ہے؟48سال قبل 15 دسمبر 1978 روزنامہ۔جنگ کراچی میں مارٹن گارڈنر کے کے مقالے کا اردو ترجمہ و تلخیص۔

ایک حقیر سی کاوش جو پرانے کاغزات کے پلندے سے ملی۔۔۔(قارئین کرام کے لئے ایک فوڈ فار تھاٹ


کیا گذرے ہوئے وقت کو واپس لوٹایا جاسکتا ہے



30جون: "لمبی چھریوں کی رات (Night of the Long Knives) "یا آپریشن "پرندے کی بھنبھناہٹ — (Hummingburd)" سیاسی قتل وغارت اور ریاستی دہشت گردی کا ایک سیاہ باب

30جون1934 سے2جولائی1934 تک جرمنی میں پیش آنے والا واقعہ، جسے "نائٹ آف دی لانگ نائیوز" یا "آپریشن ہمنگ برڈ "(Operation Hummingbird/Kolibri) کہا جاتا ہے، جدید تاریخ کے بدترین سیاسی قتلِ عام میں شمار ہوتا ہے۔ اس خفیہ کارروائی کا حکم ایڈولف ہٹلر نے اپنی اقتدار پر گرفت مضبوط کرنے کے لیے دیا۔ اس دوران نازی پارٹی کے نیم فوجی دستے SA)براؤن شرٹس) کی قیادت، متعدد سیاسی مخالفین، سابق سرکاری شخصیات اور ناقدین کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ اس کارروائی میں SA کے سربراہ ارنسٹ روہم (Ernst Röhm) بھی مارے گئے۔ سرکاری طور پر تقریباً85 افراد کی ہلاکت تسلیم کی گئی، تاہم متعدد مؤرخین کے مطابق اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔

اس خونریز کارروائی کے پیچھے ہٹلر کے کئی سیاسی مقاصد کار فرما تھے۔ سب سے پہلے وہ SA کی بڑھتی ہوئی طاقت اور ارنسٹ روہم کے اثر ورسوخ کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھتا تھا۔ دوسری جانب جرمن فوج (Reichswehr) بھی SA کے عزائم سے سخت نالاں تھی، اس لیے ہٹلر نے فوج کی مکمل حمایت حاصل کرنے کے لیے SA کی قیادت کا خاتمہ کیا۔ اسی طرح جرمنی کے صنعت کاروں اور سرمایہ دار طبقے کو بھی یہ یقین دلایا گیا کہ نازی حکومت ان کے مفادات کے خلاف کسی انقلابی معاشی تبدیلی کی حمایت نہیں کرے گی۔ اس کارروائی کی آڑ میں ہٹلر نے اپنے پرانے سیاسی مخالفین اور ناقدین کو بھی راستے سے ہٹا دیا۔ اس واقعے کے بعد SS اور Gestapo ریاست کی سب سے طاقتور قوتیں بن کر ابھریں، جبکہ SA ہمیشہ کے لیے پس منظر میں چلی گئی۔

صرف دو ماہ بعد، اگست 1934 میں صدر پال فان ہنڈن برگ کے انتقال کے بعد ہٹلر نے چانسلر اور صدر کے اختیارات یکجا کر کے خود کو فیوہرر (Führer) قرار دے دیا۔ جرمن فوج نے بھی ریاست کے بجائے براہِ راست ہٹلر سے وفاداری کا حلف اٹھایا، یوں جرمنی میں آمریت مکمل طور پر مستحکم ہو گئی اور قانون، انصاف اور جمہوری ادارے عملاً بے معنی ہو کر رہ گئے

۔"لمبی چھریوں کی رات" نے نازی حکومت کے جبر و تشدد کی بنیاد مزید مضبوط کی، جس کے بعد مخالفین کے خلاف کریک ڈاؤن میں شدت آتی گئی۔ اسی ماحول میں یہودیوں، روما(Gypsies) ، معذور افراد، سیاسی مخالفین اور دیگر اقلیتوں کے خلاف منظم امتیازی پالیسیاں نافذ ہوئیں، جو بالآخر ہولوکاسٹ (Holocaust) کی صورت اختیار کر گئیں۔ 1933 سے 1945 کے دوران نازی حکومت نے تقریباً 60 لاکھ یہودیوں سمیت لاکھوں دیگر افراد کو منظم نسل کشی کا نشانہ بنایا۔ یہ سانحہ اس بات کی واضح یاد دہانی ہے کہ جب ریاستی طاقت قانون، انسانی حقوق اور اخلاقی اصولوں سے بالاتر ہو جائے تو اس کے نتائج پوری انسانیت کے لیے تباہ کن ثابت ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ واقعہ آج بھی دنیا کو جمہوریت، قانون کی حکمرانی، انسانی حقوق اور اختلافِ رائے کے احترام کی اہمیت کا احساس دلاتا ہے۔

33 سال قبل۔۔۔منشیات کے خلاف جہاد (10 فروری 1993 کی میری ایک تحریر (اور۔ 2026 منشیات سے پاک پنجاب کا سال۔ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونا چاہیے؟؟؟

وزیر اعلیٰ پنجاب کے وژن "ڈرگ فری پنجاب" کے تحت صوبہ بھر میں جاری کریک ڈاؤن کے دوران پولیس نے 79,500 سے زائد چھاپے مار کر 45,000 سے زائد مقدمات درج کیے اور 45,868 سے زائد ملزمان کو گرفتار کیا۔ اس سخت کارروائی کے نتیجے میں صوبے بھر سے بھاری مقدار میں ممنوعہ مواد برآمد کیا گیا، جس میں 27,400 کلو گرام چرس، 2,507 کلو گرام ہیروئن، 1,628 کلو گرام آئس، 2,555 کلو گرام افیون اور 6 لاکھ 13 ہزار 753 لیٹر شراب شامل ہے۔

صوبائی دارالحکومت لاہور اس مہم کا اہم مرکز رہا جہاں خصوصی کارروائیوں کے دوران 9,531 منشیات فروشوں کو حراست میں لیا گیا۔ صرف لاہور سے برآمد ہونے والی منشیات میں 4,507 کلو گرام چرس، 511 کلو گرام ہیروئن، 928 کلو گرام آئس اور 53,507 لیٹر شراب شامل ہے، جس کا بنیادی مقصد تعلیمی اداروں اور آن لائن سپلائی چین کو مکمل طور پر ناکام بنانا ہے۔

:. یہ اعداد صوبائی پولیس (پنجاب پولیس) کے رواں سال کے آفیشل کریک ڈاؤن کے ہیں، جبکہ وفاقی سطح پر اینٹی نارکوٹکس فورس (ANF) ملکی سرحدوں، ہوائی اڈوں اور بین الصوبائی راستوں پر الگ سے کارروائیاں کر رہی ہے جس کے مجموعی ملکی گلرز سالانہ رپورٹ کے اختتام پر مرتب کیے جاتے ہیں.

بظاہر یہی لگ رہا ہے کہ حکومت اپنے مقاصد کے حصول میں نہ صرف سنجیدہ ہے بلکہ اس کے لئے پر عزم بھی۔۔ مگر یہاں پھر وہی سوال ہے جو میں نے 1993 میں اٹھایا تھا کہ ان مہمات کو صرف رسمی کاروائی تک محدود نہ کیا جائے بلکہ اصل مجرموں تک پہنچ کر ان کا خاتمہ کیا جائے



روزنامہ پاکستان
THE DAILY · PAKISTAN · LAHORE
چیف ایڈیٹر: اکبر علی بھٹی
لاہور

جمعرات، 16 رمضان 1413ھ — 11 مارچ 1993ء — 28 پھاگن 2049ب

چرس، کپڑے دھونے والے صابن میں تبدیل ہو گئی

وہاڑی (نمائندہ خصوصی) منشیات کے خلاف جہاد کو پولیس کی طرف سے فرضی کارروائیوں کا رنگ دیا جا رہا ہے۔ اس کی ایک مثال گذشتہ روز جوڈیشل مجسٹریٹ وہاڑی امان اللہ خان کی عدالت میں سامنے آئی، جہاں ممتاز آباد تھانہ لدن کے ریٹ شدہ ملزم عطا محمد ولد قاسم کے خلاف دو کلو چرس رکھنے کے الزام میں مقدمہ زیر سماعت تھا۔

مقدمے کے مدعی عبدالرحمن (ایس آئی)، جو تفتیشی افسر بھی تھے، ان کی شہادت قلمبند ہو چکی تھی۔ جب عدالت نے ملزم کے وکیل شفیق احمد جویا کے اصرار پر، سرکاری وکیل اور دیگر وکلاء کی موجودگی میں، برآمد شدہ چرس کا سربمہر پارسل کھلوا کر چیک کرایا تو اس میں چرس کی بجائے دو کلو کپڑے دھونے والا کالا صابن نکلا، جس پر عدالت نے ملزم کو بری کر دیا۔

روزنامہ
لاہور
پاکستان
THE DAILY - PAKISTAN - LAHORE
چیف ایڈیٹر: اکبر علی بھٹی
بمطابق 17 شعبان 1413ھ — 10 فروری 1993ء — 29 ماگھ 2049ب

منشیات کے خلاف جہاد..... ایک جائزہ ؟

امان اللہ خان

منشیات کے خلاف "جہاد" شروع ہوئے ایک ماہ سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ اس وقت سرکاری سطح پر ملک بھر میں پولیس، ایف آئی اے، کسٹمز، ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن، نارکوٹک کنٹرول بورڈ، رینجرز، ملٹری فورس، سی آئی اے، کراچم برانچ، ایئر پورٹ سیکیورٹی فورس اور پاکستان آرمی کے داخلی ادارے منشیات کے خلاف کام کر رہے ہیں، مگر اس دوران ناسوائے چند منشیات فروشوں کی گرفتاری کے، یا مقامی سطح پر پولیس اور انتظامیہ کی نگرانی میں "واک" کے، یا اخباری اطلاعات کے، کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی۔ ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی کہ کسی بیرونی سپلائی کی فیکٹری کو چھاپہ کیا گیا ہو یا کوئی بڑا مگرمچھ قابو میں آیا ہو۔ حالانکہ حکومت کے پاس ان فیکٹریوں اور مگرمچھوں کی مکمل فہرست موجود ہے جو حساس اداروں نے تیار کر کے دی ہوئی ہے، اور وزیراعظم نے ان تمام اداروں کو "جہاد" میں آنے بغیر آزادی سے کام کرنے کا حکم بھی دے رکھا ہے۔ اور تمام صوبائی حکومتوں نے واضح ہدایات جاری کر رکھی ہیں کہ کسی شخص کو خواہ اس کا سیاسی و سماجی قد کاٹھ کتنا ہی نمایاں کیوں نہ ہو، بلا پس و پیش گرفتار کر لیا جائے اور اس مشن کو جلد از جلد مکمل کر لیا جائے۔

مگر اس کے باوجود پولیس نے اس دوران جن افراد کو پکڑا ہے ان میں اکثریت کٹے کے عادی افراد کی ہے جو خود معاشرے کا مظلوم طبقہ ہیں۔ ایسے بیمار افراد کو جیل کی بجائے ہسپتال اور قید کی بجائے علاج کی ضرورت ہے۔

اب تک کی صورتحال کے پیش نظر عوام کے حساس طبقات کی طرف سے یہ خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ کہیں اس مشن کا انجام بھی "سرخ سویٹیاں" یا ناجائز اسلحہ کی برآمدگی جیسی مہمات کا سا نہ ہو۔ کیونکہ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ حکومت کی طرف سے جو ذمہ داری پولیس یا انتظامیہ کو سونپی جاتی ہے وہ تھانہ کی سطح تک پہنچتے پہنچتے محض "کارروائی" میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ مثلاً سرخ سویٹیاں کی مہم کو کامیاب بنانے کے لیے متعلقہ پولیس افسران علاقے کے زمینداروں سے رابطہ قائم کر لیتے ہیں اور ان کے مویشیوں کے بھلی چالان درج کر کے لاوارث، اجنبی مسافروں کو ھر لیتے ہیں، یا پھر اس قسم کے مقدمات میں ملوث پرانے کھلاڑیوں کی تلاش کی جاتی ہے اور انہیں عدالتوں کے دروازوں، بس اسٹاپوں اور گھروں سے پکڑ پکڑ کر ان کے خلاف چوری اور بعد ازاں فرضی برآمدگی کے مقدمات درج کر دیئے جاتے ہیں۔

اسی طرح ناجائز اسلحہ کی برآمدگی کی مہمات میں بھی زیادہ تر لائسنس والا اسلحہ ہی کام آتا ہے، جسے کبھی کسی شریف یا حراج پر ڈال دیا جاتا ہے۔ مسنوعہ پور بھی کلاشنکوف، سیون ایم ایم راکٹ وغیرہ کی برآمد شدہ تعداد کو بڑھانے کے لئے بارہ بور کے ناسٹول، خنجر اور چاقو تک اسی کھاتے میں ڈال دیئے جاتے ہیں، اور یوں اعداد و شمار کا کھیل شروع ہو جاتا ہے۔

نظام برآمدگی کا حال یہ ہے کہ جس شخص سے ایک کلو برآمد ہوئی ہو اس پر وہ کلو، اور جس سے ایک کلو برآمد ہوئی ہو اس پر دس کلو کی برآمدگی کا مقدمہ درج کر دیا جائے تو پولیس کے لیے ناممکن نہیں۔ کیونکہ ہمارا قانون بھی اس سلسلے میں ناقص ہے۔ جب کسی مخصص سے منشیات برآمد ہوتی ہے تو موقع پر اس کے دو سربمہر پارسل تیار ہوتے ہیں ایک پارسل میں وہ سرکاری مواد ہوتا نمونہ، اور دوسرے میں بقیہ ساری مقدار بھر کر دی جاتی ہے۔ لے جانے والا پارسل کیمیکل ایگزامنر کے دفتر تجزیے کے لئے بھیج دیا جاتا ہے۔ جبکہ دوسرا پارسل مال خانے میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اور اسے کوئی بھی کھول کر چیک نہیں کرتا نہ پولیس افسران، نہ عدالت! اور نہ قانون میں کوئی ایسی گنجائش موجود ہے کہ اس پارسل کو دوبارہ کھول کر دوبارہ تجزیہ کرایا جائے۔ جب تولنے والے پارسل کی رپورٹ، جو یقیناً مثبت ہوتی ہے، موصول ہو جاتی ہے تو دوسرے پارسل میں موجود مواد کو بھی من و عن چرس یا ہیروئن تسلیم کرنا پڑتا ہے خواہ اس میں چرس کی جگہ کھل، بھوسا یا کالا صابن ہو، اور ہیروئن کی جگہ بال صفا، پاؤڈر یا کھڑیا ملی۔ ایسی مثالیں بھی مختلف مقدمات پر سامنے آئی ہیں کہ عدالت نے جب پارسل کھولا تو اس میں چرس کی جگہ کالا صابن اور ہیروئن کی جگہ پرانا کالا کپڑا نکلا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ہر جگہ ایسا ہوتا ہے۔ بلکہ یہ کہ جب یہ ممکن ہے تو ضرور ہوتا ہے اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کوئی مہم چل رہی ہو اور وہ مہم "کارروائی" کا قالب دھار چکی ہو۔ اس کارروائی کے دوران یوں بھی ہوتا ہے کہ پولیس کا عملہ مگرمچھوں کے پاس چلا جاتا ہے اور ان سے مال لے کر ان کے باقی کارندوں یا لاوارث لوگوں پر ڈال دیتا ہے اس طرح نہ ہینگ لگی نہ پھٹکری، رنگ بھی چوکھا۔ منشیات بھی پکڑی گئی اور اصل مجرم بھی بچا لیے گئے۔ پھر ایسی خبریں بھی عام ہیں کہ چرس سے بھرا ٹرک یا بیرون سے بھری کار، تو پکڑی گئی، مگر ملزم رات کی تاریکی میں فرار ہو گئے۔ اس لیے جب تک متعلقہ ادارے ایک ایک سے اور بطور مشن بڑی بڑی مچھلیوں کو نہیں پکڑیں گے، یہ جہاد کامیاب نہیں ہو گا۔

جہاد کو کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہر تھانے میں عوامی نمائندوں، طلبہ، مزدوروں، کسانوں، علماء، وکلاء اور معزز شہریوں پر مشتمل "امداد منشیات کمیٹی" گاؤں اور محلے کی سطح پر قائم کی جائے۔ یہ کمیٹی سب سے پہلے منشیات کے عادی افراد کو علاج کے لیے قائم کیے گئے مراکز میں داخل کرائے، پھر منشیات فروشوں (خصوصاً وارنٹوں) کی مصدقہ فہرستیں تیار کرے۔ ان کے ٹھکانوں اور کاروبار کی خفیہ نگرانی کرے، اور بعد ازاں مقامی پولیس کے ساتھ مل کر انتظامیہ کے ان دشمنوں کو پکڑ کر قانون کے حوالے کرے۔ جب تک عام شہری اس جہاد میں شامل نہیں ہو گا، یہ جہاد کامیاب نہیں ہو گا۔ ایسے انتظامیہ پر منحصر ہے کہ وہ کس طرح عوام کا اعتماد حاصل کرتی ہے کیونکہ اس برائی کے خاتمے کے لئے عوام کی قوت ہی اصل طاقت ہے، اور اسی کے بل بوتے پر بڑی سے بڑی جنگ جیتی جا سکتی ہے۔ اس جنگ میں بھی عوام کا بھرپور تعاون ناگزیر ہے، جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

محض منشیات فروشوں کو پکڑنے اور ان کے خلاف مقدمات درج کرانے سے مثبت نتائج حاصل نہیں ہو سکتے، جب تک انسانیت کے ان ناسوروں کو قانون کے مطابق سزا دے کر کیفر کردار تک نہ پہنچایا جائے۔ ایسا بھی ممکن ہے جب عدالتوں میں ان مقدمات کی مناسب پیروی ہو۔ اس وقت اس قسم کے مقدمات کی پیروی انسپکٹر لیگل کرتے ہیں، جو عام طور پر ان مقدمات پر زیادہ توجہ نہیں دیتے جس میں ہی سرکار ہوتی ہے، کیونکہ ان کے لیے روزانہ پچاس ساٹھ مقدمات کی پیروی ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں چند بد عنوان اہلکاروں کی وجہ سے بھی عدالتی نظام ملزموں کی بہتات بنتا جا رہا ہے۔ ملزم کے لیے ضمانت کے بعد بچ نکلنا کوئی ناممکن بات نہیں رہی؛ بعض ملزم عدالت کے اہلکاروں سے مل کر اپنی ضمانت کا ریکارڈ غائب کروا دیتے ہیں اور خود فرار ہو جاتے ہیں۔ کسی عدالت میں ایسا کوئی نظام موجود نہیں جس سے پتہ چلایا جا سکے کہ کس ملزم کی کس شخص نے، کب اور کتنی مدت کے لیے ضمانت دی تھی۔ اکثر ملزمان پکڑے جانے پر جعلی نام اور فرضی پتہ لکھوا کر چالان ہو جاتے ہیں اور ثابت ضمانتوں کی وہ ہے جو ہر کچہری میں عام پائے جاتے ہیں ضمانت کروا کر پھر سے اپنے کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اس وقت پنجاب بھر کی عدالتوں میں تیس فیصد سے زائد مقدمات میں ملزمان عدالتوں سے غیر حاضر ہو چکے ہیں۔ یہ ایک ایسا المیہ ہے جس کی طرف ارباب اختیار کو توجہ دینی چاہیے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ مجسٹریٹ صاحبان ان مقدمات میں خصوصاً اپنے ہاتھ سے شہادت قلمبند کریں، ملزمان اور ضمانتوں کا مکمل ریکارڈ مرتب کریں، اور ثابت ضمانتوں کی غیر حاضری بنا کر ان کی ضمانت قبول کرنے سے انکار کر دیں۔ وکلاء کی تنظیمیں اس برائی کو روکنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ ماسٹر کٹ اینڈ سیشن جج صاحبان ماتحت عدالتوں کی ہفتہ وار کارکردگی طلب کر کے ان نقائص کو دور کر سکتے ہیں۔

اس طرح فرضی اور بوگس کارروائیوں کو روکنے اور بے گناہ افراد کو بچانے کے لئے "امداد منشیات کمیٹی" اپنا کردار ادا کر سکتی ہے؛ اس کی موجودگی میں پولیس من مانی نہیں کر پائے گی۔ ایک گرام کو ایک کلو بنانے کے رجحان کو روکنے کے لئے ضروری ہے کہ جتنا مال برآمد ہو وہ سارے کا سارا کیمیکل ایگزامنر کے دفتر بھیج دیا جائے اور وہ اس تمام مواد کے بارے میں تجزیاتی رپورٹ دیں کریں۔ کیمیکل لیبارٹریوں کی بھی از سر نو تنظیم کی جائے اور ان میں ضرورتمند، دیانت دار اور محنتی بندے رکھنے والے افراد تعینات کیے جائیں۔ لیبارٹریوں سے ٹیسٹ رپورٹ کے ساتھ باقی ماندہ منشیات سربمہر کر کے متعلقہ عدالتوں کو واپس بھیج دی جائے۔ اور عدالتیں مقدمات کے فیصلے کے بعد انہیں اپنی نگرانی میں ضلع گرائیں تاکہ یہ دوبارہ غلط ہاتھوں میں نہ جا سکیں۔

اگر ان گزارشات پر عمل ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ 1993ء کو منشیات کے خلاف جہاد کے سال کے طور پر نہ منایا جا سکے، روایتی مہموں اور کارروائیوں سے یہ لعنت کبھی نہ ختم ہو سکے۔ پاکستان سے منشیات کی لعنت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ نہ ہو سکے، اور پاکستان ایک بار پھر اقوام عالم میں اپنا کھویا ہوا مقام نہ پا لے۔

35سال قبل (1991)عدالتوں سے ملزمان کے فرار پر ایک تحریر)اس وقت ایگزیکٹو مجسٹریسی نظام رائج تھا)۔ اور موجودہ صورت حال؟

پنجاب میں حالیہ مانیٹرنگ ڈیٹااور لاء اینڈ جسٹس کمیشن آف پاکستان کے مطابق عدالتی مقدمات اور مفرور ملزمان کا بوجھ انتہائی سنگین ہے۔اس وقت لاہور ہائی کورٹ کے تمام بنچز میں تقریباً1لاکھ76ہزار(176,000)مقدمات زیر سماعت ہیں، جبکہ صوبے کی ماتحت عدلیہ میں یہ تعداد14لاکھ(1.4ملین)سے تجاوز کر چکی ہے، جس میں قریباً11لاکھ90ہزار(1.19ملین)دیوانی اور قریباً2لاکھ 17ہزار(217,000)فوجداری وسیشن مقدمات شامل ہیں۔

اس بھاری عدالتی بوجھ کے ساتھ ساتھ پولیس اور عدالتی ریکارڈ کے مطابق اشتہاریوں اور عدالتی مفروروں کی تعداد بھی ہزاروں میں ہے، جن کی روزانہ کی بنیاد پر گرتی بڑھتی تعداد کو قابو کرنے کے لیے پنجاب پولیس نے حالیہ کارکردگی رپورٹ کے مطابق ایک ہی سال میں58,000سے زائد اشتہاریوں اور20,000سے زائد عدالتی مفروروں کو گرفتار کیا ہے۔ جس سے عدالتی مفروروں کی کل تعداد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو بڑھتی جارہی ہے۔

)معزز قارئین سے گزارش ہے کہ وہ عدالتی مفرورون کے بارے میں تازہ ترین معلومات قارئین سے شئیر کرنا چاہیں تو یہ فورم حاضر ہے



روزنامہ
THE DAILY
Pakistan
LAHORE
پاکستان
لاہور
ٹیلی فون : 10-476301

عدالتوں سے ملزموں کا فرار



29جون ــــ منطقہ حارہ کا عالمی دن اور پاکستان کے اقدامات پر ایک نظر۔

(International Day of the Tropics)

ہر سال29جون کو ٹراپکس کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔اس دن کا آغاز اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے2016ء میں کیا، جبکہ اس کا پہلا باقاعدہ عالمی انعقاد29جون2017ء کو کیا گیا۔یہ دن دراصل2014ء میں شائع ہونے والی State of the Tropics Report کی یاد میں منایا جاتا ہے، جس کی قیادت آسٹریلیا کی جیمز کک یونیورسٹی (James Cook University) نے متعدد بین الاقوامی اداروں کے اشتراک سے کی تھی۔اس دن کا مقصد دنیا کے حاری (Tropical) خطوں میں پائے جانے والے غیر معمولی حیاتیاتی تنوع، قدرتی وسائل، ثقافتی ورثے اور ان خطوں کو درپیش ماحولیاتی، معاشی اور سماجی چیلنجز کے بارے میں عالمی شعور اجاگر کرنا ہے۔

ٹراپکس وہ خطہ ہے جو خطِ سرطان اور خطِ جدی کے درمیان واقع ہے اور اس میں دنیا کے 100 سے زائد ممالک مکمل یا جزوی طور پر شامل ہیں۔انڈونیشیا، ملائیشیا، تھائی لینڈ، فلپائن، بھارت، بنگلہ دیش، برازیل، کانگو، کینیا، نائجیریا، تنزانیہ اور پاپوانیوگنی جیسے ممالک اسی خطے کا حصہ ہیں۔یہ علاقے دنیا کے تقریباً40 فیصد رقبے اور آبادی کا احاطہ کرتے ہیں، جبکہ زمین کی زیادہ تر نباتاتی وحیوانی انواع، بارانی جنگلات، مرجانی چٹانیں اور میٹھے پانی کے اہم ذخائر بھی اسی خطے میں پائے جاتے ہیں۔تاہم موسمیاتی تبدیلی، جنگلات کی کٹائی، آلودگی اور بے ہنگم شہری ترقی ان قیمتی وسائل کے لیے سنگین خطرات بن چکے ہیں

پاکستان مکمل طور پر ٹراپیکل خطے میں واقع نہیں، تاہم اس کا جنوبی حصہ، خصوصاً سندھ اور جنوبی پنجاب، حاری آب وہوا کی نمایاں خصوصیات رکھتا ہے۔ملک میں مینگرووز کے جنگلات، دریائے سندھ کا ماحولیاتی نظام، ساحلی پٹی، زرعی وسائل اور حیاتیاتی تنوع موسمیاتی تبدیلیوں سے براہِ راست متاثر ہو رہے ہیں۔حکومتِ پاکستان شجرکاری، محفوظ جنگلات، مینگرووز کی بحالی، قومی پارکس کے تحفظ اور ماحولیاتی آگاہی کے مختلف پروگراموں کے ذریعے قدرتی وسائل کے تحفظ کی کوشش کر رہی ہے، تاہم بڑھتے ہوئے درجہ حرارت، پانی کی قلت اور ماحولیاتی آلودگی کے باعث مزید مؤثر اقدامات کی ضرورت ہے۔ٹراپکس کے عالمی دن کے انعقاد نے دنیا بھر میں موسمیاتی تبدیلی، حیاتیاتی تنوع کے تحفظ اور پائیدار ترقی کے حوالے سے تعاون کو فروغ دیا ہے۔اس موقع پر حکومتوں، تعلیمی اداروں، ماہرینِ ماحولیات اور شہریوں کو چاہیے کہ وہ جنگلات کے تحفظ، شجرکاری، آبی وسائل کے دانشمندانہ استعمال، قابلِ تجدید توانائی کے فروغ، جنگلی حیات کے تحفظ اور ماحول دوست طرزِ زندگی کو فروغ دینے کے لیے مشترکہ اقدامات کریں۔یہی کوششیں آنے والی نسلوں کے لیے ایک محفوظ، سرسبز اور پائیدار ماحول کی ضمانت بن سکتی ہیں

نصف صدی قبل (11 فروری 1976) کی ایک تحریر۔۔اس وقت بھی ٹیکس چوری مسئلہ تھی اور اب بھی۔ (ٹیکس وصولی میں جولائی 25 سے مئی 26 تک 868 ارب روپے کا شارٹ فال)



11 فروری 1976

نوائے وقت

ٹیکس چوری کے کئی پہلو ہیں

اور لوگ اداسیگی سے بچنے کے لئے انہیں مختلف طریقوں پر آزماتے رہتے ہیں:

تحریر: اللہ خاں

ہمارے یہاں ٹیکس کو ایک "تعزیری قدم" سمجھ لیا گیا ہے۔ اگر اسے ملکی خوشحالی کا مظہر بنا دیا جائے تو کوئی بھی ادائیگی سے انکار نہیں کریگا۔

ٹیکس چوروں سے ماضی کے ٹیکس کی وصولی درکار ہے تو ان سے "کہاں کا ماخذ" نہ پوچھئے۔



28جون-"قومی انشورنس آگاہی دن (National "

(Insurance Awareness Day)پاکستان کے تناظر میں۔

28جون کو منائے جانے والے "انشورنس آگاہی دن "کا بنیادی مقصد لوگوں کو انشورنس کی اہمیت، مالی تحفظ اور پالیسیوں کے بروقت جائزہ لینے کی ترغیب دینا ہے۔

اس مخصوص دن کے آغاز کا کوئی باقاعدہ مصدقہ تاریخی ریکارڈ موجود نہیں ہے، لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا آغاز 20ویں صدی کے دوران امریکہ میں ہوا۔ تاہم تاریخی لحاظ سے، جدید انشورنس کا تصور 17ویں صدی کے وسط میں "گریٹ فائر آف لندن" (1666ء) کے بعد وجود میں آیا، جب تباہ کن آتشزدگی کے بعد نکولس باربون (Nicholas Barbon) نے پہلی بار جائیداد کے نقصان کی تلافی کے لیے انشورنس کمپنی کی بنیاد رکھی

۔اس دن کا مقصد: عوام کو مالیاتی خواندگی (Financial Literacy) فراہم کرنا ہے تاکہ وہ زندگی کے غیر یقینی حالات اور ناگہانی واقعات سے محفوظ رہ سکیں۔ اس دن کا ایک بڑا مقصد یہ یاد دلانا ہے کہ افراد اور کاروباری ادارے اپنی انشورنس پالیسیوں (لائف، ہیلتھ، آٹو، پراپرٹی وغیرہ) کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آیا ان کی کوریج ان کی موجودہ ضروریات کے مطابق ہے یا نہیں۔

یہ دن بین الاقوامی سطح پر مختلف ممالک میں منایا جاتا ہے، جن میں: امریکہ کو قومی سطح پر بڑی اہمیت حاصل ہے۔۔ پھر کینیڈا اور برطانیہ: جہاں انشورنس کمپنیاں اور ریگولیٹرز عوام کو پالیسیز اپڈیٹ کرنے کی آگاہی دیتے ہیں۔ اور بھارت: جہاں اسے "نیشنل انشورنس ڈے" بھی کہا جاتا ہے اور کم انشورنس کوریج کی شرح کے باعث اس پر خصوصی زور دیا جاتا ہے۔

پاکستان میں بھی یہ دن انشورنس کمپنیوں اور اداروں کی سطح پر منایا جاتا ہے۔ پاکستان میں اس دن کا مقصد لوگوں میں ہیلتھ انشورنس، لائف انشورنس اور گاڑیوں کی انشورنس جیسے شعبوں میں شعور بیدار کرنا ہے۔

اس وقت عالمی سطح پر 4.5 ارب سے زائد افراد (بشمول ہیلتھ، لائف اور پراپرٹی انشورنس) کسی نہ کسی انشورنس سہولت کا حصہ ہیں۔
انشورنس پالیسیوں کے حامل افراد کی مجموعی تعداد کے لحاظ سے دنیا کے سرفہرست تین ممالک درج ذیل ہیں :
چین :(China) بنیادی طبی اور ہیلتھ انشورنس کوریج کی بدولت یہاں 1.36 ارب سے زیادہ افراد بیمہ شدہ ہیں، جو ان کی آبادی کا 95 فیصد سے زائد حصہ ہے۔
بھارت :(India) انشورنس مارکیٹ اور فلاحی اسکیموں کی توسیع کی وجہ سے کروڑوں افراد اس سہولت سے مستفید ہو رہے ہیں۔
ریاستہائے متحدہ امریکہ :(United States) یہاں لاکھوں افراد نجی ہیلتھ اور لائف انشورنس رکھتے ہیں (مثلاً صرف لائف انشورنس رکھنے والوں کی تعداد 17 کروڑ 20 لاکھ سے زائد ہے)۔
پاکستان کی انشورنس انڈسٹری کا حجم تیزی سے بڑھ رہا ہے، جہاں کُل اثاثے 3,554 ارب روپے سے تجاوز کر چکے ہیں اور سالانہ مجموعی پریمیم (Gross Written Premium) تقریباً 677 ارب روپے ہے۔ انڈسٹری میں کُل 50 سے زائد کمپنیاں کام کر رہی ہیں جنہیں بنیادی طور پر لائف، جنرل اور ہیلتھ انشورنس میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جن میں بہت اہم یہ ہیں
.1 اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن (State Life Insurance Corporation – SLIC)
کلائنٹس کی تعداد: ملک میں سب سے زیادہ، 180 ملین (18 کروڑ) سے زائد افراد کو کور فراہم کر رہے ہیں۔ یہ پاکستان کی سب سے بڑی لائف اور ہیلتھ انشورنس کمپنی ہے، جس کا سالانہ پریمیم 289 ارب روپے سے زیادہ ہے اور کُل انکم 640 ارب روپے سے زائد تک پہنچ چکی ہے۔
.2 جوبلی لائف انشورنس (Jubilee Life Insurance) پرائیویٹ سیکٹر کی سب سے بڑی کمپنی ہے جو 8 ملین (80 لاکھ) سے زائد زندگیاں اور ہزاروں کارپوریٹ کلائنٹس کو کور کر رہی ہے۔ اس کمپنی کا شیئر ہولڈر ایکویٹی 18 ارب روپے سے زائد ہے، اور یہ سالانہ اربوں روپے کا پریمیم بزنس کرتی ہے۔
.3 ادم جی انشورنس (Adamjee Insurance) پاکستان کی سب سے بڑی جنرل انشورنس کمپنی ہے، جس کا سالانہ نیٹ ارنڈ پریمیم 40 (NEP) ارب روپے کے قریب ہے۔
.4 ای ایف یو (EFU Group – EFU Life & EFU General) کے کلائنٹس کی مجموعی تعداد لاکھوں میں ہے اور مارکیٹ لیڈرز میں شمار ہوتے ہیں، ای ایف یو جنرل کا خالص پریمیم 15 ارب روپے اور لائف کا 364 ملین ڈالر (تقریباً 100 ارب روپے) سے زیادہ ہے۔
پاکستان مین مسلمانوں میں انشورنس کے حلال و مباح ہونے کے بارے میں کچھ تحفظات پائے جاتے ہیں اور انشورنس ایجنٹ اس سلسلے میں اسلامی سکالر جاوید غامدی صاحب کی رائے کو بنیاد بنا کر اسے اسلام کے منافی قرار نہیں دیتے۔ جاوید احمد غامدی صاحب کے نزدیک موجودہ دور کی مروجہ انشورنس (خواہ وہ لائف انشورنس ہو یا جنرل انشورنس) بالکل جائز اور حلال ہے۔ ان کا نقطہ نظر درج ذیل نکات پر مبنی ہے۔

جائز تجارتی معاہدہ: غامدی صاحب کے مطابق انشورنس، سود یا جوا نہیں بلکہ باہمی تعاون اور خطرات بانٹنے کا ایک قانونی اور تجارتی معاہدہ ہے۔

توکل کے منافی نہیں: ان کا ماننا ہے کہ انشورنس کروانا اللہ پر توکل کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ انسان کسی بھی حادثے یا نقصان کی صورت میں تدبیر اختیار کرتا ہے جو کہ عین اسلام کے مزاج کے مطابق ہے۔

اضافی رقم کا حکم: روایتی انشورنس پالیسیوں میں جو اضافی رقم (بونس یا پرافٹ) ملتی ہے، اسے غامدی صاحب سود قرار نہیں دیتے بلکہ اسے کمپنی اور پالیسی ہولڈر کے درمیان طے شدہ تجارتی منافع کا حصہ مانتے ہیں۔

تاہم پاکستان میں مروجہ انشورنس یا بیمہ پالیسیوں (جیسے لائف انشورنس یا عام انشورنس) کو جمہور علماء اور مفتیانِ کرام نے غیر شرعی قرار دیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ان پالیسیوں میں سُود، جوئے (قِمار)، اور غرر (دھوکے یا غیر یقینی کیفیت) کا پایا جانا ہے۔ ان کے دلائل یہ ہیں کہ اس میں سود کا عنصر پایا جاتا ہے کیونکہ حادثہ، بیماری یا مقررہ مدت پوری ہونے پر ملنے والی رقم، جمع شدہ قسطوں سے زیادہ ہوتی ہے، اور یہ زائد رقم سُود کے زمرے میں آتی ہے۔

جُوا (قمار): اگر مقررہ مدت میں کوئی نقصان نہ ہو، تو انشورنس کمپنی جمع شدہ رقم واپس نہیں کرتی۔ یہ بالکل جوئے کی طرح ہے کہ رقم ڈوب بھی سکتی ہے یا فائدہ بھی ہو سکتا ہے۔

لیکن انہوں نے اس کی متبادل اور جائز صورتیں بھی وضع کر دی ہیں کہ چونکہ جدید دور میں کاروبار اور گاڑی وغیرہ کے لیے انشورنس ایک قانونی اور عملی مجبوری بن چکی ہے، اس لیے علماء نے اس کا متبادل تجویز کیا ہے جسے "تکافل (Takaful)" کہا جاتا ہے۔

تکافل شاورتی اصولوں (اسلامی شراکت داری) پر مبنی ایک نظام ہے۔ اس میں لوگ باہمی تعاون کی نیت سے ایک فنڈ میں رقم جمع کرتے ہیں، اور کسی شریک کو نقصان پہنچنے پر اسی فنڈ سے اس کی مدد کی جاتی ہے۔

پاکستان میں بہت سے اسلامی بینک اور ادارے شریعہ کمپلائنٹ (شرعی اصولوں کے مطابق) تکافل کی سہولیات فراہم کر رہے ہیں

ماضی کے جھروکوں سے۔ سرکاری ملازمین 1992 میں بھی انہی مسائل کا شکار تھے جیسے اب ہیں



روزنامہ
THE DAILY
پاکستان
Pakistan

جمعرات 26، شوال 1412ھ 30، اپریل 1992ء 18، بیساکھ 2049ء

پاکستان کا بجٹ بنانے والے میرے گھر کا بجٹ بنا دے !

امان اللہ خان (بیازی)

پاکستان کے مالی سال 93-1992ء کیلئے وفاقی بجٹ پیش ہونے میں اب صرف تین دن باقی رہ گئے ہیں۔ اس وقت ملک کے طول و عرض میں بجٹ کے بارے میں جو بحث مباحثے ہو رہے ہیں ان میں سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا جا رہا ہے کہ بجٹ میں تنخواہ دار طبقے کیلئے کیا کچھ ہے۔ اس طبقے کے لوگوں کی اکثریت کا تعلق سرکاری ملازمت سے ہے۔ اس لئے ہر سال بجٹ کے موقع پر ان کی دلچسپی اور بڑھ جاتی ہے۔ اس سال بھی یہ طبقہ بجٹ کے بارے میں بہت پرامید ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ سال بجٹ کے موقع پر اس طبقے کو بہت سی رعایتیں دی گئی تھیں۔ اس سال بھی ان رعایتوں کی توقع کی جا رہی ہے۔ اس طبقے کی توقعات کا اندازہ لگانے کیلئے ہم نے اپنے ایک ساتھی کو ایک سرکاری ملازم کے گھر بھیجا۔ وہ ان کے گھریلو بجٹ کا جائزہ لے کر آئے ہیں۔ ان کی رپورٹ پیش خدمت ہے۔

میرا تعلق ایک سرکاری ملازم گھرانے سے ہے۔ میرے والد ایک سرکاری محکمے میں ملازم ہیں۔ ان کی تنخواہ 2870 روپے ماہانہ ہے۔ اس کے علاوہ انہیں 143 روپے 50 پیسے مہنگائی الاؤنس ملتا ہے۔ اس طرح ان کی کل تنخواہ 3013 روپے 50 پیسے بنتی ہے۔ ان کے گھر کا بجٹ کچھ اس طرح ہے۔

1-	کرایہ مکان (5 فی صد)	143.50 روپے
2-	بجلی کا بل	250.00 روپے
3-	گیس کا بل	30.00 روپے
4-	پانی کا بل (2 فی صد)	58.00 روپے
5-	کل رقم	481.50 روپے
6-	باقی رقم	2288.50 روپے

یہ رقم پورا مہینہ گھر چلانے کے لئے ناکافی ہے۔ اس لئے انہیں اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے ساتھ ساتھ "اوپری" اور "سفید پوشی" کا بھرم بھی قائم رکھنا ہوتا ہے۔ میں نے ان سے ان کے اخراجات کے بارے میں تفصیل پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ ان کے گھر میں کل 6 افراد ہیں۔ ان میں دو بچے سکول جاتے ہیں۔ ان کے اخراجات کا بوجھ بھی انہی کو اٹھانا پڑتا ہے۔ ان کے اخراجات کی تفصیل یہ ہے۔

1-	بچوں کی فیس	400.00 روپے
2-	بچوں کی سکول وین	200.00 روپے
3-	بجلی کا بل	200.00 روپے
4-	گیس سلنڈروں کا بل	160.00 روپے
5-	دودھ 2 کلو روزانہ کے حساب سے	360.00 روپے
	مہینہ	920 روپے

اس طرح 2288.50 روپے کی رقم میں سے ان لوگوں کو اوسطاً 1368.50 روپے بچتے ہیں۔ پھر خیال آیا کہ ابھی عید گزر گئی ہے۔ بچوں کی کتابیں یونیفارم اور سال کے کپڑے بھی تو خرید کر سلوانے تھے ان کی قسط بھی دینا ہے۔ وہ حساب یوں لگا۔

1-	بچوں کی کتب فی کلاس	200.00 روپے
	عید کپڑوں و داخلہ فی	
2-	یونیفارم دونوں بچوں کے عید ہونے (سال بھر کیلئے)	600.00 روپے
3-	بچے اور بچی کے عید کے کپڑے اور سال بھر کیلئے۔	500.00 روپے
4-	اپنے کپڑے سردیوں و گرمیوں کے عید وغیرہ	500.00 روپے۔
5-	دونوں کے کپڑے اور دوسرے موسموں کیلئے۔	500.00 روپے
6-	میڈیکل الاؤنس و دوائی کا خرچہ۔	100.00 روپے
	کل۔	2400 روپے سالانہ۔

اس طرح ہر ماہ 200 روپے قسط کی ادائیگی کے بعد باقی رقم 1168 روپے بچے گی۔

یہ رقم پہنچنے سے پہلی تاریخ کو ہی کرایہ دار کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ وہ اس سے سیدھا بینک جائے گا اور اپنے کرایہ کے کھاتے میں جمع کرائے گا۔ اور اس طرح وہ اپنے کرایہ کی ادائیگی کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے گا۔ اس کے بعد اس نے بجلی، گیس اور پانی کے بل ادا کرنے ہیں۔ ان کی ادائیگی کیلئے اس نے ہر ماہ 400 روپے علیحدہ کر لئے۔ اس طرح اس کے پاس 768 روپے بچے۔ اس نے سوچا کہ اس رقم میں سے 5 روپے روزانہ کے حساب سے باقی اخراجات پورے کرے گا۔ سبزی کا خرچ، آٹے کا خرچ، برتنوں کی خرید، کپڑوں کی دھلائی، کسی آئے گئے مہمان کی خاطر مدارت کا خرچ، بچوں کی فیسوں کا خرچ اور اس نے یہ تمام اخراجات میرے سامنے رکھ کر کہا کہ ان میں سے کون سا خرچ کم کیا جائے۔ میں نے کہا کہ آپ کا بجٹ تو بالکل ٹھیک ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ تو آپ کی رائے ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ ہم اس بجٹ پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں۔ میں نے کہا کہ ہم اس بجٹ پر عمل کر سکتے ہیں۔ اس نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو پھر آپ ہی ہمارے گھر کا بجٹ بنا دیں۔ میں نے کہا کہ میں بجٹ بنانا نہیں جانتا۔ اس نے کہا کہ جو بجٹ آپ نے ہمارے لئے بنایا ہے اسی کو ہمارے گھر کے لئے بنا دیں۔ میں نے کہا کہ میں کوشش کروں گا۔ اس نے کہا کہ آپ کوشش کریں ہم دعا کریں گے۔

میں سوچ رہا ہوں کہ قومی بجٹ سے پہلے میرے گھر کے بجٹ کا حل ہے تو بجٹ کے بعد کیا ہو گا۔ میں اگر کوئی سستا کالم نگار ہوتا تو اس وقت تک اس کالم کا آدھا حصہ لکھ چکا ہوتا۔ میں اس کالم کا آدھا حصہ لکھ کر اس کا حل بھی پیش کر دیتا۔ مگر میں ایک مہنگا کالم نگار ہوں۔ میرا کالم اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کا حل نہ پیش کر دوں۔ اس لئے میں اس کالم کا حل پیش کرنے سے قاصر ہوں۔ میں اپنے قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس کا حل پیش کریں۔ میں ان کا بہت مشکور ہوں گا۔

بقیہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو اسلام مزید ہی پھیلا گیا۔ آپ کا اسلام لانا کھلا اسلام کی فتح تھی۔ آپ کی ہجرت حضرت علی کی ہجرت مستور تھی۔ اس سے کھل ہم کو ملا۔ ہم کعبہ میں نماز پڑھنے لگے، لیکن جب حضرت عمرؓ ایمان لائے تو آپ نے مشرکین سے اس قدر جدال و قتال کیا کہ انہیں عاجز آ کر آپ سے مشرکین میں نماز پڑھنے کی اجازت مانگنی پڑی۔ (رحیق المختوم)



27جون — نیشنل اونین ڈے :(National Onion Day)

غذائیت، تاریخ اور پاکستان کی زرعی معیشت میں پیاز کی اہمیت

ہر سال 27 جون کو نیشنل اونین ڈے (National Onion Day) منایا جاتا ہے تاکہ اس عام مگر نہایت اہم سبزی کی غذائی افادیت، تاریخی اہمیت، طبی فوائد اور عالمی و مقامی معیشت میں اس کے کردار کو اجاگر کیا جاسکے

۔اس دن کے پس منظر میں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں 1913 میں قائم شدہ National Onion Association تھی۔اس تنظیم کے قیام کی بنیادی وجوہات میں معلومات کا تبادلہ: پیاز کی کاشت اور پیداوار کو بہتر بنانے کے لیے متعلقہ معلومات اکٹھی کرنا اور انہیں کسانوں تک پہنچانا کاشت کاروں، پیکرز اور بیوپاریوں کے مفادات کا تحفظ کرنا اور ان کے مسائل کا حل نکالنا۔ رسد و طلب میں توازن پیدا کرنا اور پیاز کی عالمی اور ملکی تجارت کی نگرانی کرنا اور اس کی کھپت (consumption) کو بڑھانے کے لیے اقدامات کرنا تھا۔

اس دن کا آغاز 2019ء میں کیا گیا، جبکہ اسے نیشنل اونین ایسوسی ایشن (National Onion Association) کے قیام (27 جون 1913ء) کی یاد سے منسوب کیا گیا

بنیادی طور پر یہ دن (USA) میں ایک باقاعدہ فوڈ ہالیڈے کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اور کینیڈا، برطانیہ اور چند دیگر مغربی ممالک میں بھی شیفس، فوڈ بلاگرز اور کچن گارڈننگ (گھریلو باغبانی) کے شوقین افراد سوشل میڈیا کے ذریعے اس دن کو پیاز کی غذائی اہمیت اور مختلف ریسیپیز شیئر کر کے مناتے ہیں۔

پاکستان مین 27 جون کو حکومتی یا عوامی سطح پر کوئی باقاعدہ "اونین ڈے" (پیاز کا دن) نہیں منایا جاتا اور نہ ہی اس دن کوئی سرکاری تقریب ہوتی ہے۔ تاہم یہ ڈیجیٹل دور ہے اور دنیا سمٹ کر ایک گلوبل ولیج مین تبدیل ہو چکی ہے اور 27 جون جیسے عالمی دن پر کچھ فوڈ بلاگرز، شیفس اور یوٹیوبرز پیاز کے نت نئے پکوان (جیسے پیاز کے پکوڑے، پیاز کا اچار یا پیاز کو دیر تک محفوظ رکھنے کے طریقے) شیئر کرتے ہیں۔

پیاز دنیا کے تقریباً ہر خطے کے کھانوں کا لازمی جزو ہے اور ذائقے کے ساتھ ساتھ صحت کے لیے بھی بے شمار فوائد رکھتی ہے۔ پیاز غذائیت سے بھرپور، کم کیلوریز والی سبزی ہے جس میں وٹامن C، وٹامن B6، پوٹاشیم، فولیٹ اور غذائی فائبر وافر مقدار میں موجود ہوتے ہیں۔ اس میں پائے جانے والے طاقتور اینٹی آکسیڈنٹس، خصوصاً کوئرسیٹین (Quercetin) اور سلفر مرکبات، جسم میں سوزش کم کرنے، مدافعتی نظام مضبوط بنانے، دل کی صحت بہتر رکھنے، بلڈ

پریشر اور کولیسٹرول کو متوازن رکھنے اور خون میں شوگر کی سطح کو قابو میں رکھنے میں معاون سمجھے جاتے ہیں۔ مزید برآں، پیاز معدے کے مفید بیکٹیریا کی افزائش میں مدد دے کر نظامِ ہاضمہ کو بہتر بناتی ہے، اسی لیے ماہرینِ غذائیت متوازن خوراک میں اس کے باقاعدہ استعمال کی سفارش کرتے ہیں۔

پیاز کی تاریخ ہزاروں برس پر محیط ہے۔ ماہرینِ نباتات کے مطابق اس کی ابتدا وسطی ایشیا سے ہوئی، جن علاقوں میں موجودہ ایران، پاکستان اور بھارت شامل ہیں۔ آثارِ قدیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً 3500 قبل مسیح میں بھی اس کی باقاعدہ کاشت کی جاتی تھی۔ قدیم مصری تہذیب میں پیاز کو ابدیت کی علامت سمجھا جاتا تھا اور فرعونوں کی تدفین میں بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ قدیم یونانی کھلاڑی جسمانی طاقت کے لیے اسے خوراک کا حصہ بناتے تھے، جبکہ رومی طبیب پلینی دی ایلڈر نے مختلف بیماریوں کے علاج میں اس کے استعمال کا ذکر کیا ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں یورپ میں پیاز اتنی قیمتی سمجھی جاتی تھی کہ بعض اوقات اسے کرایہ اور تحائف کی ادائیگی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ اسلامی روایت میں بھی پیاز کا ذکر موجود ہے، اور قرآنِ کریم میں بنی اسرائیل کی جانب سے جن سبزیوں کی خواہش کا ذکر آیا ہے، ان میں پیاز بھی شامل تھی

۔عالمی سطح پر پیاز کی سالانہ پیداوار تقریباً 100 سے 110 ملین ٹن کے درمیان ہے۔ پیداوار کے لحاظ سے بھارت، چین اور مصر سرِفہرست ممالک میں شامل ہیں جبکہ پاکستان بھی دنیا کے نمایاں پیاز پیدا کرنے والے ممالک میں شمار ہوتا ہے۔

وزارتِ قومی غذائی تحفظ و تحقیق کے حالیہ اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں سالانہ پیداوار تقریباً 27 لاکھ 47 ہزار ٹن تک پہنچ چکی ہے۔ سندھ، بلوچستان اور پنجاب پیاز پیدا کرنے والے اہم صوبے ہیں، جہاں سے نہ صرف ملکی ضروریات پوری کی جاتی ہیں بلکہ مشرقِ وسطیٰ، ملائیشیا، سری لنکا اور دیگر ممالک کو برآمدات بھی کی جاتی ہیں۔ مالی سال 2024-25 کے دوران پاکستان نے تقریباً ڈیڑھ سے دو لاکھ ٹن پیاز برآمد کی، جس سے 210 سے 220 ملین امریکی ڈالر کا زرِمبادلہ حاصل ہوا۔ پاکستان کی برآمدات میں اضافہ عموماً اس وقت دیکھنے میں آتا ہے جب بھارت اپنی برآمدات پر پابندی عائد کرتا ہے یا اس کی پیداوار میں کمی آتی ہے۔ پاکستان میں پیاز صرف ایک سبزی نہیں بلکہ لاکھوں کسانوں کی آمدنی، زرعی معیشت اور غذائی تحفظ کا اہم ستون ہے۔ تاہم فصل کو موسمی تغیر، ذخیرہ کرنے کی ناکافی سہولیات، نقل و حمل کے مسائل اور قیمتوں میں شدید اتار چڑھاؤ جیسے چیلنجز کا سامنا رہتا ہے۔ اگر جدید زرعی ٹیکنالوجی، بہتر بیج، کولڈ اسٹوریج، ویلیو ایڈیشن اور برآمدی منڈیوں تک بہتر رسائی کو فروغ دیا جائے تو پاکستان نہ صرف اپنی پیداوار اور برآمدات میں نمایاں اضافہ کر سکتا ہے بلکہ عالمی پیاز کی تجارت میں بھی مزید مضبوط مقام حاصل کر سکتا ہے۔ نیشنل اونین ڈے ہمیں اس حقیقت کی یاد دلاتا ہے کہ روزمرہ استعمال ہونے والی یہ سادہ سی سبزی انسانی صحت، غذائی تحفظ اور قومی معیشت تینوں کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے ۔



26 جون: منشیات اور غیر قانونی اسمگلنگ کے خلاف عالمی دن — پاکستان کے تناظر میں

ہر سال 26 جون کو دنیا بھر میں منشیات کے استعمال اور غیر قانونی اسمگلنگ کے خلاف عالمی دن (International Day against Drug Abuse and Illicit Trafficking) منایا جاتا ہے۔ اس دن کے انعقاد کا فیصلہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 7 دسمبر 1987ء کو قرارداد 42/112 کے تحت کیا تھا، جس کا مقصد منشیات سے پاک معاشرے کے قیام کے لیے عالمی سطح پر تعاون، آگاہی اور مؤثر حکمتِ عملی کو فروغ دینا ہے

26 جون کی تاریخ کا انتخاب چین میں 1839ء میں ہونے والی اس تاریخی کارروائی کی یاد میں کیا گیا، جب چینی حکام نے لن زیکسو (Lin Zexu) کی قیادت میں ہومین کے مقام پر افیون کی غیر قانونی تجارت کے خاتمے کے لیے فیصلہ کن اقدامات کیے تھے۔ یہ واقعہ آج بھی منشیات کے خلاف عالمی جدوجہد کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ منشیات کا مسئلہ آج دنیا کو درپیش سنگین ترین سماجی، معاشی اور صحت عامہ کے چیلنجز میں شمار ہوتا ہے۔

اقوام متحدہ کے ادارہ برائے منشیات و جرائم (UNODC) کی ورلڈ ڈرگ رپورٹ کے مطابق، عالمی سطح پر منشیات استعمال کرنے والوں کی تعداد 3 کروڑ 16 لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ اور عالمی سطح پر سب سے زیادہ منشیات استعمال کرنے والا ملک امریکہ ہے جہاں تقریباً 4 کروڑ 85 لاکھ سے زائد افراد کسی نہ کسی مادے کے عادی یا سبسٹنس یوز ڈس آرڈر (Substance Use Disorder) کا شکار ہیں۔

منشیات کی اسمگلنگ (Drug Trafficking) میں دنیا کے مختلف خطے اور ممالک شامل ہیں جنہیں ان کی پیداوار، راہداری (ٹرانزٹ)، یا کھپت کے حوالے سے جانا جاتا ہے۔ ان ممالک میں افغانستان: دنیا کی سب سے بڑی پوست (افیم) کی پیداوار اور اس سے بننے والی ہیروئن کا مرکز رہا ہے

میانمار اور لاؤس: یہ ممالک 'گولڈن ٹرائینگل' کا حصہ ہیں اور پوست کی پیداوار کے حوالے سے بدنام ہیں۔

کولمبیا، پیرو اور بولیویا: یہ لاطینی امریکی ممالک دنیا میں کوکین کی پیداوار کے سب سے بڑے مراکز ہیں۔ اس کے علاوہ راہداری اور ٹرانزٹ ممالک (Transit Countries) میں پاکستان اور ایران: افغانستان سے منشیات کو عالمی منڈیوں تک پہنچانے کے لیے اہم راہداری کا کردار ادا کرتے ہیں۔

میکسیکو: لاطینی امریکہ سے منشیات (خاص طور پر فینٹینیل اور کوکین) امریکہ اسمگل کرنے کے لیے سب سے بڑا ٹرانزٹ ملک ہے۔

مغربی افریقہ اور وسطی امریکہ: یہ خطے بھی منشیات کی یورپ اور شمالی امریکہ ترسیل کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

اسمگلنگ کے خاتمے کے لیے عالمی اور علاقائی سطح پر مختلف اقدامات اٹھائے گئے ہیں: ان میں اقوام متحدہ :(UNODC) منشیات اور جرائم سے نمٹنے کے لیے عالمی سطح پر حکمت عملی مرتب کرتا ہے اور رکن ممالک کی معاونت کرتا ہے۔ اور بین الاقوامی کنونشنز : کے تحت منشیات کی روک تھام کے لیے عالمی سطح پر تین بڑے معاہدے (1961 کا سنگل کنونشن، 1971 کا کنونشن اور 1988 کا کنونشن) نافذ العمل ہیں جو منشیات کی غیر قانونی تجارت کو جرم قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ

بارڈر کنٹرول اور سیکیورٹی فورسز: اور اسمگلنگ پکڑنے کے لیے بارڈرز اور بندرگاہوں پر جدید اسکینرز، ڈرونز اور کتوں (K9 یونٹس) کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اور بین الاقوامی انٹیلیجنس شیئرنگ کے ذریعے مختلف ممالک کی سیکیورٹی ایجنسیاں (جیسے پاکستان کی اے این ایف ANF - اور امریکی ڈی ای اے (DEA - مل کر بڑے اسمگلنگ نیٹ ورکس کو توڑتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ منی لانڈرنگ کی روک تھام کے سلسلہ کی ایک کڑی کے طور پر منشیات فروشوں کے مالیاتی نیٹ ورکس کو تباہ کرنے کے لیے بینکنگ سسٹم میں کڑی نگرانی کی جاتی ہے اور غیر قانونی رقوم کی منتقلی کو روکا جاتا ہے۔ سماجی اور طبی اقدامات کے تحت منشیات کے عادی افراد کی بحالی (Rehabilitation) کے لیے طبی مراکز کا قیام تاکہ اس کی طلب میں کمی لائی جاسکے۔ اور عوام اور خاص طور پر نوجوان نسل میں منشیات کے نقصانات سے متعلق آگاہی مہم چلانا ۔ غیر قانونی منشیات کی عالمی تجارت سالانہ اربوں ڈالرز تک پہنچ چکی ہے۔ یہ کاروبار نہ صرف جرائم، دہشت گردی اور منی لانڈرنگ کو فروغ دیتا ہے بلکہ نوجوان نسل کے جسمانی، ذہنی اور معاشرتی مستقبل کو بھی شدید متاثر کرتا ہے۔ حالیہ برسوں میں روایتی منشیات کے ساتھ ساتھ مصنوعی اور کیمیائی منشیات، خصوصاً میتھمفیٹامائن (آئس)، کا بڑھتا ہوا رجحان عالمی سطح پر نئی تشویش کا باعث بنا ہے۔

۔ پاکستان جغرافیائی اعتبار سے ایسے خطے میں واقع ہے جہاں منشیات کی پیداوار اور ترسیل کے اہم راستے موجود ہیں۔ اسی وجہ سے ملک کو منشیات کی اسمگلنگ اور نشے کے پھیلاؤ جیسے دوہرے چیلنج کا سامنا ہے۔ مختلف قومی اور بین الاقوامی جائزوں کے مطابق پاکستان میں تقریباً 67 لاکھ سے 80 لاکھ افراد کسی نہ کسی شکل میں منشیات استعمال کرتے ہیں، جن میں نوجوانوں کی تعداد قابلِ تشویش ہے۔ چرس، ہیروئن اور افیون کے علاوہ آئس، میتھمفیٹامائن اور دیگر مصنوعی نشہ آور اشیاء کا استعمال تیزی سے بڑھ رہا ہے، جس کے نتیجے میں صحت، تعلیم، خاندانی نظام اور معاشی پیداواریت پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

منشیات کے پھیلاؤ کی روک تھام کے لیے پاکستان میں وفاقی اور صوبائی سطح پر متعدد ادارے سرگرم عمل ہیں۔ اینٹی نارکوٹکس فورس (ANF)، صوبائی پولیس اور نئی قائم ہونے والی پنجاب کاؤنٹر نارکوٹکس فورس سمیت مختلف ادارے ملک بھر میں منشیات فروشوں اور اسمگلروں کے خلاف مسلسل کارروائیاں کر رہے ہیں۔ 2025ء اور 2026ء کے دوران تعلیمی اداروں، کوریئر سروسز، سرحدی علاقوں اور اہم شاہراہوں پر ہزاروں چھاپے مارے گئے، جن کے نتیجے میں سینکڑوں بڑے اسمگلرز گرفتار ہوئے اور بھاری مقدار میں منشیات برآمد کی گئیں۔ صرف پنجاب میں دو ہزار سے زائد خصوصی آپریشنز کے دوران درجنوں ٹن منشیات ضبط کی گئیں، جبکہ ملک بھر میں مجموعی طور پر 300 میٹرک ٹن سے زائد منشیات قبضے میں لی جاچکی ہیں۔ ان کارروائیوں میں ہیروئن، چرس، افیون، آئس اور دیگر کیمیائی منشیات کے علاوہ غیر قانونی شراب بھی برآمد ہوئی۔ حکومتِ پاکستان نے منشیات کے بدلتے ہوئے رجحانات اور متاثرہ آبادی کے درست تعین کے لیے ایک جامع قومی منشیات سروے کا آغاز بھی کیا ہے، جس سے آئندہ برسوں میں پالیسی سازی، علاج اور بحالی کے پروگراموں کو مزید مؤثر بنانے میں مدد ملے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ تعلیمی اداروں میں آگاہی مہمات، بحالی مراکز کا قیام، نوجوانوں کے لیے مثبت سرگرمیوں کا فروغ اور والدین کی تربیت جیسے اقدامات بھی قومی حکمتِ عملی کا حصہ ہیں۔

سال 2026ء کے عالمی یومِ انسدادِ منشیات کا مرکزی پیغام "منشیات کا عالمی مسئلہ: مسلسل مسائل، نئے چیلنجز اور جدید ردِ عمل" ہے۔ یہ تھیم اس حقیقت کی عکاسی کرتی ہے کہ منشیات کا مسئلہ مسلسل بدلتی ہوئی شکلوں میں سامنے آرہا ہے، جس سے نمٹنے کے لیے حکومتوں، تعلیمی اداروں، سول سوسائٹی، میڈیا اور عوام کو مشترکہ ذمہ داری ادا کرنا ہوگی۔ اس دن کا اصل مقصد صرف منشیات کے نقصانات کو اجاگر کرنا نہیں بلکہ نوجوان نسل کو ایک صحت مند، محفوظ اور باوقار مستقبل کی طرف راغب کرنا بھی ہے۔ منشیات سے پاک معاشرہ ہی ایک مضبوط، پرامن اور ترقی یافتہ پاکستان کی ضمانت بن سکتا



میرے محترم قارئین، خیر خواہ اور سوشل میڈیا فیملی السلام علیکم!

سب سے پہلے میں اپنے تمام پڑھنے والوں (چاہے وہ میرے اکاؤنٹ کو فالو کرتے ہوں یا صرف وزٹ کرتے ہوں) کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں، جو میری تحریروں کو باقاعدگی سے پڑھتے ہیں اور اپنی قیمتی آراء سے نوازتے ہیں۔ آپ کا یہ مثبت ردعمل ہی میری اصل توانائی ہے۔ سوشل میڈیا اور بالخصوص فیس بک ان باکس میں اکثر دوستوں، کرم فرماؤں اور قارئین کی جانب سے ایک سوال بار بار پوچھا جاتا ہے کہ: "میں ہر روز کسی نہ کسی عالمی دن (International Day) کے حوالے سے کوئی تفصیلی پوسٹ لازمی شیئر کرتا ہوں، جبکہ دیگر موضوعات جیسے کہ فنونِ لطیفہ، ذاتی تجربات، یا روایتی سیاسی و معاشرتی امور پر بات کیوں نہیں کرتا؟"

آج میں اس تعمیری سوال کا جواب اور اپنا نقطہ نظر آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں

۔ سوشل میڈیا کا مقصد: تفریح یا تبدیلی؟ میرا ہمیشہ سے یہ ماننا ہے کہ سوشل میڈیا محض تفریح، ذاتی تشہیر یا متنازعہ بحثوں کا میدان نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اسے علم کے فروغ اور مثبت تبدیلی کا ذریعہ بننا چاہیے۔ یہ سچ ہے کہ جو معلومات میں شیئر کرتا ہوں، وہ انٹرنیٹ پر ہر جگہ موجود ہیں اور کوئی بھی شخص انہیں تلاش کر سکتا ہے۔ لیکن آج کی اس تیز رفتار اور مصروف زندگی میں ہر کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ انفرادی طور پر اتنی تحقیق کر سکے۔ میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ ان بکھری ہوئی قیمتی معلومات کو ایک جگہ یکجا کروں، تاکہ آپ سب اپنے قیمتی وقت کو بچاتے ہوئے علم حاصل کر سکیں اور جو دوست مزید گہرائی میں جانا چاہیں، وہ اس لٹریچر کے ذریعے اپنے سفر کو آگے بڑھا سکیں

۔ عالمی دن اور پاکستان: شعور کی بیداری اقوام متحدہ (UNO) کے تحت منائے جانے والے عالمی دن اور پاکستان کے تناظر میں ان کے اثرات پر لکھنا میری خاص دلچسپی ہے۔ ان دنوں کو منانے کا اصل مقصد محض ایک تاریخ یاد رکھنا نہیں، بلکہ دنیا بھر میں موسمیاتی تبدیلی، غربت، تعلیم کی کمی، اور انسانی حقوق جیسے سنگین مسائل پر غور و فکر کرنا ہے۔ یہ دن ہمیں موقع دیتے ہیں کہ ہم: عالمی یکجہتی کو فروغ دیں تاکہ کوششوں سے دنیا کو بہتر بنایا جا سکے۔ شعور کو بیدار کریں اور اپنے اردگرد کے مسائل کے حل کے لیے انفرادی و اجتماعی سطح پر متحرک ہوں۔ تاریخی معاہدوں اور انسانی حقوق کے بنیادی مقاصد کو یاد رکھتے ہوئے امنِ عالم کے فروغ میں اپنا حصہ ڈالیں

۔ **آپ کے لیے ہمیشہ حاضر** میرا یہ فیس بک اکاؤنٹ ایک کھلا علمی فورم ہے، جہاں فالوورز یا نان فالوورز کی کوئی تفریق نہیں۔ علم پر ہر ایک کا برابر حق ہے۔ میں آپ سب کو دعوت دیتا ہوں کہ ان معلوماتی پوسٹس پر کھل کر بات کریں، اگر کہیں تصحیح کی ضرورت ہو تو رہنمائی فرمائیں، اور علم کے اس سفر میں مزید قیمتی معلومات کا اضافہ کریں۔ ہمارا مقصد مل کر معاشرے تک مستند اور صحت مند معلومات پہنچانا ہے۔ ایک بار پھر آپ سب کی محبتوں اور وقت کا بے حد شکریہ

)طالبِ دعا

(امان اللہ خان



25جون: جہاز رانوں کا عالمی دن—عالمی تجارت کے خاموش محافظ اور پاکستان کے لیے اہمیت

ہر سال 25جون کو دنیا بھر میں جہاز رانوں کا عالمی دن (International Day of the Seafarer) منایا جاتا ہے۔ اس دن کا مقصد ان لاکھوں ملاحوں، سمندری کارکنوں اور جہاز رانوں کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرنا ہے جو شدید موسمی حالات، طویل سمندری سفر اور متعدد خطرات کے باوجود عالمی تجارت اور معیشت کا پہیہ رواں رکھنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ آج دنیا کی 80 سے 90 فیصد بین الاقوامی تجارت سمندری راستوں کے ذریعے انجام پاتی ہے، جس کی بدولت خوراک، ادویات، ایندھن اور دیگر ضروری اشیاء دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچتی ہیں۔ اگر سمندری نقل و حمل کا یہ نظام رک جائے تو عالمی سپلائی چین اور معاشی سرگرمیاں شدید متاثر ہو سکتی ہیں

۔اس دن کے قیام کا پس منظر 2010ء میں فلپائن کے دارالحکومت منیلا میں منعقد ہونے والی اس سفارتی کانفرنس سے جڑا ہے جس میں ملاحوں کی تربیت، سرٹیفکیشن اور واچ کیپنگ سے متعلق بین الاقوامی کنونشن (STCW Convention) میں اہم ترامیم کی منظوری دی گئی۔ کانفرنس کے اختتامی روز، 25جون کو، بین الاقوامی بحری تنظیم (IMO) نے قرارداد نمبر 19 کے ذریعے ہر سال اس تاریخ کو "جہاز رانوں کا عالمی دن" منانے کی منظوری دی۔ بعد ازاں اقوام متحدہ نے بھی اس دن کو اپنے عالمی ایام کی فہرست میں شامل کر لیا، اور 2011ء میں پہلی مرتبہ اسے باضابطہ طور پر عالمی سطح پر منایا گیا۔ جہاز ران محض سامان کی ترسیل ہی نہیں کرتے بلکہ عالمی معیشت کے استحکام، توانائی کی فراہمی اور انسانی ضروریات کی تکمیل میں بھی بنیادی کردار ادا کرتے ہیں

۔انہیں سمندری طوفانوں، ذہنی دباؤ، طویل تنہائی، سمندری قزاقی، جغرافیائی کشیدگی اور تنازعات سے پیدا ہونے والے خطرات کا سامنا رہتا ہے۔ حالیہ برسوں میں بحیرہ احمر، خلیج فارس اور دیگر حساس بحری راستوں میں بڑھتی ہوئی کشیدگی نے ان چیلنجز کو مزید نمایاں کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دن کے موقع پر ملاحوں کی فلاح، ذہنی و جسمانی صحت، محفوظ کام کے ماحول اور انسانی حقوق کے تحفظ پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ ساتھ ہی سمندری آلودگی کے خاتمے، گرین شپنگ، کاربن اخراج میں کمی اور سمندری ماحولیات کے تحفظ کے حوالے سے بھی عالمی شعور اجاگر کیا جاتا ہے۔

پاکستان کے تناظر میں یہ دن خصوصی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ ملک کی بیرونی تجارت کا بڑا حصہ سمندری راستوں کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ کراچی پورٹ، پورٹ قاسم اور گوادر پورٹ قومی معیشت اور علاقائی تجارت کے اہم مراکز ہیں۔ جہاز رانوں کی عالمی سطح پر پذیرائی سے پاکستانی میرین پروفیشنلز کے لیے روزگار کے مواقع بڑھتے ہیں اور ملک کو قیمتی زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے

۔مزید برآں، پاکستان بین الاقوامی بحری معاہدوں اور IMO کنونشنز سے ہم آہنگی پیدا کر کے اپنے بحری شعبے کی استعداد، سیکیورٹی اور کارکردگی کو بہتر بنا رہا ہے۔ اس موقع پر پاکستان نیوی، پاکستان میری ٹائم سیکیورٹی ایجنسی اور دیگر متعلقہ ادارے سمندری سلامتی، ماحولیاتی تحفظ، بلیو اکانومی کے فروغ اور ماہی گیر برادری کی فلاح و بہبود کے حوالے سے آگاہی پروگراموں اور سیمینارز کا انعقاد کرتے ہیں

۔جہاز رانوں کا عالمی دن دراصل ان گمنام محافظوں کی خدمات کے اعتراف کا دن ہے جو سمندروں کی وسعتوں میں رہ کر عالمی ترقی اور خوشحالی کی بنیاد مضبوط کرتے ہیں



24:جون: سفارت کاری میں خواتین کا بین الاقوامی دن ـــعالمی امن اور پاکستانی خواتین کا روشن کردار

ہر سال 24 جون کو دنیا بھر میں "سفارت کاری میں خواتین کا بین الاقوامی دن (International Day of Women in Diplomacy) "منایا جاتا ہے۔ یہ دن اقوامِ متحدہ کے کیلنڈر میں نسبتاً نئی مگر نہایت اہم شمولیت ہے، جس کا مقصد بین الاقوامی تعلقات، امن سازی، تنازعات کے حل اور کثیر الجہتی سفارت کاری میں خواتین کی گراں قدر خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرنا اور ان رکاوٹوں کی نشاندہی کرنا ہے جو آج بھی خواتین کی مکمل شمولیت کی راہ میں حائل ہیں۔ موجودہ دور میں جب دنیا کو پائیدار امن، باہمی احترام اور مؤثر مکالمے کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے، خواتین کی سفارتی قیادت ایک ناگزیر حقیقت بن چکی ہے

۔اس عالمی دن کے قیام کی تجویز جزیرہ نما ملک Maldives نے پیش کی۔ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 76 ویں اجلاس میں مالدیپ نے ایک قرارداد متعارف کروائی جسے 20 جون 2022 کو تمام 193 رکن ممالک کے متفقہ اتفاقِ رائے سے منظور کیا گیا۔ قرارداد نمبر 76/269 کے تحت 24 جون کو باضابطہ طور پر "سفارت کاری میں خواتین کا بین الاقوامی دن" قرار دیا گیا اور اسی سال 24 جون کو اس دن کی پہلی سرکاری عالمی تقریب منعقد ہوئی۔ یہ فیصلہ اس اعتراف کا مظہر تھا کہ عالمی امن اور بین الاقوامی تعاون کے فروغ میں خواتین کا کردار محض معاون نہیں بلکہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ خواتین نے عالمی سفارت کاری کی تشکیل میں غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں، اگرچہ ان کا کردار اکثر پس منظر میں رہ گیا۔ 1945 میں اقوامِ متحدہ کے منشور کی تیاری کے دوران برازیل کی Bertha Lutz اور ڈومینیکن ریپبلک کی Minerva Bernardino نے خواتین کے حقوق کو بنیادی انسانی حقوق کا حصہ بنانے کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ اسی طرح بھارت کی Hansa Mehta نے انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے میں "All men" کی جگہ "All human beings" کی اصطلاح شامل کروا کر بین الاقوامی قانون کی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل قائم کیا۔

تحقیقی مطالعات سے ثابت ہوا ہے کہ جب خواتین امن مذاکرات، ثالثی اور معاہدوں کے عمل میں شریک ہوتی ہیں تو امن معاہدے زیادہ پائیدار اور مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقوام متحدہ اور دیگر بین الاقوامی ادارے خواتین کی سفارتی قیادت کو فروغ دینے پر زور دے رہے ہیں۔ عالمی سطح پر Eleanor Roosevelt ، Vijaya Lakshmi Pandit، Madeleine Albright اور Ellen Johnson Sirleaf جیسی شخصیات نے سفارت کاری اور امن سازی میں نمایاں کردار ادا کر کے آنے والی نسلوں کے لیے نئی راہیں ہموار کیں۔

پاکستان بھی اس میدان میں قابلِ فخر مثالیں رکھتا ہے۔ Hina Rabbani Khar پاکستان کی پہلی خاتون وزیرِ خارجہ تھیں جنہوں نے عالمی سطح پر پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے علاقائی استحکام اور سفارتی روابط کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ اسی طرح Major Samia Rehman نے اقوام متحدہ کے امن مشنز میں خواتین کی مؤثر شمولیت کی نئی مثال قائم کی اور مقامی آبادیوں کے ساتھ رابطے اور اعتماد سازی میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ تاہم اس کے باوجود یہ تعداد کم ہے

عالمی سطح پر 'خواتین سفارت کاری انڈیکس' کے مطابق ایشیا میں خاتون سفیروں کی شرح لگ بھگ 13 ٪ ہے، اور پاکستان بھی اسی اوسط کے قریب ہے جہاں مختلف ممالک میں پاکستان کی نمائندگی کرنے والی خاتون سفیر (Ambassadors) اور ہائی کمشنرز تعینات ہیں سفارت کاری کی دنیا اور اس میں خواتین کی نمائندگی کے حوالے سے تازہ ترین صورتحال درج ذیل ہے

بین الاقوامی تھنک ٹینک 'لووی انسٹی ٹیوٹ (Lowy Institute) ' کے عالمی سفارت کاری انڈیکس کے مطابق، اس وقت دنیا میں سب سے بڑا سفارتی نیٹ ورک چین کے پاس ہے۔ جس میں کل 274 سفارتی مشنز/پوسٹس (

ہیں جبکہ دوسرے نمبر پر امریکہ (کل 271 سفارتی مشنز) اور تیسرے نمبر پر ترکیہ جس میں 252 سفارتی مشن ہیں اگر عالمی سطح پر دیکھا جائے تو چین دنیا بھر کے نیٹ ورک کا سب سے بڑا حصہ سنبھالے ہوئے ہے، جس میں 173 باقاعدہ سفارت خانے، 91 قونصلیٹ جنرلز اور 8 مستقل مشنز شامل ہیں۔ اسٹریٹجک لحاظ سے چین نے افریقہ اور مشرقی ایشیا میں امریکہ پر برتری حاصل کی ہے، جبکہ امریکہ اب بھی یورپ اور جنوبی ایشیا میں آگے ہے۔ پاکستان کی فارن سروس (FSP) میں خواتین کی شمولیت تاریخی طور پر مردوں کے مقابلے میں کم رہی ہے، لیکن حالیہ برسوں میں اس میں نمایاں تبدیلی آ رہی ہے۔ اس وقت پاکستان کی وزارتِ خارجہ (MoFA) میں مجموعی طور پر خواتین سفارت کاروں اور افسران کا تناسب تقریباً 15 ٪ سے 20 ٪ کے درمیان ہے۔۔ خارجہ پالیسی اور سفارت کاری کے محاذ پر پاکستانی خواتین کا کردار تیزی سے مثبت سمت میں گامزن ہے، جس کی چند اہم کڑیاں یہ ہیں:

حالیہ برسوں میں پاکستان نے تاریخ میں پہلی بار کلیدی عہدوں پر خواتین کو تعینات کیا۔ مثال کے طور پر، آمنہ بلوچ کو فارن سیکرٹری (وزارت خارجہ کا اعلیٰ ترین انتظامی عہدہ) مقرر کیا گیا، جبکہ ممتاز زہرہ بلوچ وزارتِ خارجہ کی ترجمان کے طور پر ملک کا موقف دنیا کے سامنے پیش کرتی رہیں۔ ماضی میں خواتین سفارت کاروں کو زیادہ تر "سافٹ ڈپلومیسی" (جیسے ثقافت یا انسانی ہمدردی کے شعبے) تک محدود سمجھا جاتا تھا، لیکن اب وہ سیکیورٹی، سٹریٹجک افیئرز، اور اہم عالمی دارالحکومتوں (جیسے یورپی یونین، اقوام متحدہ کے مشنز اور امریکہ) میں بطور سفیر اور قونصل جنرل فرائض انجام دے رہی ہیں۔ سینٹرل سپیریئر سروسز (CSS) کے ذریعے فارن سروس جوائن کرنے والی نئی خواتین افسران کی شرح میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اکیڈمک سطح پر میرٹ کی بنیاد پر آنے والی لڑکیاں فارن سروس کو ترجیح دے رہی ہیں، جس سے مستقبل قریب میں یہ تناسب مزید بہتر ہونے کی واضح امید ہے۔۔ پاکستانی خواتین سفارت کار، امن فوجیوں اور بین الاقوامی ماہرین کی بڑھتی ہوئی تعداد اس بات کا ثبوت ہے کہ ملک کی خواتین عالمی سطح پر قائدانہ کردار ادا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہیں۔ آج کے دن کا پیغام واضح ہے: پائیدار امن، مؤثر سفارت کاری اور منصفانہ عالمی نظام اسی وقت ممکن ہے جب خواتین کو فیصلہ سازی کے ہر مرحلے میں مساوی مواقع اور قائدانہ حیثیت حاصل ہو۔ پاکستان سمیت پوری دنیا کے لیے یہ دن اس عزم کی تجدید کا موقع ہے کہ خواتین کی صلاحیتوں، قیادت اور بصیرت کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں عالمی سفارت کاری کے ہر میدان میں آگے بڑھنے کے مساوی مواقع فراہم کیے جائیں، کیونکہ امن کی مضبوط بنیادیں شمولیت، مساوات اور باہمی احترام سے ہی استوار ہوتی ہیں



بین القوامی یومِ بیوگان – عالمی ردعمل اور پاکستان: بے سہارا خواتین کے تحفظ کے لیے فلاحی و قانونی اقدامات

بیواؤں کے عالمی دن (International Widows Day) کے قیام کا بنیادی مقصد دنیا بھر میں بیواؤں کو درپیش غربت، سماجی امتیازی سلوک، اور ناانصافیوں کے خلاف آواز اٹھانا تھا۔

اس دن کے انعقاد کا خیال برطانیہ کے لارڈ لومبا (Lord Loomba) کو آیا۔ ان کی والدہ، شریعت پشپاوتی لومبا، 23 جون 1954 کو بیوہ ہوئیں۔ اس کے بعد انہیں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اس نے لارڈ لومبا کو اس موضوع پر عالمی سطح پر آواز اٹھانے کی تحریک دی اور انہوں نے دی لومبا فاؤنڈیشن (The Loomba Foundation) کی بنیاد رکھی اور اس نے برطانوی ایوان بالا (House of Lords) میں 26 مئی 2005 کو اس دن کا اعلان کیا اور لارڈ لومبا کی والدہ کی تاریخِ بیوگی (23 جون) کو اس دن کے لیے منتخب کیا۔ ابتدائی چند سالوں میں 2005 تا 2009 تک اس دن کی تقریبات برطانیہ، بھارت، نیپال، سری لنکا، یوگنڈا اور جنوبی افریقہ میں منعقد کی گئیں۔ تاہم لومبا فاؤنڈیشن کی پانچ سالہ طویل مہم بالآخر رنگ لائی اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 21 دسمبر 2010 کو ایک قرارداد کے ذریعے ہر سال 23 جون کو بیواؤں کا عالمی دن منانے کا باقاعدہ اعلان کیا

یہ دن سب سے پہلے برطانیہ میں منایا گیا، جہاں دی لومبا فاؤنڈیشن نے اس کی شروعات کی۔ اقوامِ متحدہ (UN) اور اس کے ذیلی اداروں

) جیسے (UN Women کی حالیہ رپورٹس کے مطابق، اس وقت دنیا میں تقریباً 25 کروڑ 80 لاکھ (258 Million) سے زائد خواتین بیوہ ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد (تقریباً ہر 10 میں سے ایک بیوہ) انتہائی غربت کی زندگی گزار رہی ہے۔ عالمی سطح پر بیواؤں کی سب سے بڑی تعداد انڈیا اور چین میں ہے۔ تناسب کے لحاظ سے دنیا میں سب سے زیادہ بیوائیں افغانستان اور یوکرین جیسے جنگ زدہ ممالک میں ہیں، جہاں شادی شدہ عمر کی خواتین میں سے تقریباً ہر 5 میں سے 1 خاتون (20٪) بیوہ ہے۔ اس کے علاوہ جنگ اور داخلی تنازعات کی وجہ سے عراق، شام اور جمہوریہ کانگو میں بھی یہ تناسب بہت زیادہ ہے

پاکستان بیورو آف سٹیٹسٹکس (PBS) کے حالیہ سنسس ڈیٹا اور سروے رپورٹس کے مطابق پاکستان میں 15 سال سے زائد عمر کی آبادی میں بیواؤں (اور رنڈوؤں) کی مجموعی تعداد 58 لاکھ سے زائد ہے، جس میں خواتین (بیواؤں) کی تعداد مردوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔

دنیا بھر میں، خاص طور پر ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک میں، بیواؤں کو کثیر جہتی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس مین غربت اور معاشی عدم تحفظ سر فہرست ہے کیونکہ شوہر کی وفات کے بعد آمدنی کا ذریعہ ختم ہو جانا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ دنیا بھر میں کروڑوں بیوائیں اپنے بچوں کے ساتھ انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ علاوہ ازیں بہت سے معاشروں اور روایتی قوانین کے تحت خواتین کو جائیداد کی منتقلی یا شوہر کی وراثت میں سے ان کا شرعی و قانونی حق نہیں دیا جاتا۔ عالمی بینک کے مطابق دنیا کے تقریباً 40 فیصد ممالک میں خواتین کے جائیداد اور وراثت کے حقوق اب بھی محدود ہیں اس کے علاوہ سماجی تنہائی اور بدنامی (Stigma) بھی ایک بڑا مسئلہ رہا ہے کیونکہ بعض ثقافتوں میں بیوہ خاتون کو منحوس یا "بد قسمتی کی علامت" سمجھا جاتا ہے۔ انہیں شادی بیاہ یا خوشی کی تقریبات سے دور رکھا جاتا ہے اور سماجی طور پر الگ تھلگ کر دیا جاتا ہے۔: تحفظ فراہم کرنے والے ساتھی کی عدم موجودگی میں بیواؤں کو اکثر خاندانی یا معاشرتی سطح پر جسمانی، ذہنی اور جنسی تشدد یا بلیک میلنگ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بعض افریقی اور ایشیائی خطوں میں بیواؤں کو شوہر کی موت کے بعد غیر انسانی اور توہم پرستانہ رسومات (جیسے زبردستی سسرال میں دوسری شادی، یا مخصوص عرصے تک بنیادی انسانی حقوق سے محروم رکھنا) سے گزرنا پڑتا ہے۔

عالمی سطح پر بیواؤں کے حقوق کے تحفظ اور ان کی بحالی کے لیے بین الاقوامی سطح پر اقوامِ متحدہ کے "Sustainable Development Goals" (خصوصاً ہدف نمبر 5: صنفی مساوات اور ہدف نمبر 1: غربت کا خاتمہ) کے تحت رکن ممالک کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ ایسی پالیسیاں بنائیں جہاں بیواؤں کو معاشی تحفظ حاصل ہو۔ اقوامِ متحدہ اور حقوقِ انسانی کی تنظیموں کے دباؤ پر کئی ممالک نے اپنے وراثت کے قوانین میں تبدیلیاں کی ہیں تاکہ بیواؤں کو جائیداد کا مالکانہ حق اور تحفظ مل سکے۔ عالمی سطح پر "Global Fund for Widows" جیسے ادارے بیواؤں کو مالی طور پر خود مختار بنانے کے لیے چھوٹے کاروبار (Micro-finance) اور ہنر سکھانے کے منصوبوں پر کام کر رہے ہیں۔

اقوام متحدہ کی یہ کاوشیں اپنی جگہ۔۔ مگر بیوائوں کے حقوق کا سب سے بڑا چارٹر اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے سے دے دیا تھا۔ جن پر آج عمل کر لیا جائے تو بہت سے مسائل باقی ہی نہ رہیں۔ اسلام نے بیوہ خواتین کے حقوق اور فلاح و بہبود کو خصوصی اہمیت دی ہے۔ قرآنِ کریم اور سنتِ نبویؐ میں مسلمانوں کو بیواؤں کی کفالت، مالی معاونت، عزت و احترام اور سماجی تحفظ کی تلقین کی گئی ہے۔ اسلام بیوہ عورت کو وراثت میں اس کا جائز حق دیتا ہے، اس کی رضامندی کے بغیر کسی قسم کے جبریا استحصال کو منع کرتا ہے، اور عدت مکمل ہونے کے بعد اسے دوبارہ شادی کا مکمل حق فراہم کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بیواؤں اور مسکینوں کی خدمت کو عظیم نیکی قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ان کی کفالت کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور رات بھر عبادت و دن بھر روزہ رکھنے والے شخص کے برابر اجر کا مستحق ہے۔ اس طرح اسلام بیوہ خواتین کو معاشرے کا باوقار اور فعال حصہ بنانے، ان کی معاشی و سماجی مشکلات کم کرنے اور انہیں عزت و تحفظ فراہم کرنے کا جامع نظام پیش کرتا ہے۔ پاکستان ایک اسلامی فلاحی مملکت ہے۔ لہذا بیواؤں کے معاشی، قانونی اور سماجی تحفظ کے لیے وفاقی اور صوبائی سطح پر متعدد اہم اقدامات کئے ہین جن کا مختصر تعارف یہ ہے

1۔ پنجاب اربن لینڈ سسٹم انہانسمنٹ (PULSE) پروجیکٹ، جو کہ بورڈ آف ریونیو پنجاب کا ایک انقلابی منصوبہ ہے، بیواؤں اور بیٹیوں کے وراثتی حقوق کو تحفظ دینے میں سب سے اہم کردار ادا کر رہا ہے اور اب کسی بھی فوت شدگان کے انتقالِ وراثت (Mutation of Inheritance) کو نادرا کے ڈیٹا بیس سے جوڑ دیا گیا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اپنی مرضی سے شجرہ نصب تبدیل کر کے بیوہ یا بیٹیوں کو وراثت سے محروم نہیں کر سکتا۔۔ اسکے علاوہ وراثت کے انتقال کے وقت تمام قانونی وارثین، خصوصاً خواتین کی اراضی ریکارڈ سینٹر زپر بائیو میٹرک تصدیق لازمی قرار دی گئی ہے تاکہ ان کی

مرضی اور موجودگی کے بغیر زمین کسی اور کے نام منتقل نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اراضی ریکارڈ سینٹرز (ARCs) پر خواتین اور بیواؤں کے لیے علیحدہ کاؤنٹرز اور خواتین اسٹاف کا تعین کیا گیا ہے تاکہ وہ بغیر کسی دباؤ کے اپنے حقوق حاصل کر سکیں۔

2۔ وزارتِ خزانہ کے تحت چلنے والی قومی بچت کی اسکیم بہبود سیونگ سرٹیفکیٹس (BSCs) بیواؤں کو مالی طور پر خود مختار بنانے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ یہ اسکیم بیواؤں (اور بزرگ شہریوں) کو ہر ماہ ایک مقررہ اور محفوظ منافع فراہم کرتی ہے تاکہ ان کا گھریلو نظام زندگی باوقار طریقے سے چل سکے۔ حکومت نے بہبود سرٹیفکیٹس کو لازمی زکوٰۃ کی کٹوتی اور ودہولڈنگ ٹیکس (WHT) سے استثنیٰ دیا ہوا ہے، جبکہ ان کے منافع پر فائلرز کے لیے زیادہ سے زیادہ صرف 5٪ ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ ایک انفرادی خاتون (بیوہ) اس اسکیم میں 75 لاکھ (7.5 Million روپے تک کی سرمایہ کاری کر سکتی ہے۔ اس وقت اس کا ریٹ ایک لاکھ روپے کے سرٹیفکیٹ پر ماہانہ گیارہ سو روپے منافع دیا جاتا ہے۔

3۔ حکومتی پینشن قوانین کے تحت سرکاری ملازم کی وفات کی صورت میں اس کی بیوہ کے حقوق کو مکمل قانونی تحفظ حاصل ہے:

تاحیات پینشن کا حق: سرکاری ملازم کی وفات کے بعد اس کی بیوہ تاحیات پینشن کی حقدار ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ دوسری شادی نہ کرے۔ پینشن کے ساتھ ساتھ بیوہ کو میڈیکل الاؤنس اور حکومت کی طرف سے وقت فوقتاً بڑھائے جانے والے دیگر مراعاتی الاؤنسز بھی فراہم کیے جاتے ہیں۔ اور کئی صوبوں اور وفاقی محکموں میں رول 17 A– کے تحت دورانِ ملازمت وفات پانے والے ملازم کی بیوہ (یا بچوں) کو تعلیمی قابلیت کے مطابق سرکاری نوکری بھی فراہم کی جاتی ہے۔

4۔ بینظیر انکم سپورٹ پروگرام (BISP) وفاقی سطح پر سماجی تحفظ (Social Safety Net) کا سب سے بڑا پروگرام ہے جو غریب اور مستحق بیواؤں کی کفالت میں اہم ترین کردار ادا کر رہا ہے: اس پروگرام کے تحت ملک بھر کی لاکھوں مستحق بیواؤں کو سہ ماہی بنیادوں پر نقد رقم فراہم کی جاتی ہے۔

نادرا کے ڈیٹا بیس میں "بیوہ (Widow) " کا اسٹیٹس اپڈیٹ ہوتے ہی، ایسی خواتین کو غربت کے اسکور (PMT Score) میں رعایت اور بی آئی ایس پی کے سروے میں ترجیحی بنیادوں پر شامل کیا جاتا ہے۔

پاکستان کے قانون (Section 498-A PPC) کے تحت کسی بھی خاتون کو زبردستی، دھوکے یا کسی رسم و رواج کے نام پر اس کی جائز شرعی و قانونی وراثت سے محروم کرنا ایک سنگین اور ناقابلِ ضمانت جرم ہے، جس کی سزا 5 سے 10 سال قید اور 10 لاکھ روپے تک جرمانہ ہے۔

پنجاب میں پلس (PULSE) جیسے ڈیجیٹل پراجیکٹس اور نادرا کے نیٹ ورک نے اب پٹواری کلچر کی ان خامیوں کا خاتمہ کر دیا ہے جن کا فائدہ اٹھا کر ماضی میں بیواؤں کو ان کے گھر یا زمین سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ یہ تمام اقدامات مل کر بیواؤں کو ایک محفوظ اور باوقار ماحول فراہم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

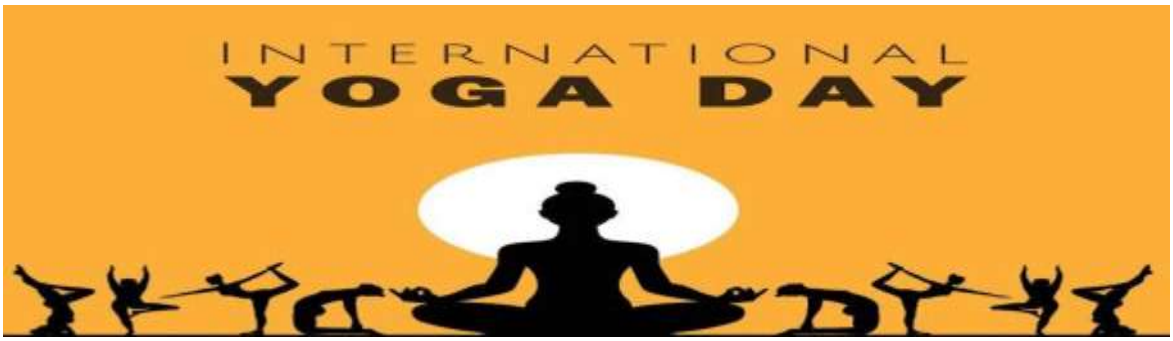

21جون-بین الاقوامی یومِ یوگا -ذہنی سکون اور روحانی توازن کا دن اور پاکستان میں ارتقائی عمل

ہر سال 21جون کو دنیا بھر میں بین الاقوامی یومِ یوگا (International Day of Yoga) منایا جاتا ہے۔اس دن کا مقصد یوگا کے ذریعے جسمانی صحت، ذہنی سکون اور روحانی توازن کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے

۔یوگا ایک قدیم ہندوستانی فلسفہ اور طرزِ زندگی ہے جو جسم، دماغ اور روح کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے پر زور دیتا ہے۔ماہرین کے مطابق یوگا کی تاریخ تقریباً پانچ ہزار سال پر محیط ہے اور اس کی ابتدائی جھلکیاں قدیم وادیٔ سندھ اور ویدک تہذیب کے آثار میں ملتی ہیں۔بعد ازاں بابا پتنجلی نے اپنی معروف تصنیف "یوگا سترا" کے ذریعے اس کے اصول وضوابط کو منظم شکل دی، جس کے باعث یوگا ایک جامع علمی اور عملی نظام کے طور پر دنیا کے سامنے آیا۔روایتی طور پر یوگا کا مقصد انسان کی باطنی صلاحیتوں کو بیدار کرنا، نفس پر قابو پانا اور روحانی ارتقاء حاصل کرنا تھا، تاہم جدید دور میں اسے صحت مند طرزِ زندگی کا ایک مؤثر ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔یوگا کی مختلف مشقیں جسمانی لچک، توازن، قوتِ مدافعت اور سانس کی کارکردگی کو بہتر بنانے میں مدد دیتی ہیں، جبکہ مراقبہ اور سانس کی مشقیں ذہنی دباؤ، بے چینی اور تھکن کو کم کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔اسی وجہ سے دنیا بھر کے طبی اور فٹنس ماہرین یوگا کو صحت مند زندگی کے لیے ایک مفید سرگرمی قرار دیتے ہیں.

۔بین الاقوامی سطح پر یوگا کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیشِ نظر اقوامِ متحدہ نے 11 دسمبر 2014 کو ایک قرارداد کے ذریعے ہر سال 21جون کو بین الاقوامی یومِ یوگا منانے کا اعلان کیا۔اس تجویز کو بھارت کے وزیرِ اعظم نریندر مودی نے ستمبر 2014 میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کے دوران پیش کیا تھا، جسے ریکارڈ 177 ممالک کی حمایت حاصل ہوئی۔21جون کی تاریخ کا انتخاب اس لیے کیا گیا کہ یہ شمالی نصف کرہ میں سال کا طویل ترین دن (Summer Solstice) ہوتا ہے، جو یوگا کی روایات میں خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔پہلی مرتبہ یہ دن 21جون 2015 کو منایا گیا، جس میں دنیا بھر میں کروڑوں افراد نے شرکت کی.

۔آج یوگا امریکہ، بھارت، چین، کینیڈا، آسٹریلیا اور یورپ کے متعدد ممالک سمیت دنیا کے تقریباً ہر خطے میں مقبول ہے۔کئی ممالک نے اسے صحت عامہ، فٹنس اور کھیلوں کی سرگرمیوں کا حصہ بنا لیا ہے۔بھارت نے یوگا ساسانا کو باضابطہ طور پر ایک مسابقتی کھیل کا درجہ دیا، جبکہ سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات سمیت کئی دیگر ممالک میں بھی یوگا کو منظم جسمانی سرگرمی کے طور پر فروغ دیا جا رہا ہے۔عالمی سطح پر اسے مستقبل میں اولمپک کھیلوں میں شامل کرنے کے امکانات پر بھی غور کیا جا رہا ہے

۔پاکستان میں بھی یوگا بتدریج مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔لاہور، کراچی، اسلام آباد اور دیگر بڑے شہروں میں یوگا مراکز، فٹنس کلبز اور نجی تنظیمیں باقاعدگی سے یوگا سیشنز کا انعقاد کرتی ہیں۔پاکستانی نوجوان، خواتین اور بزرگ اب اسے محض ایک ثقافتی یا مذہبی روایت کے بجائے صحت، فٹنس اور ذہنی سکون کے مؤثر ذریعہ کے طور پر اپنانے لگے ہیں۔اگرچہ پاکستان میں یوگا کو تاحال سرکاری سطح پر کھیل کا درجہ حاصل نہیں، تاہم بڑھتے ہوئے ذہنی دباؤ، غیر متوازن طرزِ زندگی اور صحت کے مسائل کے تناظر میں اس کی افادیت سے آگاہی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔بین الاقوامی یومِ یوگا ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ صحت مند معاشرے کی بنیاد جسمانی تندرستی، ذہنی سکون اور اندرونی توازن پر استوار ہوتی ہے، اور یوگا ان مقاصد کے حصول کا ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔



20جون عالمی یوم پناہ گزین اور پاکستان کا کردار و مسلم بھائی چارے کہ بہترین مثال

اقوام متحدہ کے مطابق پناہ گزین (Refugey) وہ شخص ہے جو اپنی جان کے خوف، جنگ، تشدد یا ظلم و ستم کی وجہ سے اپنا ملک چھوڑنے پر مجبور ہو اور دوسرے ملک میں پناہ حاصل کرے

۔عالمی یوم پناہ گزین ہر سال 20 جون کو منایا جاتا ہے۔ اس دن کا آغاز باقاعدہ طور پر 2001 میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی ایک خصوصی قرارداد کے ذریعے کیا گیا، جس کا مقصد سنہ 1951 کے 'پناہ گزینوں کے کنونشن' کی 50 ویں سالگرہ منانا تھا۔ اس کے پس پردہ بنیادی محرکات یہ تھے کہ دنیا بھر میں اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہونے والے لاکھوں انسانوں کی حالت زار، ان کی لازوال قربانیوں، اور مشکلات کا عالمی سطح پر اعتراف کیا جاسکے۔ اس دن کا بنیادی ہدف پناہ گزینوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے شعور بیدار کرنا اور ان کی بحالی کے لیے بین الاقوامی تعاون کو فروغ دینا ہے۔

اقوام متحدہ کے ادارہ برائے مہاجرین (UNHCR) کے مطابق 2025 کے اختتام تک دنیا میں تقریباً 4 کروڑ 16 لاکھ (41.6 ملین) پناہ گزین موجود تھے، جبکہ جب اندرونِ ملک بے گھر افراد اور دیگر جبری نقل مکانی کا شکار افراد کو شامل کیا جائے تو یہ تعداد 12 کروڑ 94 لاکھ (129.4 ملین) سے تجاوز کر جاتی ہے۔ پناہ گزینوں کے آبائی ممالک میں سرفہرست ممالک میں) Syria تقریباً 49 لاکھ (، 37) Afghanistan لاکھ (، 58) Ukraine لاکھ (، Sudan) بیش از 20 لاکھ)، اور) South Sudan تقریباً 20 لاکھ) شامل ہیں۔ ان کے علاوہ Myanmar ، Democratic Republic of the Congo اور Somalia بھی بڑے پناہ گزین پیدا کرنے والے ممالک ہیں۔ ان افراد کو اپنے وطن چھوڑنے پر بنیادی طور پر جنگوں، خانہ جنگی، سیاسی عدم استحکام، نسلی و مذہبی جبر، انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں، دہشت گردی، معاشی بحرانوں اور بعض علاقوں میں موسمیاتی تبدیلیوں سے پیدا ہونے والی تباہ کاریوں نے مجبور کیا۔ عالمی سطح پر سب سے بڑی وجوہات مسلح تنازعات اور ظلم و ستم ہیں، جنہوں نے لاکھوں خاندانوں کو تحفظ، روزگار اور بہتر مستقبل کی تلاش میں ہجرت پر مجبور کر دیا ہے۔

پاکستان اس وقت بھی تقریباً 1.88 تا 2 ملین افغان مہاجرین کا میزبان ہے۔ ملک میں جاری حکومتی اور بین الاقوامی سطح کی تبدیلیوں کے باعث مہاجرین کی تعداد میں مسلسل اتار چڑھاؤ آرہا ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان اقوام متحدہ کے 1951 کے کنونشن کا فریق نہیں ہے، اور ملک میں پناہ گزینوں کا کوئی باقاعدہ قانونی فریم ورک موجود نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں پناہ گزینوں کے معاملات 1946 کے غیر ملکیوں کے ایکٹ (Foreigners Act) کے تحت چلائے جاتے ہیں۔ ان افغان مہاجرین کو مختلف اقسام کی قانونی حیثیت حاصل ہے جس میں پروف آف رجسٹریشن (PoR) کارڈ ہولڈرز، افغان سٹیزن کارڈ (ACC) شامل ہیں

پاکستان کی جانب سے غیر قانونی ارکین وطن کی وطن واپسی (IFRP) کا منصوبہ نافذ العمل ہے جس کے تحت رضاکارانہ اور جبری دونوں طرح سے لوگوں کی واپسی جاری ہے۔ یو این ایچ سی آر پاکستان میں رجسٹرڈ افغان پناہ گزینوں کی رضاکارانہ وطن واپسی اور آبادکاری کے لیے UNHCR Operational Updates فراہم کرتی ہے۔

افغان مہاجرین کی واپسی سے متعلق اعداد و شمار تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں، تاہم جون 2026 تک دستیاب اقوام متحدہ، UNHCR اور دیگر بین الاقوامی اداروں کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان سے ستمبر 2023 میں شروع ہونے والی واپسی اور بے دخلی مہم کے بعد اب تک تقریباً 17 لاکھ سے 20 لاکھ افغان باشندے افغانستان واپس جا چکے ہیں۔ بعض تازہ UNHCR اور IOM رپورٹس کے مطابق جنوری 2026 تک یہ تعداد 20 لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی، جبکہ 2026 کے ابتدائی مہینوں میں مزید لاکھوں افراد واپس گئے۔

دوسری جانب پاکستان میں اب بھی افغان باشندوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ UNHCR کے مطابق 2025 کے آغاز میں پاکستان میں تقریباً 31 لاکھ افغان باشندے (رجسٹرڈ، پناہ کے متلاشی اور دیگر قانونی حیثیت رکھنے والے) موجود تھے، جبکہ 2026 کے آغاز تک مختلف زمروں کو ملا کر ان کی تعداد تقریباً 19.5 تا 20 لاکھ رہ گئی تھی۔ ان میں رجسٹرڈ مہاجرین، افغان سٹیزن کارڈ ہولڈرز اور دیگر دستاویزی حیثیت رکھنے والے افراد شامل ہیں۔

پاکستانی حکومت کا مؤقف ہے کہ تمام غیر قانونی غیر ملکیوں کی مرحلہ وار وطن واپسی جاری رہے گی، تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ باقی تمام افغان باشندے کب تک واپس جائیں گے کیونکہ اس کا انحصار دوطرفہ حکومتی فیصلوں، سکیورٹی صورتحال، ویزا پالیسی اور بین الاقوامی اداروں کی مداخلت پر ہے۔ موجودہ پالیسی کے تحت واپسی کا عمل 2026 کے دوران بھی جاری رہنے کا امکان ہے۔

جہاں تک پاکستان کے اخراجات کا تعلق ہے، پاکستان گزشتہ چار دہائیوں سے زائد عرصے سے افغان مہاجرین کی میزبانی کر رہا ہے۔ مختلف پاکستانی حکومتی بیانات میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ پاکستان نے افغان مہاجرین کی میزبانی پر اربوں ڈالر خرچ کیے ہیں اور مجموعی لاگت 30 ارب ڈالر سے زائد بتائی جاتی ہے، تاہم اس حوالے سے کوئی ایک جامع اور بین الاقوامی طور پر تصدیق شدہ سرکاری آڈٹ دستیاب نہیں۔ دوسری طرف UNHCR ، IOM اور دیگر اقوام متحدہ کے اداروں نے تعلیم، صحت، نقد امداد، رجسٹریشن اور کمیونٹی سپورٹ پروگراموں کے ذریعے پاکستان کو سینکڑوں ملین ڈالر کی امداد فراہم کی ہے، لیکن یہ رقم پاکستان کے دعویٰ کردہ مجموعی اخراجات کے مقابلے میں کافی کم سمجھی جاتی ہے۔

مختصراً، پاکستان دنیا کے سب سے بڑے مہاجر میزبان ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ تقریباً 40 برسوں میں لاکھوں افغان مہاجرین نے پاکستان میں پناہ حاصل کی، جبکہ حالیہ واپسی مہم کے بعد بھی تقریباً 20 لاکھ افغان باشندے پاکستان میں موجود ہیں۔ افغان مہاجرین کی باعزت، محفوظ اور پائیدار واپسی اب بھی پاکستان، افغانستان اور بین الاقوامی برادری کے لیے ایک بڑا انسانی اور انتظامی چیلنج ہے۔



19 جون۔ تنازعات کے دوران جنسی تشدد کے خاتمے کا عالمی دن اور پاکستان کا کردار

ہر سال 19 جون کو تنازعات کے دوران جنسی تشدد کے خاتمے کا عالمی دن

(International Day for the Elimination of Sexual Violence in Conflict) دن منایا جاتا ہے

۔جنگوں اور تنازعات میں جنسی تشدد اور استحصال کبھی محض 'جنگ کا ضمنی نتیجہ' نہیں رہا، بلکہ یہ دشمن کو خوف زدہ کرنے، تذلیل کرنے اور معاشرتی ڈھانچے کو تباہ کرنے کے لیے ایک سوچی سمجھی جنگی حکمت عملی کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے۔ جنگوں جنگجو مخالف فریق کے مردوں کی غیرت کو مجروح کرنے اور پوری کمیونٹی میں خوف وہراس پھیلانے کے لیے ان کی خواتین کو نشانہ بناتے ہیں اور مختلف جنگوں میں اسے نسل کشی اور مخالف نسل کی نسل کو مٹانے یا زبردستی اپنی نسل بڑھانے کے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا۔ یہ کسی علاقے پر قبضے اور مقامی آبادی کو مکمل طور پر زیر نگیں لانے کی ایک وحشیانہ علامت سمجھا جاتا ہے۔ تاریخی طور پر اسے 'جنگ کے مالِ غنیمت' کے طور پر بھی دیکھا جاتا رہا ہے تاکہ فوجیوں کو جنسی تسکین اور لوٹ مار کی کھلی چھوٹ دی جاسکے تاریخی اور حالیہ تنازعات میں دنیا کے کئی ممالک کی افواج اور عسکری گروہ جنگی ہتھیار کے طور پر خواتین اور بچوں کے جنسی استحصال اور تشدد میں ملوث رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کی رپورٹس کے مطابق دوسری جنگ عظیم مین جاپانی فوج نے ہزاروں خواتین (جنہیں "کمفرٹ ویمن" کہا جاتا تھا) کو جنسی غلامی پر مجبور کیا، جن کا تعلق زیادہ تر کوریا، چین اور فلپائن سے تھا۔ اس کے بعد قیام پاکستان کے وقت سکھوں کے ہاتھوں مسلمان خواتین کی آبروریزی اور اغوا اور پھر 1971 میں پاکستان کے حامی اور بہاری خواتین کی مکتی باہنی کے غنڈوں کی طرف سے آبروریزی اور قتل عام اور الزامات پاکستان پر ڈالنا۔ اسی طرح اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق طالبان رجیم خواتین اور بچوں کے جنسی استحصال میں ملوث رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ماضی میں افغان سیکیورٹی فورسز میں "بچہ بازی" کے واقعات بھی بین الاقوامی سطح پر رپورٹ ہوتے رہے ہیں۔ امریکی حکومت نے بھی اس پر تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ کانگو میں خانہ جنگی کے دوران مختلف مسلح گروہوں اور سرکاری فوج نے خواتین کو اجتماعی زیادتی اور جنسی تشدد کا نشانہ بنایا، جسے جنگی حکمت عملی کے طور پر استعمال کیا گیا۔ روانڈا مین:1995 کی نسل کشی کے دوران، ملیشیا اور حکومتی فوجیوں کی جانب سے بڑے پیمانے پر خواتین اور بچوں کا جنسی استحصال کیا گیا۔:1990 کی دہائی کی جنگ کے دوران سرب افواج اور پیرا ملٹری گروہوں نے ہزاروں بوسنیا کی خواتین اور بچوں کو کیمپوں میں قید کر کے جنسی تشدد کا نشانہ بنایا۔ روہنگیا مسلمانوں کے خلاف کریک ڈاؤن کے دوران میانمار کی فوج پر خواتین اور لڑکیوں کے منظم جنسی استحصال اور ریپ کے الزامات ہیں۔ جنگ کے دوران ان جرائم کو عالمی قوانین (جیسے جنیوا کنونشن اور روم سٹیٹوٹ) کے تحت جنگی جرائم اور انسانیت کے خلاف جرائم مانا جاتا ہے۔

۔اس قسم کے واقعات کے پیش نظر اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 2015 میں اس دن کو منانے کی قرارداد منظور کی تھی تاکہ جنگوں اور مسلح تنازعات کے دوران جنسی تشدد کو بطور ہتھیار استعمال کرنے کے خلاف عالمی سطح پر بیداری پیدا کی جاسکے

19 جون کی تاریخ کا انتخاب اس لیے کیا گیا کیونکہ اسی دن (19 جون 2008) کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے قرارداد نمبر 1820 منظور کی تھی، جس میں پہلی بار یہ تسلیم کیا گیا تھا کہ جنگوں میں جنسی تشدد کا استعمال نہ صرف ایک جرم ہے بلکہ یہ عالمی امن اور سلامتی کے لیے بھی ایک بڑا خطرہ ہے۔ اس دن کو منانے کا مقصد متاثرین (survivors) کو خراجِ تحسین پیش کرنا، ان کی ہمت کو سراہنا اور دنیا بھر میں اس ظلم کے خاتمے کے لیے سیاسی اور سماجی عزم کو مضبوط کرنا ہے۔

موجودہ صورت حال کے مطابق بین الاقوامی سطح پر حالات بدلے ضرور ہیں لیکن اس لعنت کا خاتمہ نہیں ہو سکا۔ بین الاقوامی قانون اور Rome Statute of the International Criminal Court کے تحت جنگی حالات میں جنسی تشدد اور عصمت دری کو باقاعدہ 'جنگی جرم' اور 'انسانیت کے خلاف جرم' تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر اس کے باوجود، عملی صورت حال انتہائی تشویش ناک ہے۔ اقوام متحدہ کی رپورٹس کے مطابق، دنیا بھر کے مسلح تنازعات (جیسے کانگو، یوکرین، اور مشرق وسطیٰ میں) میں جنسی تشدد کے واقعات میں اضافہ دیکھا گیا ہے۔ جدید دور میں اسے دہشت گردی اور سیاسی انتقام کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ مہاجرین کے کیمپوں (Displaced Person Camps) میں خوراک اور تحفظ کی کمی کے باعث عورتوں اور بچوں کا جنسی استحصال اور اسمگلنگ (Human Trafficking) بڑھ گئی ہے۔ اب اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ جنگوں میں مرد، لڑکے اور اقلیتیں بھی جنسی استحصال کا نشانہ بنتے ہیں۔ اس وقت اقوام متحدہ کے کئی ادارے، جیسے UN Action Against Sexual Violence in Conflict، ان جرائم کی روک تھام، مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے، اور متاثرین کی بحالی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ان کوششوں کے باوجود متاثرین کو ملنے والی سماجی بدنامی اور خاموشی کے کلچر کی وجہ سے آج بھی اس کے زیادہ تر کیسز رپورٹ نہیں ہو پاتے۔۔

پاکستان کے تناظر میں اس دن کی اہمیت کو دو اہم زاویوں سے دیکھا جا سکتا ہے: اندرونی حالات اور خارجہ پالیسی۔ پاکستان عالمی فورمز پر اس دن کو خاص طور پر مقبوضہ جموں و کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو اجاگر کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ پاکستان مسلسل یہ مؤقف اپناتا آیا ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں قابض افواج کی جانب سے جنسی تشدد کو کشمیریوں کی جدوجہدِ آزادی کو دبانے اور انہیں خوفزدہ کرنے کے لیے ایک منظم ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اس دن کے موقع پر پاکستانی سفارت کار اور انسانی حقوق کے علمبردار عالمی برادری کی توجہ کشمیر کے متاثرین کی طرف مبذول کرواتے ہیں۔

اقوام متحدہ کے امن مشنز (UN Peacekeeping) مین پاکستان سب سے زیادہ فوج بھیجنے والے ممالک میں شامل ہے۔ پاکستانی امن دستے (بشمول خواتین افسران) دنیا کے مختلف جنگ زدہ علاقوں (جیسے افریقہ کے مختلف ممالک) میں تعینات رہے ہیں، جہاں وہ مقامی آبادی، بالخصوص خواتین اور بچوں کو مسلح گروہوں کے جنسی تشدد سے تحفظ فراہم کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ اگرچہ پاکستان براہِ راست کسی بڑے بین الاقوامی مسلح تصادم کا شکار نہیں ہے، لیکن دہشت گردی کے خلاف جنگ اور ماضی میں سکیورٹی آپریشنز کے دوران بے گھر ہونے والے افراد (IDPs) کے تحفظ کے لیے پاکستان نے اقدامات کیے ہیں۔ اس دن کی مناسبت سے پاکستان میں بھی خواتین کے حقوق اور تحفظ سے متعلق قوانین (جیسے اینٹی ریپ قوانین) پر بات چیت بڑھتی ہے۔ سماجی بیداری: یہ دن پاکستان کے اندر قانون نافذ کرنے والے اداروں، عدلیہ اور سماجی تنظیموں کو یہ یاد دلاتا ہے کہ کسی بھی ناگہانی صورتحال یا اندرونی تنازع میں کمزور طبقات کا تحفظ کیسے یقینی بنایا جائے۔

المختصر نزاعات میں جنسی تشدد کے خاتمے کا عالمی دن محض ایک رسمی دن نہیں ہے، بلکہ یہ دنیا بھر میں جنگ کا شکار بننے والے معصوم انسانوں کے حقوق کی آواز ہے۔ پاکستان کے لیے یہ دن ایک طرف بین الاقوامی سطح پر مظلوموں (جیسے کشمیری عوام) کی وکالت کا ذریعہ ہے، تو دوسری طرف داخلی سطح پر خواتین اور بچوں کے تحفظ کے عزم کو دہرانے کا موقع فراہم کرتا ہے۔



نفرت کے شور سے مکالمے کی روشنی تک — پاکستان کے تناظر میں نفرت انگیز گفتگو کے تدارک کا عالمی دن

ہر سال 18 جون کو دنیا بھر میں "نفرت انگیز گفتگو کے تدارک کا عالمی دن (International Day for Countering Hate Speech) منایا جاتا ہے۔ یہ دن اس حقیقت کی یاد دہانی کراتا ہے کہ الفاظ محض اظہارِ خیال کا ذریعہ نہیں بلکہ معاشروں کی تعمیر یا تخریب میں فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں. اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے جولائی 2021 میں ایک قرارداد کے ذریعے اس دن کے قیام کی منظوری دی، جس کے بعد 18 جون 2022 کو پہلی بار عالمی سطح پر اس کا باضابطہ انعقاد کیا گیا۔

اس اقدام کا مقصد دنیا بھر میں بڑھتے ہوئے تعصب، نسلی و مذہبی منافرت، انتہا پسندی اور عدم برداشت کے رجحانات کا مؤثر مقابلہ کرنا تھا، جو بالخصوص سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز کے ذریعے تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ گزشتہ چند برسوں میں دنیا نے دیکھا کہ نفرت انگیز بیانات اور جھوٹی معلومات کس طرح معاشرتی تقسیم، تشدد اور انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کا سبب بن سکتے ہیں۔ خصوصاً کورونا وبا کے دوران مختلف نسلی، مذہبی اور سماجی گروہوں کو نفرت اور امتیازی رویوں کا نشانہ بنایا گیا، جس نے عالمی برادری کو اس خطرے کی سنگینی کا احساس دلایا۔

اسی پس منظر میں یہ دن رواداری، احترامِ انسانیت، ثقافتی ہم آہنگی اور بین المذاہب و بین الثقافتی مکالمے کے فروغ کی عالمی مہم کی علامت بن گیا۔ اس کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ اختلافِ رائے کو دشمنی میں تبدیل ہونے سے روکنا اور انسانی وقار کا تحفظ یقینی بنانا ہر معاشرے کی مشترکہ ذمہ داری ہے

۔اس دن کے اہم مقاصد میں عوام کو یہ شعور دینا شامل ہے کہ نفرت انگیز گفتگو محض الفاظ تک محدود نہیں رہتی بلکہ عملی تشدد، امتیازی سلوک اور سماجی انتشار کا باعث بن سکتی ہے۔ اقوام متحدہ اور دیگر عالمی ادارے حکومتوں، تعلیمی اداروں اور سوشل میڈیا کمپنیوں پر زور دیتے ہیں کہ وہ نفرت انگیز مواد کی روک تھام کے لیے مؤثر پالیسیاں اپنائیں، ڈیجیٹل خواندگی کو فروغ دیں اور نوجوان نسل کو ذمہ دارانہ آن لائن طرزِ عمل کی تعلیم دیں اسی عالمی دباؤ کے نتیجے میں بڑی ٹیکنالوجی کمپنیوں نے اپنے نظاموں اور الگورتھمز کو بہتر بنایا ہے تاکہ نفرت پر مبنی مواد کی نشاندہی اور اس کی رسائی کو محدود کیا جاسکے۔

۔پاکستان کے تناظر میں یہ دن خصوصی اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ ہمارا معاشرہ مختلف ثقافتوں، زبانوں، مسالک اور مذہبی برادریوں پر مشتمل ہے۔ قومی یکجہتی، مذہبی ہم آہنگی اور سماجی استحکام کے لیے ضروری ہے کہ اختلافات کو مکالمے اور برداشت کے ذریعے حل کیا جائے۔ پاکستان میں سائبر کرائم سے متعلق قوانین، بالخصوص PECA ، آن لائن نفرت انگیز مواد اور ہراسانی کے خلاف قانونی فریم ورک فراہم کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ "پیغامِ پاکستان" جیسے قومی بیانیے انتہا پسندی، تکفیر اور نفرت پر مبنی نظریات کی نفی کرتے ہوئے اعتدال، امن اور باہمی احترام کو فروغ دیتے ہیں۔ مختلف جامعات، سماجی تنظیمیں اور سرکاری ادارے اس دن کے موقع پر سیمینارز، آگاہی مہمات اور ورکشاپس کا انعقاد کرتے ہیں تاکہ شہریوں کو ذمہ دارانہ ڈیجیٹل رویوں اور آن لائن رپورٹنگ کے طریقہ کار سے آگاہ کیا جاسکے۔ تاہم پاکستان سمیت دنیا بھر میں ابھی کئی چیلنجز باقی ہیں۔ سوشل میڈیا پر فیک نیوز، سیاسی و مذہبی پولرائزیشن، ٹرولنگ اور کردار کشی کی مہمات اکثر معاشرتی ہم آہنگی کے لیے خطرہ بن جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بحث بھی جاری رہتی ہے کہ نفرت انگیز گفتگو کی روک تھام اور اظہارِ رائے کی آزادی کے درمیان توازن کیسے قائم رکھا جائے

۔18 جون کا عالمی دن ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ نفرت کا مقابلہ صرف قوانین اور پابندیوں سے نہیں بلکہ تعلیم، شعور، اخلاقی تربیت، برداشت اور مثبت مکالمے سے کیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم اپنے الفاظ میں احترام، ذمہ داری اور انسان دوستی کو جگہ دیں تو ایک پرامن، باوقار اور متحد پاکستان کے خواب کو حقیقت کا روپ دیا جاسکتا ہے



صحرائی پن اور قحط سالی کے خلاف جدوجہد: پاکستان کے لیے ایک اہم قومی چیلنج

ہر سال 17 جون کو دنیا بھر میں صحرائی پن اور قحط سالی کے خاتمے کا عالمی دن (World Day to Combat Desertification and Drought) منایا جاتا ہے۔ اس دن کا مقصد زمین کی زرخیزی کے تحفظ، بنجر ہوتی زمینوں کی بحالی، پانی کے دانشمندانہ استعمال اور موسمیاتی تبدیلیوں کے بڑھتے ہوئے اثرات کے بارے میں عالمی سطح پر شعور اجاگر کرنا ہے۔ یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ زمین صرف ایک قدرتی وسیلہ نہیں بلکہ انسانی بقا، غذائی تحفظ اور معاشی ترقی کی بنیاد ہے، جس کا تحفظ ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے

۔اس عالمی دن کی بنیاد اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے دسمبر 1994ء میں رکھی، جب 17 جون کو باضابطہ طور پر اس دن کے طور پر منانے کا اعلان کیا گیا۔ پہلی مرتبہ یہ دن 17 جون 1995ء کو منایا گیا۔ اس تاریخ کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ 17 جون 1994ء کو فرانس کے دارالحکومت پیرس میں اقوام متحدہ کے کنونشن برائے انسدادِ صحرائی پن (UNCCD) کا تاریخی معاہدہ تیار کیا گیا تھا۔

اس معاہدے کا مقصد دنیا بھر میں زمین کے بنجر ہونے کے عمل کو روکنا اور متاثرہ علاقوں کی بحالی کے لیے مشترکہ حکمتِ عملی اختیار کرنا تھا۔ اس اقدام کے پیچھے 1970ء اور 1980ء کی دہائیوں میں افریقہ کے ساحلی خطے (ساحل ریجن) میں آنے والی شدید قحط سالی اور ماحولیاتی تباہی ایک اہم محرک تھی، جس نے لاکھوں افراد کی زندگیوں کو متاثر کیا اور عالمی برادری کو فوری اقدامات پر مجبور کر دیا

۔پاکستان کے تناظر میں یہ دن غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ ملک موسمیاتی تبدیلیوں، پانی کی قلت اور زمین کے مسلسل انحطاط جیسے سنگین چیلنجز کا سامنا کر رہا ہے۔ پاکستان کا تقریباً دو تہائی رقبہ خشک یا نیم خشک علاقوں پر مشتمل ہے، جہاں صحرائی پن کے پھیلاؤ کا خطرہ موجود ہے۔ چولستان، تھر، تھل اور خاران جیسے صحرا نہ صرف ملک کے جغرافیائی منظرنامے کا حصہ ہیں بلکہ موسمیاتی تبدیلیوں کے باعث ان کے گرد و نواح کی زرعی زمینیں بھی متاثر ہو رہی ہیں۔ بارشوں کے غیر متوازن نظام، درجہ حرارت میں اضافے اور مٹی کے کٹاؤ نے اس مسئلے کو مزید پیچیدہ بنا دیا ہے۔ پانی کی کمی پاکستان کے لیے ایک اور بڑا خطرہ ہے۔ گلیشیئرز کے تیزی سے پگھلنے، زیرِ زمین پانی کے بے دریغ استعمال، آبادی میں اضافے اور بارشوں کے بدلتے ہوئے پیٹرن نے قحط سالی کے

امکانات بڑھا دیے ہیں۔ ماہرین کے مطابق اگر پانی کے ذخائر میں اضافہ، جدید آبپاشی نظام اور مؤثر آبی انتظام نہ کیا گیا تو مستقبل میں زرعی پیداوار اور غذائی تحفظ کو شدید خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح جنگلات کی کمی بھی زمین کے بنجر ہونے کی ایک اہم وجہ ہے۔

پاکستان میں جنگلات کا تناسب عالمی معیار کے مقابلے میں بہت کم ہے، جس کے باعث مٹی کے کٹاؤ اور ماحولیاتی عدم توازن کے مسائل شدت اختیار کر رہے ہیں۔ خوش آئند امر یہ ہے کہ پاکستان نے صحرائی پن اور قحط سالی کے خطرات سے نمٹنے کے لیے متعدد اقدامات کیے ہیں۔ شجرکاری مہمات، خصوصاً بلین ٹری سونامی اور گرین پاکستان جیسے منصوبے، جدید زرعی ٹیکنالوجی کا فروغ، پانی کے ذخائر کی تعمیر، ڈرپ اور اسپرنکلر آبپاشی جیسے جدید طریقوں کا استعمال اور موسمیاتی موافقت (Climate Adaptation) کی پالیسیوں پر عمل درآمد اسی سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں

۔ تاہم ان اقدامات کی کامیابی کے لیے حکومتی کوششوں کے ساتھ ساتھ عوامی شمولیت، ماحول دوست طرزِ زندگی اور قدرتی وسائل کے ذمہ دارانہ استعمال کو فروغ دینا بھی ناگزیر ہے۔ صحرائی پن اور قحط سالی کا عالمی دن دراصل ایک یاددہانی ہے کہ زمین کی بحالی صرف ماحولیاتی ضرورت نہیں بلکہ انسانی ترقی، غذائی تحفظ اور آنے والی نسلوں کے روشن مستقبل کی ضمانت بھی ہے۔ اگر ہم آج اپنی زمین، پانی اور جنگلات کے تحفظ کے لیے مؤثر اقدامات کریں تو پاکستان نہ صرف ماحولیاتی چیلنجز کا بہتر مقابلہ کر سکے گا بلکہ پائیدار ترقی کے اہداف کے حصول میں بھی نمایاں کامیابی حاصل کر سکتا ہے



۔مگر مچھوں کا عالمی دن اور پاکستان: آبی حیات کے خاموش محافظوں کا تحفظ

ہر سال 17 جون کو دنیا بھر میں ورلڈ کروکوڈائل ڈے (World Crocodile Day) منایا جاتا ہے۔ اس دن کا مقصد مگر مچھوں اور گھڑیالوں سمیت کروکوڈائل خاندان سے تعلق رکھنے والے جانوروں کے تحفظ، ان کی گرتی ہوئی آبادی اور آبی ماحولیاتی نظام میں ان کے اہم کردار کے بارے میں عوامی شعور بیدار کرنا ہے۔ اگرچہ عام طور پر مگر مچھ کو ایک خطرناک شکاری کے طور پر دیکھا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ قدرتی ماحول کے توازن کو برقرار رکھنے والے اہم ترین جانداروں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ بیمار اور کمزور آبی حیات کو ختم کرکے دریاؤں، جھیلوں اور دلدلی علاقوں کے حیاتیاتی نظام کو صحت مند رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں

۔ورلڈ کروکوڈائل ڈے کا آغاز 2017ء میں کروکوڈائل ریسرچ کولیشن (CRC) اور بیلجیم کے ایک چڑیاگھر کے اشتراک سے کیا گیا۔ اس اقدام کے پیچھے بنیادی محرک یہ تھا کہ دنیا بھر میں کئی اقسام کے مگر مچھ، خصوصاً گھڑیال اور دیگر نایاب انواع، غیر قانونی شکار، کھال کی تجارت، آبی آلودگی اور قدرتی مساکن کی تباہی کے باعث معدومی کے خطرے سے دوچار ہو رہی تھیں

۔ماہرینِ جنگلی حیات نے محسوس کیا کہ دیگر معروف جانوروں کے برعکس مگر مچھ عوامی ہمدردی اور توجہ سے محروم ہیں، لہٰذا ان کے تحفظ کے لیے ایک عالمی دن کا قیام ناگزیر تھا۔ دنیا کے مختلف ممالک، خصوصاً آسٹریلیا، امریکہ، بھارت، افریقی ممالک اور لاطینی امریکہ میں اس دن کے موقع پر آگاہی مہمات، تعلیمی سیمینارز، جنگلی حیات کی نمائشوں اور تحقیقی سرگرمیوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ چڑیا گھروں اور وائلڈ لائف پارکس میں بچوں اور نوجوانوں کو مگر مچھوں کے بارے میں درست معلومات فراہم کی جاتی ہیں تاکہ ان کے بارے میں پائے جانے والے غیر ضروری خوف اور غلط تصورات کا خاتمہ ہو سکے۔ سوشل میڈیا پر بھی

#WorldCrocodileDay کے ذریعے تحفظِ حیات کے پیغامات عام کیے جاتے ہیں

دنیا بھر میں مگر مچھوں کی کل تعداد لاکھوں میں ہے۔ صرف نمکین پانی والے مگر مچھوں کی تعداد ہی 200,000 سے زائد ہے۔ ان کی سب سے بڑی تعداد آسٹریلیا میں پائی جاتی ہے (تقریباً 100,000 سے 200,000 تک(

۔پاکستان میں مگر مچھوں کی موجودگی نہ صرف حیاتیاتی بلکہ ثقافتی اعتبار سے بھی اہمیت رکھتی ہے۔ ملک میں بنیادی طور پر مارش کروکوڈائل (Mugger Crocodile) پایا جاتا ہے جو سندھ اور بلوچستان کے مختلف دریائی، جھیلوں اور ساحلی علاقوں میں آباد ہے۔ دوسری جانب گھڑیال، جو کبھی دریائے سندھ کے نظام میں پایا جاتا تھا، اب پاکستان میں تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔ ماہرین کے مطابق ملک میں مگر مچھوں کی تعداد تقریباً 700 سے 1,500 کے درمیان ہے، جن کی بڑی آبادیاں بلوچستان کے ہنگول، حب، کیچ اور دشت

کے دریائی نظاموں، جبکہ سندھ کے ناراڈیزرٹ وائلڈ لائف سینکچری، ہالیجی جھیل اور کھیر تھر نیشنل پارک میں پائی جاتی ہیں۔ پاکستان میں مگر مچھوں کا سب سے منفرد اور تاریخی مرکز کراچی کے قریب منگھو پیر کا مقام ہے، جہاں صدیوں سے مگر مچھوں کی موجودگی مقامی ثقافت اور روایات کا حصہ رہی ہے۔ یہاں منعقد ہونے والا شیدی میلہ انسان اور جنگلی حیات کے باہمی تعلق کی ایک منفرد مثال سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح بلوچستان کی ہنگول ندی میں موجود مگر مچھوں کی آبادی سائنسی تحقیق اور حیاتیاتی تنوع کے حوالے سے خاص اہمیت رکھتی ہے

تاہم پاکستان میں ان قیمتی آبی جانداروں کو متعدد خطرات درپیش ہیں۔ دریاؤں میں پانی کی کمی، صنعتی وزرعی آلودگی، غیر قانونی شکار، اور انسانی آبادیوں کے پھیلاؤ کے باعث ان کے قدرتی مساکن تیزی سے سکڑ رہے ہیں۔ موسمیاتی تبدیلی بھی ان کی بقا کے لیے ایک بڑھتا ہوا چیلنج بن چکی ہے۔ اگرچہ سندھ وائلڈ لائف ڈیپارٹمنٹ اور دیگر اداروں نے بعض افزائشی اور حفاظتی منصوبے شروع کیے ہیں، تاہم مؤثر نتائج کے لیے عوامی شعور، تحقیقی سرگرمیوں، سرکاری سرپرستی اور مقامی کمیونٹیز کی شمولیت کو مزید فروغ دینا ضروری ہے۔

ورلڈ کروکوڈائل ڈے ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ مگر مچھ محض ایک خوفناک شکاری نہیں بلکہ آبی ماحول کے خاموش محافظ ہیں۔ پاکستان جیسے ملک میں، جہاں آبی وسائل اور حیاتیاتی تنوع پہلے ہی متعدد خطرات سے دوچار ہیں، ان جانوروں کا تحفظ درحقیقت ہمارے دریاؤں، جھیلوں اور قدرتی ورثے کے تحفظ کے مترادف ہے۔ اس دن کا پیغام یہی ہے کہ قدرت کے ہر جاندار کی بقا، بالآخر انسان کی اپنی بقا سے جڑی ہوئی ہے



پنجاب لینڈ ریونیو ایکٹ 1967 میں تاریخی ترامیم 2026 🚀 کاغذ سے کلاؤڈ تک:

پنجاب کے زمینی نظام میں ایک نئے دور کا آغاز 21 مئی 2026 کو پنجاب اسمبلی نے "The Punjab Land Revenue Amendment Act 2026" منظور کر کے 58 سال پرانے فرسودہ نظام کی جڑیں ہلا دیں۔ یہ ترامیم محض الفاظ کا ہیر پھیر نہیں، بلکہ پنجاب کی 6 کروڑ عوام کو روایتی "پٹواری کلچر" کے عذاب سے نجات دلا کر ایک جدید اور شفاف "ARC (Arazi Record Center) کلچر" کی طرف لے جانے کا انقلابی قدم ہیں۔

ماضی میں زمینی نظام کی 3 بڑی بیماریاں تھیں اور جدید ترامیم کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے اس دلدل کو دیکھنا ضروری ہے جس میں عوام دہائیوں سے پھنسے ہوئے تھے:

ناقابلِ برداشت تاخیر: وراثتی تقسیم میں 20 سے 25 سال لگ جاتے تھے۔ "دادا کیس دائر کرتا تھا اور پوتا عدالتوں کے چکر کاٹتا تھا"۔

رشوت اور بدعنوانی: زمین کا انتقال پٹواری کی جیب سے مشروط تھا، جہاں عام آدمی کا کام 20 سے 50 ہزار روپے کی رشوت کے بغیر ممکن ہی نہیں تھا۔

طویل قانونی گورکھ دھندہ (فورم شاپنگ): اسسٹنٹ کمشنر (AC) کا فیصلہ → کلکٹر اپیل → کمشنر ریویژن → بورڈ ریویژن اور پھر سول کورٹ۔ ایک ہی کیس چار مختلف فورمز پر سالہا سال لٹکا رہتا تھا۔ ✨

2026 کا حل: 7 انقلابی اور تاریخی تبدیلیاں اب وقت بدل چکا ہے۔ حکومتِ پنجاب نے ان تمام بیماریوں کا جڑ سے خاتمہ کرنے کے لیے درج ذیل 7 بڑے اقدامات کیے ہیں

1️⃣ رجسٹری اب خودکار انتقال ہے اب جیسے ہی رجسٹرار کے پاس ڈیجیٹل رجسٹری ہو گی، اراضی ریکارڈ خود بخود اپ ڈیٹ ہو جائے گا۔ اسسٹنٹ کمشنر (AC) صرف 1 ماہ کے اندر اس کی "تصدیق" کا پابند ہو گا۔ PLRA، ای-اسٹامپ اور لینڈ ریکارڈ کو یکجا کر کے پٹواری کے چکروں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا گیا ہے

۔ 2️⃣ وراثتی تقسیم اب لازمی اور صرف 60 دن میں (دفعہ 142(A- نئی شامل کردہ دفعہ 142 A- کے تحت، وراثتی انتقال منظور ہوتے ہی AC کے پاس زمین تقسیم کرنے کے لیے صرف 60 دن کی ڈیڈ لائن ہو گی۔ اگر AC مقررہ وقت میں فیصلہ نہ کر سکا تو کیس خود بخود کلکٹر کو منتقل ہو جائے گا اور غفلت برتنے والے AC کے خلاف سخت محکمانہ کارروائی ہو گی۔ تاریخ پر تاریخ کا کھیل اب ختم

3️⃣ اسسٹنٹ کمشنر (AC) کو بااختیار بنانا (دفعہ 44، 117، 141) تحصیلدار اور AC کو اب وسیع تر قانونی اختیارات دے دیے گئے ہیں: وہ زمین کے مالکانہ حقوق (Title) کا تنازع خود سنیں گے۔ ناجائز قابضین کو بے دخل کر کے 10,000 روپے جرمانہ عائد کریں گے اور قبضہ اصل مالک کو واپس دلائیں گے۔ حد بندی کے لیے پولیس فورس کو موقع پر ساتھ لے جانے کے مجاز ہوں گے۔

4️⃣ سول کورٹ کی مداخلت کا خاتمہ (دفعہ 172) دفعہ 172 کے تحت اب واضح کر دیا گیا ہے کہ زمین کا ریکارڈ، انتقال، تقسیم اور حد بندی خالصتاً "ریونیو کے دائرہ اختیار" میں آتے ہیں۔ سول کورٹ اب ان معاملات میں دخل نہیں دے سکتی، جس سے 30 سالہ طویل "فورم شاپنگ" کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے۔

5️⃣ جرمانوں میں 200 گنا تک بھاری اضافہ قانون کی گرفت کو مضبوط بنانے کے لیے سزاؤں اور جرمانوں کو جدید دور کے مطابق سخت کر دیا گیا ہے: دفعہ 118 (حد بندی میں رکاوٹ): جرمانہ 50 روپے سے بڑھا کر 10,000 روپے کر دیا گیا۔ دفعہ 175 (A- ریکارڈ میں جعل سازی): جرمانہ 500 روپے سے بڑھا کر 1 لاکھ روپے کر دیا گیا۔ دفعہ 134 (ریکارڈ میں دانستہ ردوبدل): کلکٹر کو 10 لاکھ روپے تک بھاری جرمانہ عائد کرنے کا اختیار

۔ 6️⃣ "آپس کی رضامندی" اسکیم (دفعہ 135(A- اگر تمام وارثین زمین کی تقسیم پر راضی ہوں، تو وہ 1 سال کے اندر اپنی "پرائیویٹ پارٹیشن اسکیم" تیار کر کے AC سے تصدیق کروا سکتے ہیں۔ AC صرف قانونی تقاضے چیک کرے گا۔ لیکن اگر وارثین خود تقسیم نہیں کریں گے، تو قانون کے تحت AC 60 دن میں زبردستی قانونی تقسیم کر دے گا۔

7️⃣ ڈیجیٹل نوٹسنگ اور ڈرون سروے (دفعہ 6 اور 119) دفعہ 6: عدالت کے روایتی سمن اب واٹس ایپ، ایس ایم ایس (SMS) اور ای میل کے ذریعے بھیجے جائیں گے، جس کا جواب دینے کے لیے صرف 7 دن کا وقت ہو گا۔ دفعہ 119: اب مواضع (دیہات) کی پیمائش GPS اور ڈرون ٹیکنالوجی کے ذریعے جدید ڈیجیٹل سروے سے ہو گی۔ اس کے اخراجات مالکانِ زمین ادا کریں گے، عدم ادائیگی کی صورت میں یہ رقم بقایاجاتِ لگان کی طرح وصول کی جائے گی

۔ 👤 عام آدمی کے لیے اب کیا آسانیاں ہیں؟ یہ ترامیم براہِ راست ایک عام شہری کی زندگی میں درج ذیل 4 بڑے فائدے لائیں گی آپ کا مسئلہ 2026 کی ترمیم کے بعد کا حل

1۔ زمین کی فروخت صرف رجسٹری کروائیں اور گھر جائیں، انتقالِ زمین کمپیوٹرائزڈ سسٹم خود کر دے گا

۔2۔ وراثت کی منتقلی والد کی وفات کے بعد صرف 60 دنوں کے اندر زمین آپ کے نام منتقل اور آپ کا حصہ الگ ہو گا

۔3۔ قبضہ مافیا سے نجات۔ اگر کوئی آپ کی زمین پر قابض ہے، تو AC کو درخواست دیں۔ وہ فوراً پیمائش کروا کر پولیس کے ذریعے آپ کو قبضہ واپس دلائے گا

۔4 فراڈ سے تحفظ متنازع زمین پر AC فوری طور پر "فروخت ممنوع" کا آرڈر (Stay) لگا دے گا تاکہ کوئی معصوم شہری فراڈ کا شکار نہ ہو۔

🎯 نتیجہ ولبِ لباب ان تمام ترامیم کا واحد اور واضح مقصد یہ ہے: "زمین کا انصاف پٹواری اور سول کورٹ کے چکروں کے بغیر، محض 120 دنوں کے اندر یقینی بنانا۔

"یہ ایکٹ 21 مئی 2026 سے پورے پنجاب میں نافذ العمل ہو چکا ہے۔ اب اگر آپ کی زمین کا کوئی بھی مسئلہ ہے، تو کسی طویل عدالتی چکر یا وکیل کے پاس جانے کے بجائے، اپنے تحصیلدار کے دفتر کا رخ کریں اور دفعہ 142 A- کے تحت اپنے حق کے لیے درخواست دیں۔ قانون کی طاقت اب آپ کی پشت پر ہے۔ یاد رکھیے! اب زمین کاغذ پر نہیں، کلاؤڈ پر ہے... اور انصاف فائل پر نہیں، ڈیڈ لائن پر ہے



گلوبل ونڈ ڈے (Global Wind Day) یا ہوا کی توانائی کا عالمی دن اور پاکستان میں

پیشرفت

گلوبل ونڈ ڈے ہر سال 15 جون کو دنیا بھر میں منایا جاتا ہے۔ اس دن کا مقصد ماحول دوست، سستی اور متبادل توانائی کے طور پر "ہوا کی طاقت (Wind Energy) " کی اہمیت کو اجاگر کرنا اور دنیا کو کاربن کے اخراج سے پاک کرنا ہے۔

ہوا سے بجلی پیدا کرنے کا تصور صدیوں کے ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے، تاہم اس شعبے میں پہلا عملی اور کامیاب تجربہ 1887ء میں اسکاٹ لینڈ کے انجینئر جیمز بلیتھ نے کیا، جب انہوں نے اپنے گھر کو بجلی فراہم کرنے کے لیے ونڈ ٹربائن نصب کی۔ اسی دور میں امریکی موجد چارلس ایف برش نے بھی ہوا سے بجلی پیدا کرنے کا ایک بڑا نظام تیار کیا۔ بعد ازاں 1970 اور 1980 کی دہائیوں میں ڈنمارک اور امریکہ میں جدید تجارتی ونڈ پاور صنعت نے ترقی کی، جس میں 1981ء کا الٹامونٹ پاس ونڈ فارم دنیا کے اولین بڑے تجارتی ونڈ فارمز میں شمار ہوتا ہے۔ آج چین، امریکہ اور جرمنی ونڈ پاور کے بڑے عالمی مراکز ہیں، جبکہ اس جدید صنعت کی بنیاد ایک اسکاٹش سائنس دان کے گھر کو روشن کرنے والے چھوٹے مگر انقلابی تجربے سے پڑی۔

تاہم اس دن کی شروعات 2007ء میں یورپ سے ہوئی، جب اسے پہلی بار "ونڈ ڈے (Wind Day) " کے نام سے یورپی ونڈ انرجی ایسوسی ایشن (EWEA) نے منایا۔ 2009ء میں جب عالمی ونڈ انرجی کونسل (GWEC) اس مہم میں شامل ہوئی، تو اسے بین الاقوامی درجہ ملا اور اس کا نام بدل کر "گلوبل ونڈ ڈے" رکھ دیا گیا۔ اب یہ دن دنیا کے 80 سے زائد ممالک میں منایا جاتا ہے

۔اس دن کو منانے کا بنیادی مقصد دنیا کو یہ باور کرانا ہے کہ کوئلے، تیل اور گیس جیسے روایتی ایندھن (Fossil Fuels) نہ صرف ختم ہو رہے ہیں بلکہ گلوبل وارمنگ کا باعث بھی ہیں۔ ہوا ایک ایسا قدرتی اور لازوال ذریعہ ہے جس سے سستی اور صاف ستھری بجلی بنائی جا سکتی ہے۔ اگرچہ ہوا کی توانائی ایک بہترین متبادل ہے، لیکن اس تحریک اور ٹیکنالوجی پر کچھ حلقوں کی طرف سے تنقید اور تحفظات بھی سامنے آتے ہیں

نقاد کہتے ہیں کہ ہوا ہر وقت ایک جیسی رفتار سے نہیں چلتی۔ جب ہوا رک جاتی ہے تو بجلی کی پیداوار بھی رک جاتی ہے، اس لیے اس پر سو فیصد انحصار نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرے

ونڈ ٹربائنز کے بڑے بڑے پنکھے اڑتے ہوئے پرندوں اور چمگادڑوں کے ٹکرانے اور مرنے کا سبب بنتے ہیں اور آبادی کے قریب لگی ٹربائنز سے پیدا ہونے والا شور (Humming Sound) مقامی لوگوں کے لیے پریشانی کا باعث بنتا ہے، اور بعض لوگ اسے مناظرِ فطرت کی خوبصورتی میں خلل سمجھتے ہیں۔ ونڈ فارمز لگانے اور پھر اس بجلی کو گرڈ اسٹیشن تک پہنچانے کے لیے بہت بڑی رقم اور جدید انفراسٹرکچر درکار ہوتا ہے۔ ان اعتراضات کے باوجود اس پر عمل نہیں رکا۔

عالمی دن اور اس سے جڑی مہمات کے نتیجے میں دنیا بھر میں مثبت تبدیلیاں آئی ہیں: ہوا کی توانائی اب دنیا میں بجلی پیدا کرنے کے سستے ترین ذرائع میں سے ایک بن چکی ہے۔ چین، امریکہ، جرمنی اور بھارت اس وقت ونڈ انرجی پیدا کرنے والے بڑے ممالک ہیں۔ ونڈ ٹربائنز کی تیاری، تنصیب اور دیکھ بھال کے شعبے میں دنیا بھر میں لاکھوں نئی ملازمتیں پیدا ہو رہی ہیں۔: ونڈ پاور کے استعمال سے سالانہ کروڑوں ٹن کاربن ڈائی آکسائیڈ کو فضا میں شامل ہونے سے روکا جا رہا ہے، جس سے پیرس کلائمیٹ معاہدے کے اہداف کو پانے میں مدد مل رہی ہے

پاکستان میں اس وقت ونڈ پاور (ونڈ انرجی) سے مجموعی طور پر تقریباً 1,845 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت (Installed Capacity) موجود ہے، جو قومی گرڈ میں شامل کی جا رہی ہے۔ پاکستان کا زیادہ تر ونڈ پاور کا نیٹ ورک صوبہ سندھ کے اضلاع ٹھٹہ (جھمپیر) اور جامشورو میں واقع ہے، جسے "جھمپیر – گاڑو ونڈ کوریڈور" کہا جاتا ہے۔ اس کوریڈور میں ہوا کی رفتار سال بھر کمرشل بنیادوں پر بجلی بنانے کے لیے انتہائی موزوں رہتی ہے۔

پاکستان کے بڑے ونڈ پاور پروژیکٹس، ان کے مقامات اور ان کی انفرادی پیداواری صلاحیت کی تفصیلات کچھ اس طرح سے ہیں

جھمپیر ونڈ کوریڈور (ضلع ٹھٹہ، سندھ(

یہ پاکستان کا سب سے بڑا ونڈ انرجی زون ہے، جہاں درجنوں پروژیکٹس فعال ہیں۔ چند بڑے منصوبے درج ذیل ہیں:

دیوان ریونیو ایبل ونڈ پاور: 50 میگاواٹ

زور لو انرجی پاکستان: 56.4 میگاواٹ (یہ پاکستان کے ابتدائی کمرشل ونڈ پروژیکٹس میں سے ایک ہے(

تین پکا ونڈ پاور پروژیکٹ: 50 میگاواٹ

ماسٹر ونڈ انرجی لمیٹڈ: 52.8 میگاواٹ

یونس انرجی لمیٹڈ: 50 میگاواٹ

سچل انرجی ڈویلپمنٹ: 50 میگاواٹ

نیو انرجی 50 :(New Energy) میگاواٹ

سپائر انرجی 52.8 :(Sapphire Wind) میگاواٹ

اس کے علاوہ پاک چین اقتصادی راہداری (CPEC) کے تحت جھمپیر کے مقام پر قلیل عرصے میں بڑے ونڈ فارمز لگائے گئے جن میں

یونائیٹڈ انرجی پاکستان (UEP) ونڈ پاور: 99 میگاواٹ، سچل ونڈ فارم: 50 میگاواٹ

تھری گورجز فرسٹ ونڈ فارم 50 :(Three Gorges) میگاواٹ، تھری گورجز سیکنڈ اور تھر ڈونڈ فارم: 100 میگاواٹ (50 میگاواٹ ایچ)۔ داؤد ونڈ پاور پروژیکٹ: 50 میگاواٹ شامل ہیں

جامشورو بھی ونڈ کوریڈور کا حصہ ہے اور یہاں بھی کچھ اہم پلانٹس کام کر رہے ہیں:

او پی آئی ونڈ پاور پی وی ٹی لمیٹڈ 50 :(OPI Wind) میگاواٹ

ٹانگا ونڈ پاور (Tricon Boston) گروپ کے تین مختلف بلاکس (A, B, C) جامشورو / جھمپیر کی حدود میں ہیں جن کی مجموعی صلاحیت 150 میگاواٹ (50 میگاواٹ فی بلاک) ہے۔ گاڑو ونڈ زون (ضلع ٹھٹہ، سندھ) ساحلِ سمندر کے قریب ہونے کی وجہ سے تیز ہواؤں کا مرکز ہے: اس میں ٹپال گرین انرجی: 50 میگاواٹ، گل احمد ونڈ انرجی لمیٹڈ: 50 میگاواٹ

۔اس طرح پاکستان میں اس وقت تقریباً 36 کے قریب کمرشل ونڈ پاور پروژیکٹس مکمل طور پر فعال ہیں۔ اور ان کی پیداواری صلاحیت 1,845 میگاواٹ ہے۔ اصل پیداوار ہوا کی رفتار اور موسم (خاص طور پر مئی سے ستمبر کے مہینوں میں جب ہوائیں تیز ہوتی ہیں) کے حساب سے تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح الٹرنیٹ انرجی ڈویلپمنٹ بورڈ (AEDB) کے مطابق، پاکستان کے پاس صوبہ بلوچستان (خاص طور پر چاغی اور گوادر کوریڈور) اور خیبر پختونخوا کے بعض اضلاع میں بھی ونڈ انرجی کی بڑی صلاحیت موجود ہے، جن پر مستقبل میں کام متوقع ہے

پاکستان جیسے ملک کے لیے، جو شدید معاشی بحران، بجلی کی مہنگائی اور موسمیاتی تبدیلیوں (Climate Change) کی زد میں ہے، گلوبل ونڈ ڈے اور ہوا کی توانائی انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ پاکستان اپنی 60 فیصد سے زائد بجلی درآمدی کوئلے، فرنس آئل اور ایل این جی (LNG) سے بناتا ہے، جس سے ملک پر گردشی قرضے (Circular Debt) کا بوجھ بڑھتا ہے۔ ہوا کی توانائی کو فروغ دے کر پاکستان اربوں ڈالر کا زرِ مبادلہ بچا سکتا ہے۔ پاکستان نے ہدف مقرر کیا ہے کہ 2030ء تک ملک کی کل بجلی کا 30 فیصد حصہ قابلِ تجدید توانائی (سولر اور ونڈ) پر منتقل کیا جائے گا۔ گلوبل ونڈ ڈے کے موقع پر پنجاب جیسے صوبوں میں بھی تھل کے علاقوں میں ونڈ پاور پروجیکٹس لگانے کے عزم کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ گلوبل ونڈ ڈے پاکستان کو یہ پیغام دیتا ہے کہ اگر ہم مہنگی اور ماحول دشمن بجلی سے نجات چاہتے ہیں، تو ہمیں ہوا اور دھوپ جیسے قدرتی خزانوں کو استعمال میں لانا ہو گا تاکہ عوام کو سستی بجلی مل سکے اور ماحول کو بھی تحفظ ملے۔۔



۔عالمی یومِ عطیہ خون: زندگی کا تحفہ اور انسانیت کی پکار --'پاکستان میں صورت حال

ہر سال 14 جون کا دن دنیا بھر میں ان گمنام ہیروز کے نام کیا جاتا ہے جو بنا کسی لالچ اور صلے کی تمنا کے، محض انسانیت کی بقا کے لیے اپنے خون کا عطیہ دیتے ہیں۔ خون عطیہ کرنے والوں کے اس عالمی دن (World Blood Donor Day) کا باقاعدہ آغاز سال 2004 میں عالمی ادارہ صحت (WHO)، انٹرنیشنل فیڈریشن آف ریڈ کراس، انٹرنیشنل فیڈریشن آف بلڈ ڈونر آرگنائزیشنز، اور انٹرنیشنل سوسائٹی آف بلڈ ٹرانسفیوژن کے مشترکہ تعاون سے ہوا تھا۔

اس دن کے لیے 14 جون کا انتخاب حادثاتی نہیں، بلکہ یہ مشہور سائنسدان کارل لینڈسٹینر (Karl Landsteiner) کا یومِ پیدائش ہے، جنہوں نے انسانی تاریخ کی عظیم ترین دریافتوں میں سے ایک یعنی ABO" بلڈ گروپ سسٹم" دریافت کیا اور نوبل انعام پایا۔ اس مہم کا پہلا عالمی ایونٹ جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں منعقد ہوا، اور بعد ازاں 2005 میں ڈبلیو ایچ او کے 192 ممالک نے متفقہ طور پر اسے ہر سال باقاعدگی سے منانے کی منظوری دی۔

اس دن کو منانے کا مقصد محض خون کی بوتلیں جمع کرنا نہیں، بلکہ اس کے پیچھے گہرے طبی اور سماجی مقاصد کارفرما ہیں۔ ماضی میں غیر محفوظ خون کی منتقلی کے باعث ہیپاٹائٹس بی، سی اور ایچ آئی وی (HIV) جیسے مہلک امراض تیزی سے پھیل رہے تھے، جبکہ غریب ممالک میں کمزور اور بیمار لوگ پیسوں کے عوض خون بیچنے پر مجبور تھے۔ اس تحریک کا مقصد دنیا کو رضاکارانہ اور محفوظ خون کے عطیات کی طرف راغب کرنا تھا تاکہ زچگی کے دوران ماؤں کی اموات کو روکا جاسکے اور سڑک کے حادثات، تھیلیسیمیا اور کینسر کے مریضوں کے لیے خون کی ہر وقت دستیابی کو یقینی بنایا جاسکے

۔عالمی ادارہ صحت کے مطابق دنیا بھر میں سالانہ 118.5 ملین بلڈ ڈونیشنز جمع تو ہوتی ہیں، مگر المیہ یہ ہے کہ ان کا 40 فیصد حصہ صرف ان امیر ممالک سے آتا ہے جہاں دنیا کی محض 16 فیصد آبادی رہتی ہے۔ غریب اور ترقی پذیر ممالک میں آج بھی لوگ صرف ہنگامی صورتحال میں خون دیتے ہیں، جس کی وجہ سے رضاکارانہ عطیات کی شدید کمی ہے

۔ہمارے معاشرے میں یہ عام تاثر پایا جاتا ہے کہ خون دینے سے جسمانی کمزوری یا بیماری لاحق ہو جاتی ہے، جو کہ سراسر ایک متھ اور بے بنیاد مفروضہ ہے۔ طبی حقیقت یہ ہے کہ خون کا عطیہ دینا صحت کے لیے انتہائی مفید ہے۔ ایک صحت مند بالغ انسان کا جسم خون دینے کے بعد محض 24 سے 48 گھنٹوں میں خون کے مائعات (پلازما) کو پورا کر لیتا ہے، جبکہ 4 سے 6 ہفتوں میں نئے سرخ خلیات بن جاتے ہیں

۔باقاعدگی سے خون دینے سے جسم میں آئرن کی سطح متوازن رہتی ہے جس سے دل کی بیماریاں اور ہارٹ اٹیک کا خطرہ کم ہوتا ہے۔
مزید برآں، ایک بار خون دینے سے تقریباً650 کیلوریز جلتی ہیں، ہڈیوں کا گودا (Bone Marrow) نئے اور صحت مند خلیات بناتا ہے، اور ڈونر کو ہر بار بلڈ پریشر، آئرن اور مختلف بیماریوں کی اسکریننگ کا مفت طبی معائنہ بھی میسر آتا ہے۔ کمزوری کا شکار صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو عطیہ دینے کے فوراً بعد مناسب خوراک یا پانی کا استعمال نہیں کرتے
۔اگر پاکستان کے تناظر میں دیکھا جائے تو گزشتہ چند برسوں میں بلڈ ڈونیشن کے نظام میں نمایاں اور مثبت تبدیلیاں آئی ہیں۔ حکومتی سطح پر "سیف بلڈ ٹرانسفیوژن" پروگرام کے تحت جدید اور خودکار ریجنل بلڈ سینٹرز (RBCs) قائم کیے گئے ہیں جو بین الاقوامی معیار کے مطابق خون کی اسکریننگ کو یقینی بناتے ہیں۔ پاکستان میں تھیلیسیمیا کے مریضوں کی بڑی تعداد کے پیشِ نظر اب یونیورسٹیوں، کالجوں اور کارپوریٹ سیکٹرز میں باقاعدگی سے بلڈ کیمپس لگائے جاتے ہیں۔ ڈیجیٹل دور میں ہمارے نوجوانوں اور فلاحی اداروں نے 'پکار' اور 'ریڈ ڈراپ' جیسی موبائل ایپس اور آن لائن نیٹ ورکس متعارف کروائے ہیں، جو ضرورت مندوں اور خون دینے والوں کو سیکنڈوں میں آپس میں ملا دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی، سوشل میڈیا، علماء کرام اور فلاحی مہمات کی بدولت عوامی شعور میں بیداری آئی ہے، اور پنجاب سیف سٹی اتھارٹی نے بھی ہنگامی صورتحال کے لیے ایک 'ورچوئل بلڈ بینک' قائم کیا ہے جہاں ہزاروں رضاکار رجسٹرڈ ہیں۔ ان تمام تر کوششوں کے باوجود پاکستان کو اب بھی ایک بڑے چیلنج کا سامنا ہے۔ ملک کے ہسپتالوں میں سالانہ 50 لاکھ (5 ملین) سے زائد بلڈ یونٹس کی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ رضاکارانہ اور فیملی ڈونیشنز ملا کر صرف 23 لاکھ (2.3 ملین) یونٹس ہی اکٹھے ہو پاتے ہیں، جو کل طلب کا آدھے سے بھی کم ہے۔ سب سے تشویشناک بات یہ ہے کہ کل عطیات میں سے صرف 18 فیصد خون رضاکارانہ اور بغیر معاوضے کے ملتا ہے، جبکہ باقی 82 فیصد خون مریضوں کے لواحقین کو ایمرجنسی میں خود تلاش کرنا پڑتا ہے۔ یہاں ایک دلچسپ اور ایمان افروز حقیقت یاد رکھنا ضروری ہے کہ خون کا صرف ایک عطیہ (One Pint) کم از کم 3 انسانی زندگیاں بچا سکتا ہے، کیونکہ اس ایک بوتل کو ریڈ بلڈ سیلز، پلازما اور پلیٹلیٹس میں تقسیم کر کے تین مختلف مریضوں کو لگایا جا سکتا ہے۔ پاکستان کے نوجوانوں، تعلیمی اور فلاحی اداروں کو اس کارِ خیر میں مزید بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ہو گا، کیونکہ آپ کے وجود سے نکلنے والی چند بوندیں کسی مایوس خاندان کے آنسو پونچھ کر اسے زندگی کی نئی خوشیاں دے سکتی ہیں۔ اٹھیں، خون کا عطیہ دیں، اور زندگی بانٹیں !



عالمی یومِ آگاہی برائے البینزم (بھوراپن یا سورج مکھی -(انسانیت کا عزم اور پاکستان۔

ہر سال 13 جون کا سورج دنیا بھر میں ایک خاص پیغام لے کر طلوع ہوتا ہے—ایک ایسا پیغام جو رنگوں کے فرق سے بالاتر ہو کر انسان کی حقیقی قدر و منزلت کو پہچاننے کی دعوت دیتا ہے۔ عالمی یومِ آگاہی برائے البینزم (International Albinism Awareness Day) محض ایک تاریخ نہیں، بلکہ البینزم (جسے عام زبان میں "بھوراپن" یا "سورج مکھی" کہا جاتا ہے) کے ساتھ جینے والے بہادر افراد کی کہانی ہے۔ یہ دن معاشرے میں پھیلے توہمات، جھوٹے تصورات اور امتیازی رویوں کی دیواروں کو گرا کر ایک ایسے سماج کی بنیاد رکھنے کا نام ہے جہاں ہر فرد کو برابری، احترام اور تحفظ حاصل ہو

۔ یہ بیماری نہیں، صرف ایک جینیاتی فرق ہے۔ مایوسی کو امید میں بدلنے کے لیے سب سے پہلے سچائی کو سمجھنا ضروری ہے۔ البینزم کوئی جادو ٹونا، عذاب یا نحوست نہیں، بلکہ ایک خالص موروثی اور جینیاتی (Genetic) کیفیت ہے۔ قدرت نے ہمارے جسم میں 'میلانین' نامی ایک مادہ رکھا ہے، جو ہماری جلد، بالوں اور آنکھوں کو رنگ دیتا ہے اور ہمیں سورج کی تیز شعاعوں سے بچاتا ہے۔ البینزم کے شکار افراد میں جینیاتی تبدیلی (Genetic Mutation) کی وجہ سے یہ مادہ یا تو بنتا ہی نہیں یا بہت کم بنتا ہے۔ چونکہ یہ ایک Autosomal Recessive کیفیت ہے، اس لیے یہ بچے میں صرف اسی صورت منتقل ہوتی ہے جب والدین دونوں کے پاس اس کا پوشیدہ جین موجود ہو۔ اس جینیاتی فرق کی وجہ سے ان کی جلد دودھیا سفید، بال سنہری یا سفید، اور آنکھیں ہلکی نیلی یا روشنی میں گلابی جھلک دکھاتی ہیں۔ یہ فرق انہیں کمزور نہیں، بلکہ منفرد بناتا ہے۔ "البینزم کا شکار افراد دنیا بھر میں اوسطاً ہر 17,000 سے 20,000 افراد میں سے ایک ہوتے ہیں۔ آج دنیا بھر میں لاکھوں لوگ اس منفرد وجود کے ساتھ کامیابی سے زندگی گزار رہے ہیں البینزم کے حامل افراد کی تاریخ صرف طبی مسائل تک محدود نہیں، بلکہ یہ ان کے صبر اور بقا کی ایک عظیم داستان ہے۔ خاص طور پر افریقی ممالک (جیسے تنزانیہ، ملاوی، کینیا اور یوگنڈا) میں ان معصوم انسانوں کو بدقسمتی اور جادو ٹونے سے جوڑ کر شدید تشدد اور سماجی تنہائی کا نشانہ بنایا گیا

۔ لیکن انسانیت کب تک خاموش رہتی؟ ان تشویشناک حالات کے پیشِ نظر، اقوامِ متحدہ (UN) نے 2014ء میں 13 جون کو باضابطہ طور پر عالمی یومِ آگاہی برائے البینزم قرار دیا، جس کا پہلا انعقاد 2015ء میں ہوا۔ آج یہ دن دنیا بھر میں سیمینارز، واکس اور طبی کیمپوں کے ذریعے ایک طاقتور تحریک بن چکا ہے، جو دنیا کو یہ سکھاتا ہے کہ خوبصورتی صرف رنگوں کی محتاج نہیں ہوتی

پاکستان میں البینزم کی شرح دنیا کے کئی خطوں سے زیادہ دیکھی گئی ہے۔ اگرچہ یہاں کوئی حتمی سرکاری اعداد و شمار موجود نہیں، لیکن طبی ماہرین کے مطابق ہمارے ہاں خاندان میں شادیوں (Cousin Marriages) کی شرح 60 فیصد سے زیادہ ہے، جو اس جینیاتی کیفیت کی منتقلی کی بڑی وجہ بنتی ہے۔ حال ہی میں اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے ماہرین نے بھی پاکستان میں البینزم کے شکار افراد کی باقاعدہ رجسٹریشن اور ان کے حقوق کے تحفظ پر خصوصی توجہ دینے پر زور دیا ہے۔ یہ وقت ہمارے لیے ایک پکار ہے کہ ہم بطور معاشرہ بیدار ہوں اور ان افراد کو تنہائی کے اندھیروں سے نکال کر قومی دھارے میں شامل کریں۔ اگرچہ سائنس کے پاس ابھی تک انسانی جینز کو مستقل بدلنے کا کوئی حتمی علاج موجود نہیں، لیکن البینزم کے ساتھ ایک بہترین، متحرک اور نارمل زندگی گزارنا بالکل ممکن ہے! صحیح رہنمائی اور دیکھ بھال کے ذریعے اس کی تمام پیچیدگیوں کو شکست دی جا سکتی ہے: میلانین کی کمی کے باعث ان افراد کو سکن کینسر کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس کا حل بہت آسان ہے؛ تیز دھوپ میں نکلنے سے گریز کیا جائے، اعلیٰ معیار کا سن بلاک (High SPF Sunblock) استعمال کیا جائے، اور پوری آستین کے کپڑوں اور ہیٹ کا انتخاب کیا جائے۔ فوٹوفوبیا (تیز روشنی چُبھنا) اور نسٹیگمس (پتلیوں کا مسلسل ہلنا) جیسے مسائل کو اچھے ڈاکٹر کی تجویز کردہ عینک، کانٹیکٹ لینسز اور الٹراوائلٹ (UV) شعاعوں سے بچانے والے سن گلاسز کے ذریعے آسانی سے مینیج کیا جا سکتا ہے۔ جن خاندانوں میں البینزم کی ہسٹری موجود ہو، وہاں شادی سے پہلے جینیاتی کونسلنگ اور ٹیسٹ کے ذریعے اگلی نسل کو اس کیفیت سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

یہ دن ہمیں یہ لازوال سبق دیتا ہے کہ کسی بھی انسان کی قدر و منزلت اس کے رنگ، نسل یا جسمانی ساخت سے نہیں، بلکہ اس کے کردار، انسانیت اور صلاحیتوں سے ناپی جاتی ہے۔ البینزم کے ساتھ جینے والے افراد اس معاشرے کے برابر کے، باوقار اور باصلاحیت شہری ہیں۔ ان کے خواب بھی اتنے ہی روشن ہیں جتنے کسی اور کے ہو سکتے ہیں۔ انہیں ترس یا ہمدردی کی نہیں، بلکہ ہمارے ساتھ، احترام اور مساوی مواقع کی ضرورت ہے۔

آیئے آج کے دن یہ عہد کریں کہ ہم ایک ایسا معاشرہ بنائیں گے جہاں کوئی بھی اپنے رنگ کی وجہ سے پیچھے نہ چھوٹے، کیونکہ حقیقی خوبصورتی تنوع میں ہے اور انسانیت کا احترام ہی سب سے بڑا مذہب ہے۔



عالمی یومِ انسدادِ مشقتِ اطفال: بچوں کے محفوظ مستقبل کی جدوجہد اور پاکستان کے اقدامات۔

ہر سال 12 جون کو دنیا بھر میں عالمی یومِ انسدادِ مشقتِ اطفال (World Day Against Child Labour) منایا جاتا ہے۔ اس دن کا آغاز 2002ء میں International Labour Organization (ILO) نے کیا تھا تاکہ دنیا بھر میں بچوں سے جبری مشقت، استحصال اور خطرناک کاموں میں ان کی شمولیت کے خلاف شعور اجاگر کیا جاسکے۔ اگرچہ یہ دن کسی ایک ملک سے منسوب نہیں، تاہم اس کا پہلا عالمی سطح کا انعقاد جنیوا میں قائم ILO کے پلیٹ فارم سے کیا گیا، جس کے بعد یہ ایک بین الاقوامی مہم کی صورت اختیار کر گیا۔ اس دن کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ ہر بچے کو تعلیم، صحت، تحفظ اور خوشحال بچپن کا حق حاصل ہے، نہ کہ مشقت اور استحصال کا بوجھ۔

اس دن کے پس پردہ مقاصد میں بچوں سے مزدوری کے خاتمے، انہیں تعلیم کے مواقع فراہم کرنے، غربت کے خاتمے اور ایسے سماجی و معاشی نظام کے فروغ کو شامل کیا گیا جو خاندانوں کو اپنے بچوں سے مزدوری کروانے پر مجبور نہ کرے۔ عالمی برادری نے اس سلسلے میں متعدد معاہدے اور قوانین متعارف کروائے، جن میں ILO کے کنونشنز 138 اور 182 خاص طور پر اہم ہیں۔ ان اقدامات کے نتیجے میں دنیا کے کئی ممالک میں بچوں کی مشقت میں نمایاں کمی آئی اور لاکھوں بچوں کو اسکولوں تک پہنچانے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ تاہم یہ کہنا قبل از وقت ہو گا کہ اس دن کے تمام مقاصد مکمل طور پر حاصل ہو چکے ہیں۔ دنیا کے مختلف خطوں، خصوصاً ترقی پذیر ممالک میں، غربت، بے روزگاری، تنازعات اور تعلیمی سہولیات کی کمی کے باعث اب بھی لاکھوں بچے مزدوری پر مجبور ہیں۔

اقوامِ متحدہ اور ILO کی رپورٹس کے مطابق حالیہ برسوں میں پیش رفت کے باوجود دنیا بھر میں کروڑوں بچے مختلف اقسام کی مشقت میں مصروف ہیں، جن میں سے ایک بڑی تعداد خطرناک اور صحت کے لیے نقصان دہ کام انجام دیتی ہے

۔پاکستان میں بھی چائلڈ لیبر ایک اہم سماجی اور معاشی مسئلہ رہا ہے۔ حکومتِ پاکستان نے اس کے تدارک کے لیے مختلف قوانین نافذ کیے ہیں، جن میں Employment of Children Act، Punjab Restriction on Employment of Children Act اور دیگر صوبائی قوانین شامل ہیں۔ گزشتہ برسوں میں اسکول داخلہ مہمات، سماجی تحفظ کے پروگراموں، فنی تربیت اور غربت کے خاتمے کی حکمت عملیوں کے ذریعے بچوں کی مشقت میں کمی لانے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ اس کے باوجود زراعت، گھریلو ملازمت، ورکشاپس، اینٹوں کے بھٹوں اور غیر رسمی شعبوں میں بچوں کی مزدوری اب بھی ایک چیلنج بنی ہوئی ہے۔ عالمی یومِ انسدادِ مشقتِ اطفال ہمیں یاد دلاتا ہے کہ کسی بھی قوم کا روشن مستقبل اس کے بچوں کی تعلیم، صحت اور فلاح سے وابستہ ہوتا ہے۔ پاکستان سمیت دنیا بھر کے ممالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ بچوں کو مزدوری کے چکر سے نکال کر تعلیمی اداروں تک پہنچائیں، مؤثر قانون سازی کو یقینی بنائیں اور ایسے معاشی حالات پیدا کریں جن میں ہر بچہ محفوظ، باوقار اور امید سے بھرپور بچپن گزار سکے۔ یہی اس دن کا اصل مقصد اور ایک ترقی یافتہ و مہذب معاشرے کی بنیاد ہے۔



کاغذ کا کفن اور ڈیجیٹل سحر: کیا یہ کتابوں کی آخری صدی ہے؟

چند روز قبل خاتون خانہ کی جانب سے 'خواتین ڈائجسٹ' اور 'سسپنس ڈائجسٹ' لانے کی فرمائش ہوئی۔ میں نے جس کام کو سہل جانا تھا، وہ جوئے شیر لانے سے کم ثابت نہ ہوا۔ ملتان روڈ، وحدت روڈ، مصطفیٰ ٹاؤن اور علامہ اقبال ٹاؤن جیسے گنجان علاقوں میں کتب فروشی کے مراکز پر گیا تو معلوم ہوا کہ اب وہاں کتابوں کے نام پر صرف درسی کتب اور اسٹیشنری کا سامان ہی دستیاب ہے۔ جب ان سے رسائل، اخبارات اور پرانی کتابوں کا احوال پوچھا، تو انہوں نے ڈھلتے سورج کی طرح چند پرانی دکانوں کے پتے دیے۔ کمالِ حسرت سے دیکھا کہ وہ دکانیں اب رنگ برنگی موبائل شاپس اور جوس کارنرز میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ ایک دکان دار نے دھیمی ہنسی کے ساتھ دل کا غبار نکالا: "جب کتاب کا کوئی خریدار ہی نہ رہا، تو خسارے کا یہ سودا کب تک کرتے؟ سو، ہم نے بھی وقت کی نبض پہ ہاتھ رکھا اور موبائل فون بیچنا شروع کر دیے۔" حیرت بالائے حیرت یہ تھی کہ ان تمام شاہراہوں پر اخبارات اور رسائل کا کوئی ایک اسٹال تک نظر نہ آیا۔ جستجو جاری رہی تو بالآخر ایک مسجد کے پہلو میں فٹ پاتھ پر بیٹھے بوڑھے اخبار فروش کے پاس مطلوبہ رسالہ مل گیا، جس نے بیتے دنوں کی یاد تازہ کر دی

۔مجھے یاد ہے، آج سے تیس چالیس برس قبل ہمارے طالب علمی کے دور میں، لاہور جیسے علمی، ادبی اور تاریخی شہر کی فکری رگوں میں خونِ صالح دوڑانے کا سبب انار کلی کے فٹ پاتھ، ریلوے اسٹیشن کے بک اسٹالز اور گلی محلوں میں قائم 'آنہ لائبریریاں' ہوا کرتی تھیں، جہاں چند پیسوں کے عوض نسیم حجازی، اے حمید، اشتیاق احمد یا ابن صفی کے سحر انگیز ناول مل جایا کرتے تھے۔ پرانی انار کلی کا فٹ پاتھ ہمارے پرانے ادبی سرمائے کا امین تھا۔ پرانی انار کلی کی پرتاپ اسٹریٹ کبھی کتب فروشوں سے مہکتی تھی، مگر وقت کے بے رحم تھپیڑوں نے انہیں ایسا سمیٹا کہ ۲۰۲۱ء تک وہاں صرف دو دکانیں رہ گئیں۔ ان میں سے ایک مشہور 'ہیر و بک شاپ' تھی، جسے سید غلام علی عرف ہیرو صاحب چلاتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد جب گاہکوں کا قحط پڑا، تو ان کے بیٹے شہزاد علی نے دکان کو تالا لگایا اور کراچی ہجرت کر گئے۔ انار کلی کی تاریخی دکان 'یونائیٹڈ پبلشرز' اب ایک کمرشل پلازے میں تبدیل ہو چکی ہے جہاں کتابوں کی جگہ

کپڑوں نے لے لی ہے، اور 'آئیڈیل بک ہاؤس' میں اب کتابوں کے بجائے جوتے فروخت ہو رہے ہیں۔ یہ سب دیکھ کر دل پکار اٹھتا ہے کہ کتب بینی کا ذوق اب اپنے آخری مزار کی طرف گامزن ہے

۔اگر عالمی منظر نامے پر کتب بینی (Reading Habits) کے رجحانات کا جائزہ 'ورلڈ پاپولیشن ریویو' اور دیگر بین الاقوامی سروے رپورٹس کے آئینے میں لیا جائے، تو مطالعے کی شرح کو دو پیمانوں سے ناپا جاتا ہے: اول، سالانہ پڑھی جانے والی کتابوں کی تعداد، اور دوم، ہفتہ وار مطالعے میں صرف ہونے والا وقت۔ وقت کے لحاظ سے بھارت دنیا میں سب سے آگے ہے، جہاں لوگ اوسطاً ساڑھے دس گھنٹے ہفتہ وار مطالعہ کرتے ہیں، جبکہ سالانہ کتابوں کی تعداد کے اعتبار سے امریکہ صفِ اول پر ہے۔ اس مطالعے میں روایتی کتابوں کے ساتھ ساتھ ای-بکس (E-books) اور ڈیجیٹل مواد بھی شامل ہے۔

اس کے برعکس، پاکستان میں صورتِ حال حد درجہ تشویش ناک ہے اور مطالعے کا رجحان برف کی طرح پگھل رہا ہے۔ 'گیلپ پاکستان' اور دیگر مقامی تحقیقی اداروں کے سروے کے مطابق: ۷۵ فیصد پاکستانی (یعنی ہر چار میں سے تین افراد) ایسے ہیں جو نصابی یا مذہبی کتابوں کے علاوہ کسی دوسری کتاب کو ہاتھ تک نہیں لگاتے۔ صرف ۹ سے ۱۵ فیصد لوگ ایسے بچے ہیں جنہیں باقاعدہ کتب بینی کا شوقین کہا جا سکتا ہے۔ ایک عام پاکستانی سالانہ اوسطاً صرف ۲.۶ کتابیں پڑھتا ہے، جو عالمی اوسط سے کہیں کم ہے۔ ہمارا دور شاید پاکستان میں روایتی کتب بینی کا عروج یا اس کا آخری سنہرا باب تھا۔ کتب بینی کے اس زوال کی وجوہات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو چند تلخ حقائق سامنے آتے ہیں

:کاغذ کی گرانی: پچھلی دو دہائیوں، خصوصاً حالیہ برسوں میں پاکستان میں کاغذ کی قیمتوں میں ۳۰۰ سے ۴۰۰ فیصد تک کا کمر توڑ اضافہ ہوا ہے۔ کتابیں اور رسائل چھاپنا اب پبلشرز کے لیے گھاٹے کا سودا بن چکا ہے اور خریدار کی جیب اب اس عیاشی کی اجازت نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے اخبارات اب اپنی گرتی ہوئی اشاعت کے باعث صحافیوں اور ملازمین کو فارغ کر رہے ہیں

۔مہنگائی اور کرائے: ملتان روڈ، علامہ اقبال ٹاؤن یا انارکلی جیسے تجارتی مراکز میں دکانوں کے کرائے اور بجلی کے بل آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ ایک غریب کتب فروش جو صرف رسالے یا پرانی کتابیں بیچتا ہو، وہ اس بازارِ مصر میں کیسے ٹک سکتا ہے؟ لہٰذا بقا کی جنگ میں انہوں نے کتابیں ہٹا کر بیوٹی پارلرز، موبائل شاپس یا جوس کارنرز کھول لیے

۔بقائے دوام کی جنگ: جو چند دکانیں اب بھی کتب فروشی کے نام پر قائم ہیں، وہ صرف درسی کتب اور گائیڈ بکس کے سہارے سانس لے رہی ہیں، کیونکہ وہاں طالب علم اور والدین مجبوراً آتے ہیں۔ ادبی رسائل اور عام کتب اب ان کے لیے منافع بخش سودا نہیں رہے

۔ تجاوزات اور شہری ترقی: لاہور سمیت بڑے شہروں میں تجاوزات کے خلاف مہمات اور سڑکوں کی توسیع (جیسے میٹرو بس اور سگنل فری کوریڈورز) نے ان روایتی فٹ پاتھوں کا نام و نشان مٹا دیا، جہاں اتوار کے روز سستی اور نایاب کتابوں کے بازار سجا کرتے تھے

۔گیلپ پاکستان کے ۲۰۰۸ء کے سروے کے مطابق، ماضی میں اگرچہ ملک میں شرح خواندگی کم تھی، مگر پڑھے لکھے طبقے میں کتاب کا شوق والہانہ تھا۔ اس دور میں تقریباً ۲۲ فیصد پڑھے لکھے پاکستانی باقاعدگی سے غیر نصابی کتب پڑھتے تھے۔ اس کے برعکس حالیہ رپورٹس بتاتی ہیں کہ ۸۵ فیصد سے زائد طلبہ اور نوجوان نصابی کتابوں کے علاوہ سال بھر میں ایک بھی غیر نصابی کتاب نہیں پڑھتے۔ اب صرف ۹ سے ۱۱ فیصد نفوس ایسے ہیں جو اس شوق کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ بیس سال پہلے تک اخبارات کے سنڈے میگزین،

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس، پاکیزہ اور بچوں کے رسائل (جیسے ہمدرد نونہال، آنکھ مچولی) لاکھوں کی تعداد میں چھپتے تھے، مگر آج ان کی اشاعت چند ہزار یا سینکڑوں تک سمٹ چکی ہے، اور کئی تو ہمیشہ کے لیے بند ہو چکے ہیں

۔اب ایک عام آدمی کے ذہن میں یہ سوال دستک دیتا ہے کہ کیا جدید ٹیکنالوجی کے طوفان نے کتابوں سے عشق کے اس عہد کا خاتمہ کر دیا ہے؟ کیا یہ کتابوں کی آخری صدی ہے؟

اس سوال کا جواب نفی اور اثبات کے بین بین ہے۔ ٹیکنالوجی نے مطالعے کے انداز کو تو یکسر بدل دیا ہے، مگر مطالعے کی روح کو اب بھی کسی حد تک زندہ رکھا ہے۔ اب اسکرین نے کاغذ کا تختہ الٹ دیا ہے۔ اسمارٹ فونز، پی ڈی ایف (PDF) کتب اور کنڈل (Kindle) نے مجسم کتاب کی جگہ لے لی ہے۔ آج کا نوجوان انارکلی کے فٹ پاتھ کی خاک چھاننے کے بجائے ٹیلی گرام یا واٹس ایپ گروپس سے چند سیکنڈز میں نایاب کتاب کی پی ڈی ایف فائل مفت ڈاؤن لوڈ کر لیتا ہے۔ مطالعہ اب بھی ہو رہا ہے، لیکن وہ "ڈیجیٹل" روپ دھار چکا ہے۔ تاہم، سوشل میڈیا (فیس بک، انسٹاگرام، ٹک ٹاک) نے انسان کے گہرے مطالعے (Deep Reading) کی عادت کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ لوگ اب ۳۰۰ صفحات کا ناول یا ضخیم کتاب پڑھنے کے بجائے ۳۰ سیکنڈ کی ویڈیو یا دو سطروں کا اسٹیٹس پڑھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ اسے علمی اصطلاح میں "انفارمیشن اوورلوڈ (Information Overload) " کہتے ہیں، جہاں معلومات کا سیلاب تو موجود ہے مگر علم کا جزیرہ غائب ہے۔ جہاں شہروں کے فٹ پاتھ سنسان ہوئے، وہاں فیس بک اور انسٹاگرام پر آن لائن کتب فروشوں کا ایک نیا نظام قائم ہو گیا ہے۔ اب کتابیں دکانوں پر نہیں، بلکہ دراز (Daraz) یا مختلف پبلشرز کی ویب سائٹس سے 'کیش آن ڈیلیوری' کے ذریعے براہِ راست گھر کی دہلیز پر پہنچ رہی ہیں۔ گویا کتب بینی کا مرکز سڑکوں کے شور سے اٹھ کر انٹرنیٹ کی خاموشی میں منتقل ہو چکا ہے

۔المختصر: یہ کتابوں کی آخری صدی نہیں، بلکہ کتاب کے روایتی اور کاغذی روپ کی آخری صدی ہو سکتی ہے۔ کتاب اپنا لباس بدل رہی ہے—وہ کاغذ کے قفس سے نکل کر اسکرین کے افق میں حل ہو رہی ہے۔ لیکن اس ڈیجیٹل انقلاب میں جو تہذیبی نقصان ہوا ہے، اس کا مداوا ممکن نہیں؛ فٹ پاتھ پر بکھری اس کتاب کے ساتھ جو ایک سماجی رابطہ، کتب فروش سے ہونے والی گفتگو، اور کاغذ کو چھونے کی وہ مسہور کن خوشبو وابستہ تھی، وہ اب ڈیجیٹل اسکرین کے سرد شیشے پر انگلی پھیرنے سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی



تہذیبوں کے درمیان مکالمہ: عالمی امن اور پاکستان کا کردار اور نصاب تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت

-

10 جون کو دنیا بھر میں "تہذیبوں کے درمیان مکالمے کا بین الاقوامی دن (International Day for Dialogue among Civilizations) " منایا جاتا ہے۔ اس دن کا مقصد مختلف تہذیبوں، ثقافتوں، مذاہب اور اقوام کے درمیان باہمی احترام، رواداری اور افہام و تفہیم کو فروغ دینا ہے۔ موجودہ دور میں، جب دنیا مختلف سیاسی، مذہبی اور ثقافتی تنازعات سے دوچار ہے، یہ دن اس حقیقت کی یاد دہانی کراتا ہے کہ پائیدار امن اور ترقی کا راستہ تصادم نہیں بلکہ مکالمے، تعاون اور مشترکہ انسانی اقدار سے ہو کر گزرتا ہے۔ تہذیبوں کے درمیان مکالمے کا تصور دراصل ان نظریات کے ردِ عمل میں ابھرا جن میں دنیا کو مختلف تہذیبوں کے درمیان ناگزیر تصادم کی جانب بڑھتا ہوا دکھایا گیا تھا

. یہ سوچ اس وقت پروان چڑھی جب 20ویں صدی کے آخر میں، مشہور امریکی ماہر سیاسیات سیموئیل پی ہنٹنگٹن نے "تہذیبوں کا ٹکراؤ (Clash of Civilizations) " کا نظریہ پیش کیا تھا۔ اس نظریے میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ سرد جنگ کے بعد اب دنیا میں جنگیں ملکوں کے بجائے مختلف تہذیبوں (خاص طور پر اسلامی، مغربی اور چینی تہذیبوں) کے درمیان ہوں گی۔ اس منفی اور جنگجوانہ نظریے کے جواب میں دنیا بھر کے دانشوروں اور امن پسند رہنماؤں نے محسوس کیا کہ اگر دنیا کو تباہی سے بچانا ہے تو ٹکراؤ کے بجائے "مکالمے (Dialogue) " کی ضرورت ہے، تاکہ ایک دوسرے کے خلاف پائے جانے والے تعصبات اور غلط فہمیوں کو دور کیا جا سکے۔ اسی سوچ کے تحت اس دن کی بنیاد پڑی

1998ء میں ایران کے صدر محمد خاتمی نے اقوام متحدہ میں "مکالمہ تہذیب" کا تصور پیش کیا، جسے عالمی سطح پر بھرپور پذیرائی ملی۔ بعد ازاں جون 2024ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے چین کی پیش کردہ قرارداد کو متفقہ طور پر منظور کرتے ہوئے ہر سال 10 جون کو اس عالمی دن کے طور پر منانے کا اعلان کیا، تاکہ ثقافتی تنوع، باہمی احترام اور عالمی یکجہتی کو فروغ دیا جا سکے

۔اس دن کی اہمیت اس حقیقت میں پوشیدہ ہے کہ مختلف تہذیبوں اور معاشروں کے درمیان مثبت رابطے تعصبات، نفرت اور غلط فہمیوں کو کم کرتے ہیں۔ مکالمہ لوگوں کو ایک دوسرے کی روایات، عقائد اور طرزِ زندگی کو سمجھنے کا موقع فراہم کرتا ہے، جس سے تصادم کی جگہ تعاون اور دشمنی کی جگہ احترام جنم لیتا ہے۔ تعلیمی اداروں، ذرائع ابلاغ، ادبی و ثقافتی سرگرمیوں اور بین المذاہب روابط کے ذریعے دنیا بھر میں ایک ایسے ماحول کی تشکیل ممکن ہو رہی ہے جہاں اختلاف کو دشمنی کے بجائے تنوع اور فکری وسعت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

پاکستان کے لیے یہ دن خصوصی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ یہ سرزمین دنیا کی عظیم اور قدیم تہذیبوں کا گہوارہ رہی ہے۔ وادیٔ سندھ، موہنجو داڑو، ہڑپہ اور گندھارا جیسی تاریخی تہذیبیں اس خطے کے علمی، ثقافتی اور انسانی ورثے کی روشن مثالیں ہیں۔ اسی طرح حضرت بابا بلھے شاہ، حضرت لعل شہباز قلندر، شاہ عبداللطیف بھٹائی اور دیگر صوفیائے کرام کی تعلیمات محبت، رواداری اور انسان دوستی کا پیغام دیتی ہیں۔ پاکستان نے عالمی سطح پر بین المذاہب ہم آہنگی، احترامِ انسانیت اور اقوام کے درمیان تعاون کے فروغ کے لیے ہمیشہ مثبت کردار ادا کیا ہے اور دہشت گردی کے خلاف بے پناہ قربانیاں دینے کے باوجود امن و مکالمے کے اصولی مؤقف پر قائم ہے۔ اس عالمی دن کا ایک اہم پیغام یہ بھی ہے کہ نئی نسل کو برداشت، تنوع کے احترام اور تنقیدی سوچ کی تعلیم دی جائے۔ پاکستان میں تعلیمی نصاب، ادبی سرگرمیوں اور سماجی مباحث کو اس انداز سے فروغ دینا ضروری ہے کہ نوجوان اختلافِ رائے کو دشمنی کے بجائے فکری بالیدگی کا ذریعہ سمجھیں۔ جب معاشرہ یہ سیکھ لے کہ مختلف نظریات، مذاہب اور ثقافتوں کے حامل افراد کے ساتھ احترام اور مکالمے کے ذریعے رہنا ہی ترقی یافتہ اور پرامن قوموں کی پہچان ہے، تو حقیقی معنوں میں امن، استحکام اور قومی یکجہتی کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے



عالمی یومِ آرکائیوز (International Archives Day):

اور قومی ورثے کا تحفظ اور پاکستان میں کئے گئے اقدامات کا جائزہ

ہر سال 9 جون کو دنیا بھر میں عالمی یومِ آرکائیوز (International Archives Day) منایا جاتا ہے۔ اس دن کا مقصد تاریخی، ثقافتی، انتظامی اور قانونی دستاویزات کی اہمیت کو اجاگر کرنا اور ان کے تحفظ کے بارے میں شعور بیدار کرنا ہے۔ آرکائیوز کسی بھی قوم کی اجتماعی یادداشت، تاریخی شناخت اور فکری ورثے کا آئینہ دار ہوتے ہیں۔ قدیم دستاویزات، سرکاری ریکارڈ، خطوط، معاہدات، تصاویر اور دیگر تاریخی مواد نہ صرف ماضی کے حقائق محفوظ رکھتے ہیں بلکہ مستقبل کی منصوبہ بندی اور مؤثر فیصلہ سازی میں بھی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ اسی لیے دستاویزی ذخائر کا تحفظ ہر مہذب معاشرے کی بنیادی ذمہ داری تصور کیا جاتا ہے۔

اس دن کی تاریخی بنیاد 9 جون 1948ء سے جڑی ہوئی ہے جب اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے یونیسکو کی سرپرستی میں انٹرنیشنل کونسل آن آرکائیوز (ICA) کا قیام پیرس، فرانس میں عمل میں آیا۔ بعد ازاں نومبر 2007ء میں چین میں منعقد ہونے والی ICA کی جنرل اسمبلی میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ 9 جون کو ہر سال عالمی یومِ آرکائیوز کے طور پر منایا جائے۔ چنانچہ پہلا باضابطہ عالمی یومِ آرکائیوز 9 جون 2008ء کو منایا گیا۔ اس اقدام کا بنیادی مقصد دنیا بھر میں تاریخی اور سرکاری ریکارڈ کے تحفظ، ان کی دستیابی اور ان کی افادیت کے بارے میں عالمی سطح پر آگاہی پیدا کرنا تھا۔

عالمی یومِ آرکائیوز نے دستاویزات کے تحفظ کے شعبے میں نمایاں پیش رفت کو فروغ دیا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے لاکھوں تاریخی دستاویزات کو ڈیجیٹل شکل میں محفوظ کیا جا رہا ہے، جس سے محققین، طلبہ اور عام شہریوں کے لیے ان تک رسائی آسان ہو گئی ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں جدید آرکائیوز مراکز، خصوصی لیبارٹریاں اور محفوظ ذخیرہ گاہیں قائم کی گئی ہیں تاکہ اہم دستاویزات کو دیمک، نمی، آتشزدگی اور دیگر خطرات سے محفوظ رکھا جا سکے۔ اس عمل سے تاریخی حقائق کی صحت اور صداقت برقرار رکھنے میں بھی مدد ملی ہے اور تاریخ کو مسخ کرنے کے امکانات کم ہوئے ہیں

۔پاکستان میں بھی عالمی یومِ آرکائیوز کی اہمیت مسلسل بڑھ رہی ہے۔ نیشنل آرکائیوز آف پاکستان اسلام آباد میں قیامِ پاکستان، تحریکِ آزادی، قائداعظم محمد علی جناح، علامہ محمد اقبال اور دیگر قومی رہنماؤں سے متعلق نایاب دستاویزات، تصاویر اور خط و کتابت کو محفوظ رکھنے کے لیے اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ قراردادِ لاہور 1940ء، آئینِ پاکستان 1973ء، اہم سرکاری معاہدات اور قومی تاریخ سے متعلق متعدد دستاویزات کو جدید سائنسی طریقوں کے تحت محفوظ کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ ملک بھر کی جامعات، تحقیقی اداروں اور سرکاری محکموں میں سیمینارز، نمائشوں اور آگاہی پروگراموں کا انعقاد کیا جاتا ہے تاکہ نئی نسل کو قومی تاریخ اور ریاستی اداروں کے ارتقائی سفر سے آگاہ کیا جا سکے۔ عصرِ حاضر میں ڈیجیٹل آرکائیونگ کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے

۔پاکستان میں وفاقی اور صوبائی سطح پر سرکاری ریکارڈ کی ڈیجیٹلائزیشن کے منصوبوں پر کام جاری ہے تاکہ اہم دستاویزات کو محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ ان تک رسائی بھی آسان بنائی جا سکے۔ عالمی یومِ آرکائیوز ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ قوموں کی ترقی صرف مستقبل کی منصوبہ بندی سے نہیں بلکہ اپنے ماضی کے مستند ریکارڈ کے تحفظ سے بھی وابستہ ہوتی ہے۔ تاریخی دستاویزات دراصل ایک قوم کے فکری، ثقافتی اور سیاسی سفر کی امانت ہیں، جن کی حفاظت آنے والی نسلوں کے لیے ایک قومی فریضہ ہے۔

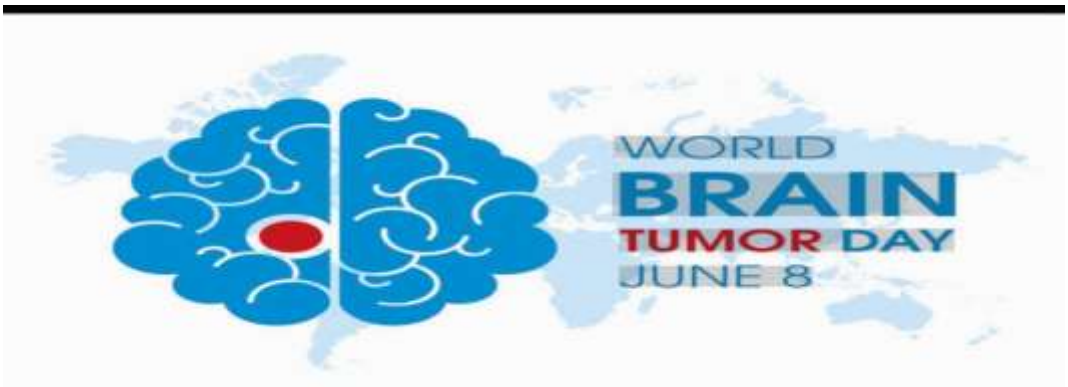

برین ٹیومر کا عالمی دن: آگاہی، تحقیق اور بہتر علاج کی ضرورت اور پاکستان میں پیشرفت

ہر سال 8 جون کو دنیا بھر میں برین ٹیومر کا عالمی دن (World Brain Tumor Day) منایا جاتا ہے۔ اس دن کا مقصد برین ٹیومر جیسی سنگین بیماری کے بارے میں عوامی شعور اجاگر کرنا، مریضوں اور ان کے اہلِ خانہ کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کرنا اور اس مرض کی بروقت تشخیص و علاج کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے

۔اس دن کا آغاز سنہ 2000 میں جرمنی کی غیر منافع بخش تنظیم Deutsche Hirntumorhilfe نے کیا، جس نے محسوس کیا کہ برین ٹیومر کے مریض اکثر خوف، تنہائی اور معلومات کی کمی کا سامنا کرتے ہیں۔ اسی لیے 8 جون کو عالمی سطح پر آگاہی کے لیے مخصوص کیا گیا تاکہ لوگوں کو اس بیماری کی ابتدائی علامات اور جدید علاج سے متعلق معلومات فراہم کی جاسکیں۔

برین ٹیومر دماغ میں غیر معمولی خلیات کی افزائش کا نام ہے جو کینسر زدہ (Malignant) یا غیر کینسر زدہ (Benign) ہو سکتا ہے۔ اس کی عام علامات میں مسلسل یا شدید سر درد، بینائی کی خرابی، دورے پڑنا، جسمانی توازن میں بگاڑ، یادداشت کی کمزوری، بولنے میں دشواری اور متلی یا قے شامل ہیں۔ ماہرین کے مطابق بروقت تشخیص مریض کی زندگی بچانے اور علاج کی کامیابی کے امکانات بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اسی لیے عالمی دن کا ایک اہم مقصد عوام کو ان علامات سے آگاہ کرنا اور طبی معائنے میں تاخیر سے بچنے کی ترغیب دینا ہے۔

گزشتہ دو دہائیوں کے دوران برین ٹیومر کی تشخیص اور علاج میں نمایاں پیش رفت ہوئی ہے۔ جدید MRI اور PET Scan ٹیکنالوجیز کے ذریعے ٹیومر کی نوعیت، مقام اور حجم کا زیادہ درست اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح Gamma Knife اور CyberKnife جیسی جدید ریڈیو سرجری تکنیکوں نے بغیر بڑے آپریشن کے بعض اقسام کے ٹیومرز کے علاج کو ممکن بنایا ہے۔ روبوٹک سرجری، ٹارگٹڈ تھراپی اور امیونو تھراپی جیسے جدید طریقہ ہائے علاج بھی تیزی سے ترقی کر رہے ہیں، جن کی بدولت مریضوں کے لیے بہتر نتائج اور کم مضر اثرات حاصل ہو رہے ہیں۔ عالمی سطح پر تحقیق کا دائرہ بھی وسیع ہو رہا ہے تاکہ مستقبل میں اس بیماری کے مزید مؤثر اور کم خرچ علاج دریافت کیے جاسکیں

۔پاکستان میں بھی برین ٹیومر کے علاج اور تشخیص کی سہولیات میں بتدریج بہتری آئی ہے۔ کراچی، لاہور اور اسلام آباد کے بڑے طبی مراکز جدید نیورو سرجری، ریڈی ایشن اور آنکولوجی کی خدمات فراہم کر رہے ہیں۔ خصوصاً Jinnah Postgraduate Medical Centre میں سائبر نائف روبوٹک ریڈیو سرجری کی سہولت، جبکہ Aga Khan University Hospital اور Shaukat Khanum Memorial Cancer Hospital and Research Centre میں جدید تشخیصی و علاجی خدمات مریضوں کے لیے امید کی کرن ہیں۔ تاہم دیہی اور دور دراز علاقوں میں نیورو سرجنز، ایم آر آئی مشینوں اور خصوصی کینسر مراکز کی کمی اب بھی ایک بڑا چیلنج ہے۔ برین ٹیومر کا عالمی دن ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ آگاہی، بروقت تشخیص، جدید علاج اور تحقیق میں سرمایہ کاری کے ذریعے اس خطرناک بیماری کے اثرات کو نمایاں طور پر کم کیا جاسکتا ہے اور ہزاروں مریضوں کو بہتر زندگی فراہم کی جاسکتی ہے۔



8 جون۔ سمندروں کا عالمی دن اور پاکستان کی اہمیت اور مثبت کردار

ہر سال 8 جون کو دنیا بھر میں سمندروں کا عالمی دن (World Oceans Day) منایا جاتا ہے۔ اس دن کو منانے کا مقصد انسانی زندگی میں سمندروں کی اہمیت کو اجاگر کرنا اور ان کو درپیش ماحولیاتی خطرات (جیسے پلاسٹک کی آلودگی اور درجہ حرارت میں اضافہ) کے بارے میں بیداری پیدا کرنا ہے۔

سمندروں کے لیے ایک مخصوص دن مقرر کرنے کی ضرورت سب سے پہلے 1992ء میں محسوس کی گئی. یہ تصور سب سے پہلے کینیڈا کی حکومت نے پیش کیا۔ کینیڈا کے "انٹرنیشنل سینٹر فار اوشن ڈویلپمنٹ (ICOD) "اور "اوشن انسٹی ٹیوٹ آف کینیڈا (OIC) " نے برازیل کے شہر ریوڈی جینیرو میں ہونے والی اقوام متحدہ کی تاریخی "ارتھ سمٹ (Earth Summit) "میں اس کا باقاعدہ خاکہ رکھا۔ کینیڈین وفد کا مؤقف تھا کہ زمین کا 70 فیصد سے زائد حصہ سمندروں پر مشتمل ہے جو ہماری آدھی سے زیادہ آکسیجن بناتے ہیں، لیکن عالمی سطح پر ماحولیاتی پالیسیوں میں سمندروں کی آواز کو وہ مقام نہیں مل رہا جو ملنا چاہیے تھا۔

اگرچہ 1992ء سے ہی مختلف فلاحی تنظیمیں اور کئی ممالک اس دن کو غیر سرکاری طور پر مناتے رہے، لیکن عالمی سطح پر اس کا تواتر سے سرکاری آغاز ذرا دیر سے ہوا۔ 2008ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے کینیڈا ہی کی قیادت میں ایک قرارداد (63/111) منظور کی جس کے تحت 8 جون کو باقاعدہ طور پر "ورلڈ اوشنز ڈے" قرار دیا گیا

اقوام متحدہ کے تحت یہ دن پہلی بار 8 جون 2009ء کو منایا گیا، جس کا موضوع "ہمارے سمندر، ہماری ذمہ داری" تھا۔ تب سے لے کر آج تک یہ دن ہر سال پوری دنیا میں باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ منایا جا رہا ہے۔ عالمی سطح پر اس دن کی حیثیت ایک "یوم بیداری اور تحریک" کی ہے۔ یہ دن دنیا کے تمام سمندری خطوں، ساحلی ممالک اور حتیٰ کہ خشکی پر محصور ممالک میں بھی یکساں اہمیت کا حامل ہے۔ اقوام متحدہ کے تمام رکن ممالک، سائنسی ادارے، ماحولیاتی تنظیمیں اور بحری افواج (بشمول پاکستان نیوی) اس دن سیمینارز، ساحلوں کی صفائی کی مہمات اور تعلیمی پروگرامز کا انعقاد کرتی ہیں۔ اس کا مقصد دنیا کو یاد دلانا ہے کہ سمندر عالمی آب وہوا (Climate) کو کنٹرول کرتے ہیں اور کروڑوں لوگوں کے روزگار کا ذریعہ ہیں۔

پاکستان کے پاس تقریباً 1,014 کلو میٹر طویل ساحلی پٹی ہے جو صوبہ سندھ اور بلوچستان پر محیط ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کا "خصوصی اقتصادی زون (Exclusive Economic Zone) "اور ماتیاتی براعظمی شیلف (Continental Shelf) لاکھوں مربع کلو میٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے لیے "ورلڈ اوشن ڈے" کی اہمیت انتہائی نوعیت کی ہے۔

پاکستان میں سمندروں کے عالمی دن کو سرکاری اور منظم سطح پر منانے کا سہرا پاکستان نیوی (Pakistan Navy) کے سر ہے۔ ہر سال 8 جون کو چیف آف دی نیول اسٹاف کی طرف سے ایک خصوصی پیغام جاری کیا جاتا ہے جس میں سمندری وسائل کے تحفظ کا اعادہ ہوتا ہے۔ پاکستان نیوی کے زیرِ اہتمام کراچی، پورٹ قاسم، اورماڑہ، پسنی اور گوادر میں ساحلوں کی صفائی کی مہمات (Beach Cleaning Drives) چلائی جاتی ہیں۔ نیوی کے تحقیقی ادارے (جیسے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اوشینوگرافی (NIO - سیمینارز اور ویبینارز منعقد کرتے ہیں تاکہ عوام اور طلبہ میں "بلیو اکانومی (Blue Economy) "کا شعور بیدار کیا جاسکے۔ کیونکہ پاکستان کا زیادہ تر بین الاقوامی تجارتی سامان سمندری راستوں (کراچی پورٹ، بن قاسم، اور گوادر) سے گزرتا ہے۔ ورلڈ اوشن ڈے پر اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ پاکستان کیسے اپنے سمندری وسائل سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ان مین ملکی تجارتی جہاز رانی کو فروغ دینا۔ مچھلیوں کی افزائش :(Fisheries) ساحلی علاقوں میں ماہی گیری کے جدید طریقے متعارف کروانا تاکہ مچھلیوں کی نسل ختم نہ ہو اور بر آمدات میں اضافہ ہو۔ نیز سمندر کے اندر موجود تیل، گیس اور ونڈ انرجی (شمالی بحیرہ عرب کی ہواؤں سے بجلی بنانا) کے مواقع تلاش کرنا۔ اسی لیئے پاکستان میں یہ دن محض جشن منانے کا نہیں، بلکہ اپنے سمندری مسائل پر غور کرنے کا دن ہے۔ ہمارے سمندر کو تین بڑے خطرات کا سامنا ہے جن پر اس دن خاص طور پر روشنی ڈالی جاتی ہے: جن مین صنعتی اور شہری آلودگی سب سے نمایاں ہے: صرف کراچی شہر سے روزانہ کروڑوں گیلن کچرا، پلاسٹک اور زہریلا صنعتی پانی بغیر ٹریٹمنٹ کے براہِ راست بحیرہ عرب میں پھینکا جاتا ہے، جو سمندری حیات کے لیے قاتل ہے

دوسرا بڑا مسئلہ۔ مینگرووز (ٹیمر کے جنگلات) کی کٹائی ہے۔ سندھ اور بلوچستان کے ساحلوں پر موجود مینگرووز کے جنگلات سمندری طوفانوں کے خلاف قدرتی ڈھال ہیں اور مچھلیوں کی نرسری ہیں۔ ان کی کٹائی روکنا اس دن کا اہم ایجنڈا ہوتا ہے۔ سمندری آلودگی پر قابو پانا: پلاسٹک کے تھیلوں کا سمندر میں جانا، جس سے لابسٹرز، مچھلیاں اور نایاب سبز کچھوے (Green Turtles) مر رہے ہیں۔4۔ ساحلی آبادیوں کی بیداری پاکستان کے ساحلی علاقوں (جیسے ٹیاری، ابراہیم حیدری، شاہ بندر، اور بلوچستان کے ساحلی قصبے) میں مچھیرا برادری کو اس دن یہ سکھایا جاتا ہے کہ وہ مچھلیوں کے شکار کے لیے ایسے ممنوعہ جال استعمال نہ کریں جو چھوٹی مچھلیوں اور ان کے انڈوں کو بھی تباہ کر دیتے ہیں

المختصر پاکستان کے لیے 8 جون کا دن یہ یاد دہانی ہے کہ ہماری معاشی ترقی، ماحولیاتی بقا اور آنے والی نسلوں کا مستقبل بحیرہ عرب کے تحفظ سے جڑا ہوا ہے۔ جب تک ہم اپنے سمندر کو صاف اور محفوظ نہیں رکھیں گے، ہم اس کی نعمتوں سے بھرپور فائدہ نہیں اٹھا سکتے



7جون۔عالمی یومِ تحفظِ خوراک (World Food Safety Day) اور پاکستان کی صورت حال

ہر سال 7جون کو دنیا بھر میں عالمی یومِ تحفظِ خوراک منایا جاتا ہے جس کا مقصد خوراک کے ذریعے پھیلنے والی بیماریوں کے خطرات سے آگاہی پیدا کرنا اور کھیت سے دسترخوان تک خوراک کے محفوظ سفر کو یقینی بنانے کی اہمیت اجاگر کرنا ہے

۔اس دن کے قیام کی تجویز 2016 میں کونڈیکس ایلیمنٹاریئس کمیشن (Codex Alimentarius Commission) نے پیش کی، جسے بعد ازاں اقوام متحدہ کے ادارہ خوراک وزراعت (FAO) اور عالمی ادارۂ صحت (WHO) کی حمایت حاصل ہوئی۔ اقوام متحدہ نے 2018 میں باضابطہ طور پر 7جون کو عالمی یومِ تحفظِ خوراک قرار دیا اور 2019 میں پہلی مرتبہ اسے عالمی سطح پر منایا گیا

۔خوراک کا محفوظ ہونا انسانی صحت، معاشی ترقی اور پائیدار ترقی کے اہداف کے حصول کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

عالمی ادارۂ صحت کے مطابق دنیا بھر میں ہر سال تقریباً 60 کروڑ افراد آلودہ خوراک کے باعث بیمار ہوتے ہیں جبکہ لاکھوں افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ان متاثرین میں پانچ سال سے کم عمر بچے سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں، جو خوراک سے پیدا ہونے والی بیماریوں کے مجموعی بوجھ کا تقریباً 40 فیصد برداشت کرتے ہیں۔ فوڈ سیفٹی (محفوظ خوراک) اور فوڈ سیکورٹی (غذائی تحفظ) ایک دوسرے سے جڑے ہوئے مگر الگ تصورات ہیں۔ غذائی تحفظ سے مراد ہر فرد کو مناسب مقدار میں خوراک کی دستیابی ہے، جبکہ فوڈ سیفٹی اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ دستیاب خوراک صحت کے لیے محفوظ اور معیاری ہو۔ عالمی ماہرین کے مطابق محفوظ خوراک کے بغیر غذائی تحفظ کا تصور ادھورا ہے، کیونکہ غیر معیاری خوراک صحت، پیداواریت اور معاشی استحکام کو متاثر کرتی ہے

۔پاکستان کو بھی خوراک کے معیار اور غذائی تحفظ کے حوالے سے متعدد چیلنجز کا سامنا ہے۔ غذائی قلت، بچوں میں نشوونما کی کمی (Stunting)، خوراک میں ملاوٹ، غیر معیاری دودھ، ناقص صفائی کے حالات اور غیر محفوظ اسٹریٹ فوڈ اہم مسائل میں شامل ہیں۔ مختلف قومی و بین الاقوامی رپورٹس کے مطابق پاکستان میں پانچ سال سے کم عمر بچوں کی ایک بڑی تعداد غذائی کمی اور نشوونما کے مسائل کا شکار ہے، جس سے محفوظ اور متوازن خوراک کی اہمیت مزید واضح ہوتی ہے۔ حالیہ برسوں میں پنجاب فوڈ اتھارٹی، سندھ فوڈ اتھارٹی، خیبر پختونخوا فوڈ سیفٹی اینڈ حلال فوڈ اتھارٹی اور بلوچستان فوڈ اتھارٹی جیسے اداروں کے قیام سے خوراک کے معیار کی نگرانی میں بہتری آئی ہے۔ تاہم دیہی علاقوں میں قوانین پر مؤثر عملدرآمد، جدید فوڈ ٹیسٹنگ لیبارٹریوں کی توسیع، کولڈ چین سسٹم کی بہتری اور عوامی شعور میں اضافے کی ضرورت اب بھی موجود ہے۔ مزید برآں، موسمیاتی تبدیلیاں، سیلاب، پانی کی آلودگی اور زرعی شعبے کو درپیش مشکلات محفوظ خوراک کی فراہمی کے لیے نئے چیلنجز پیدا کر رہی ہیں۔ عالمی یومِ تحفظِ خوراک ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ محفوظ خوراک صرف حکومتی اداروں کی نہیں بلکہ کسانوں، صنعتکاروں، تاجروں اور صارفین سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ اگر ہم خوراک کی پیداوار، ذخیرہ، ترسیل اور استعمال کے ہر مرحلے پر احتیاطی اصول اپنائیں تو نہ صرف بیماریوں کے بوجھ میں کمی لائی جاسکتی ہے بلکہ ایک صحت مند، مضبوط اور خوشحال معاشرے کی بنیاد بھی رکھی جاسکتی ہے



5 جون: ماحولیات کا عالمی دن ـــ زمین کے تحفظ کا عالمی عہد اور پاکستان مین کئے گئے اقدامات کا جائزہ۔۔۔

ہر سال 5 جون کو دنیا بھر میں ماحولیات کا عالمی دن (World Environment Day) منایا جاتا ہے۔ یہ دن کرۂ ارض کو درپیش ماحولیاتی خطرات کے بارے میں آگاہی پیدا کرنے اور حکومتوں، اداروں اور عوام کو ماحول کے تحفظ کے لیے عملی اقدامات کی ترغیب دینے کا سب سے بڑا عالمی پلیٹ فارم سمجھا جاتا ہے

۔ماحولیات کے عالمی دن کی بنیاد 1972ء میں اس وقت رکھی گئی جب اقوام متحدہ کے زیر اہتمام سویڈن کے دارالحکومت اسٹاک ہوم میں 5 سے 16 جون تک انسانی ماحول پر پہلی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ تاریخ میں پہلا موقع تھا جب عالمی سطح پر ماحولیاتی مسائل کو باقاعدہ بین الاقوامی ایجنڈے کا حصہ بنایا گیا۔ اسی کانفرنس کے پہلے روز، یعنی 5 جون، کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ماحولیات کا عالمی دن منانے کی منظوری دی اور بعد ازاں اقوام متحدہ کے ماحولیاتی پروگرام (UNEP) کا قیام عمل میں آیا۔

اس دن کو پہلی مرتبہ 1973ء میں) "Only One Earth" صرف ایک زمین) کے عنوان کے تحت منایا گیا۔ بیسویں صدی کے دوران تیز رفتار صنعتی ترقی، فیکٹریوں سے خارج ہونے والی زہریلی گیسوں، جنگلات کی بے دریغ کٹائی، آبی و فضائی آلودگی اور قدرتی وسائل کے غیر متوازن استعمال نے ماحول کو شدید نقصان پہنچایا۔ سائنس دانوں نے خبردار کیا کہ اگر بروقت اقدامات نہ کیے گئے تو گلوبل وارمنگ، موسمیاتی تبدیلی، سمندری سطح میں اضافہ، خشک سالی، شدید بارشوں اور قدرتی آفات کی شدت میں اضافہ انسانیت کے لیے سنگین خطرات پیدا کر سکتا ہے۔ انہی خدشات کے پیش نظر ماحولیات کا عالمی دن منانے کا سلسلہ شروع کیا گیا تاکہ دنیا بھر میں ماحولیاتی شعور کو فروغ دیا جاسکے۔ اس دن کے بنیادی مقاصد میں عوام کو یہ احساس دلانا شامل ہے کہ زمین کے وسائل محدود ہیں اور ان کا ذمہ دارانہ استعمال ناگزیر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومتوں کو ماحول دوست پالیسیاں اپنانے، کاربن کے اخراج میں کمی لانے، قابلِ تجدید توانائی کے استعمال کو فروغ دینے، جنگلات کے تحفظ اور حیاتیاتی تنوع (Biodiversity) کے تحفظ کے لیے مؤثر قانون سازی کی ترغیب دی جاتی ہے۔

آج یہ دن 150 سے زائد ممالک میں لاکھوں افراد کی شرکت سے منایا جاتا ہے اور ہر سال کسی نہ کسی اہم ماحولیاتی مسئلے کو مرکزی موضوع بنایا جاتا ہے۔ گزشتہ پانچ دہائیوں میں ماحولیات کے عالمی دن نے دنیا بھر میں مثبت اثرات مرتب کیے ہیں۔ ماحولیاتی آگاہی میں اضافے کے نتیجے میں متعدد بین الاقوامی معاہدے وجود میں آئے جن میں پیرس ماحولیاتی معاہدہ (Paris Climate Agreement) نمایاں ہے۔ اسی شعور نے قابلِ تجدید توانائی،

خصوصاً شمسی اور ہوائی توانائی، الیکٹرک گاڑیوں اور ماحول دوست ٹیکنالوجیز کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ دنیا کے کئی ممالک نے سنگل یوز پلاسٹک پر پابندیاں عائد کیں اور کاربن کے اخراج میں کمی کے لیے طویل المدتی منصوبے متعارف کروائے

پاکستان ان ممالک میں شامل ہے جو موسمیاتی تبدیلیوں کے اثرات سے شدید متاثر ہو رہے ہیں، حالانکہ عالمی گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں اس کا حصہ ایک فیصد سے بھی کم ہے۔ حالیہ برسوں میں شدید سیلاب، طویل ہیٹ ویوز، خشک سالی، گلیشیئرز کے تیزی سے پگھلنے اور پانی کی قلت نے اس مسئلے کی سنگینی کو نمایاں کیا ہے۔ 2022ء کے تباہ کن سیلاب نے ملک کے ایک بڑے حصے کو متاثر کیا اور موسمیاتی تبدیلی کے خطرات کو عالمی سطح پر اجاگر کیا۔ فضائی آلودگی کے حوالے سے پاکستان کو دنیا کے سب سے متاثرہ ممالک میں شمار کیا جاتا ہے۔ مختلف بین الاقوامی ماحولیاتی رپورٹس کے مطابق پاکستان اکثر فضائی آلودگی سے متاثرہ ممالک کی عالمی درجہ بندی میں بالائی پوزیشنوں پر موجود رہتا ہے، جبکہ لاہور، کراچی اور پشاور جیسے بڑے شہروں میں اسموگ اور آلودہ ہوا ایک مستقل چیلنج بن چکی ہے۔ فضائی آلودگی انسانی صحت، زراعت اور معیشت پر منفی اثرات مرتب کر رہی ہے

پاکستان کا ایک اہم مسئلہ ابی آلودگی بھی ہے

کراچی کا ساحل اس وقت دو بڑے خطرات کا سامنا کر رہا ہے: ایک تو بحری جہازوں سے حادثاتی طور پر یا صفائی کے دوران پھیلنے والا کالا تیل (Oil Spills) اور دوسرا شہر کے کارخانوں اور گٹروں کا تقریباً 400 سے 450 ملین گیلن روزانہ (MGD) بغیر ٹریٹمنٹ کے سمندر میں گرنے والا گندا پانی۔

ان سنگین چیلنجز سے نمٹنے کے لیے حالیہ برسوں (2025-2026) میں پاکستان کی وفاقی اور صوبائی حکومتوں نے جو اقدامات اٹھائے ہیں اور جن پر کام جاری ہے، ان کی تفصیل کچھ یوں ہے

:۔ بحری جہازوں کے فضلے اور تیل کے بہاؤ (Oil Spills) پر قابو۔ ماضی میں 'تسمان اسپرٹ' جیسے بڑے حادثات سے سبق سیکھتے ہوئے اب سمندری آلودگی روکنے کے لیے مستقل اقدامات کیے جا رہے ہیں:

۔ نیشنل میرین ڈیزاسٹر ہنگامی پلان کے تحت: پاکستان میری ٹائم سیکیورٹی ایجنسی (PMSA) اور کراچی پورٹ ٹرسٹ (KPT) مل کر ایک ہنگامی پلان کے تحت کام کرتے ہیں۔ سمندر میں تیل بکھرنے کی صورت میں فوری طور پر "بوم ز (Booms) "اور "اسکیمرز (Skimmers) "کا استعمال کیا جاتا ہے جو تیل کو پانی کی سطح پر پھیلنے سے روک کر جذب کر لیتے ہیں۔

بین الاقوامی قوانین (IMO) کی پاسداری پر عمل کرنے کے لئے پاکستان، پورٹس پر آنے والے کمرشل جہازوں کے لیے 'گاربیج اینڈ آئل ریکارڈ بک' کی سختی سے جانچ پڑتال کرتا ہے تاکہ کوئی جہاز بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سمندر میں تیل یا فضلہ نہ پھینکے۔

ہاربر کلین اپ مہم (2026) کا کے تحت حال ہی میں وزارتِ امورِ بحریہ کے تحت کراچی پورٹ پر بڑے پیمانے پر صفائی کی مہم تیز کی گئی ہے، جس کے دوران صرف مئی 2026 کے ابتدائی دو ہفتوں میں سمندر کی سطح سے 58,000 کلو گرام سے زائد تیرتا ہوا کثیف فضلہ اور پلاسٹک نکالا گیا ہے۔

صنعتی فضلہ اور سیوریج کے پانی کا علاج (Water Treatment) کے تحت کراچی کی انڈسٹریز (جیسے سائٹ، کورنگی، اور لانڈھی کے چمڑے اور ٹیکسٹائل کے کارخانے) سمندری حیات کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہیں کیونکہ ان کا کیمیکل والا پانی لیاری اور ملیر ندی کے ذریعے سمندر میں جاتا ہے۔ اس کے لیے ان منصوبوں پر کام ہو رہا ہے:

۔ گریٹر کراچی سیوریج پلان (S-III) کراچی کا سب سے بڑا منصوبہ ہے جس کا مقصد شہر کے مختلف علاقوں میں ٹریٹمنٹ پلانٹس (TPs) کو بحال اور وسیع کرنا ہے تاکہ سمندر میں گرنے سے پہلے گندے پانی کو صاف کیا جا سکے۔ اگرچہ اس کی رفتار سست رہی ہے، لیکن اب اس پر دباؤ بڑھایا جا رہا ہے

۔

کمبائنڈ ایفلوئنٹ ٹریٹمنٹ پلانٹس :(CETPs) وفاقی اور سندھ حکومت مل کر صنعتی زونز کے لیے مشترکہ ٹریٹمنٹ پلانٹس لگا رہی ہے تاکہ کارخانوں کا زہریلا پانی سمندر میں جانے سے پہلے کیمیکلز سے پاک کیا جا سکے

۔سندھ انوائرمنٹل پروٹیکشن ایجنسی (SEPA) کی مہم بھی موثر انداز سے جاری ہے قانون کے مطابق اب صنعتی یونٹس کے لیے اپنے طور پر ویسٹ ٹریٹمنٹ پلانٹ لگانا لازمی قرار دیا جارہا ہے، اور خلاف ورزی کرنے والی فیکٹریوں کو جرمانے اور سیل کرنے کے نوٹسز دیے جارہے ہیں۔

۔پلاسٹک اور دیگر کچرے کا سدِباب (سورس ٹو سی اپروچ) پلیز (PLEASE) پراجیکٹ (2026): جنوری 2026 میں پاکستان نے ورلڈ بینک اور سارک کے ماحولیاتی ادارے (SACEP) کے تعاون سے "پلاسٹک فری ریورز اینڈ سیز" منصوبے کے تحت اسلام آباد اور کراچی میں اہم مشاورت مکمل کی ہے۔ اس کا مقصد دریاؤں اور ندیوں کے راستے سمندر میں جانے والے پلاسٹک کو روکنا ہے۔ علاوہ ازیں ملک کے مختلف شہروں اور ساحلی پٹیوں پر یکبارگی استعمال ہونے والے پلاسٹک (تھیلوں اور برتنوں) پر پابندی کے قوانین لاگو کیے جارہے ہیں کیونکہ یہی پلاسٹک سمندری کچھوؤں اور مچھلیوں کی موت کا سبب بنتا ہے۔

پاکستان نے اپنے ساحلوں کو کٹاؤ اور آلودگی کے اثرات سے بچانے کے لیے سندھ اور بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں 50 لاکھ سے زائد مینگرووز (تیمر کے پودے) لگائے ہیں۔ یہ ساحلی جنگلات نہ صرف سمندری پانی کو قدرتی طور پر فلٹر کرتے ہیں بلکہ مچھلیوں اور جھینگوں کی نرسری کا کام بھی کرتے ہیں۔

قوانین اور کاغذات کی حد تک اقدامات موجود ہیں، لیکن زمینی حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کو اب بھی ان قوانین پر سختی سے عمل درآمد (Enforcement)، ٹریٹمنٹ پلانٹس کے لیے فنڈز کی باقاعدہ فراہمی، اور بلدیاتی اداروں کے درمیان بہتر ہم آہنگی کی شدید ضرورت ہے تاکہ کراچی کے سمندر کو مستقل طور پر بچایا جاسکے۔

آبی حیات کے ساتھ ماحولیاتی چیلنجز سے نمٹنے کے لیے بھی پاکستان نے متعدد اہم اقدامات کیے ہیں۔ ان میں بلین ٹری سونامی اور بعد ازاں ٹین بلین ٹری سونامی پروگرام نمایاں ہیں جن کا مقصد جنگلات کے رقبے میں اضافہ اور ماحولیاتی توازن کی بحالی ہے۔ اسی طرح صاف توانائی کے فروغ، شمسی توانائی کے استعمال، الیکٹرک گاڑیوں کی حوصلہ افزائی، قومی موسمیاتی تبدیلی پالیسی، گلیشیئرز کے تحفظ اور آبی وسائل کے بہتر انتظام کے لیے مختلف منصوبوں پر کام جاری ہے۔

پاکستان کو 2021ء میں ماحولیات کے عالمی دن کی عالمی میزبانی کا اعزاز بھی حاصل ہوا، جس کا مرکزی موضوع "Ecosystem Restoration" (ماحولیاتی نظام کی بحالی) تھا۔ یہ اعزاز اس بات کا اعتراف تھا کہ پاکستان جنگلات کی بحالی اور ماحول دوست اقدامات کے میدان میں نمایاں کردار ادا کررہا ہے۔ تعلیمی اداروں میں ماحولیاتی تعلیم کے فروغ، شجرکاری مہمات اور نوجوانوں کی بڑھتی ہوئی شمولیت بھی ایک مثبت پیش رفت ہے۔ تنبیہما حولیات کا عالمی دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ زمین ہمارا واحد گھر ہے اور اس کا تحفظ ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ پاکستان جیسے ملک کے لیے، جو موسمیاتی تبدیلیوں کے اثرات کا براہِ راست سامنا کررہا ہے، ماحول کا تحفظ محض ایک ماحولیاتی ضرورت نہیں بلکہ قومی سلامتی، معاشی استحکام اور آنے والی نسلوں کے مستقبل کا مسئلہ بن چکا ہے۔ اگر حکومت، نجی شعبہ اور عوام مل کر ماحول دوست طرزِ زندگی اپنائیں تو ایک محفوظ، سرسبز اور پائیدار پاکستان کا خواب حقیقت بن سکتا ہے۔



4جون۔۔۔جارحیت کا شکار معصوم بچوں کا عالمی دن اور پاکستان میں کئے گئے اقدامات کا جائزہ۔

ہر سال4جون کو دنیا بھر میں جارحیت کا شکار معصوم بچوں کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔یہ دن ان لاکھوں بچوں کے ساتھ اظہارِ یکجہتی اور ہمدردی کا عالمی موقع ہے جو جنگوں، مسلح تنازعات، دہشت گردی، تشدد، جبری نقل مکانی اور استحصال کا شکار بنتے ہیں۔ معصوم بچے کسی بھی تنازعے کے فریق نہیں ہوتے، لیکن بد قسمتی سے جنگوں اور بحرانوں کے سب سے زیادہ متاثرین انہی کو بننا پڑتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اقوامِ متحدہ نے اس دن کو بچوں کے حقوق، تحفظ اور امن کے فروغ کے لیے ایک اہم عالمی یاددہانی کے طور پر مختص کیا ہے ۔اس دن کی بنیاد 19 اگست 1982ء کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ایک خصوصی اجلاس میں رکھی گئی۔اس وقت لبنان میں جاری جنگ کے دوران بڑی تعداد میں فلسطینی اور لبنانی بچے بمباری اور تشدد کا نشانہ بنے، جس نے عالمی ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔اقوامِ متحدہ نے اس انسانی المیے پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ ہر سال4جون کو ان معصوم بچوں کی یاد میں عالمی دن منایا جائے گا جو جارحیت اور مسلح تنازعات کے باعث اپنی جانوں، صحت، تعلیم اور محفوظ مستقبل سے محروم ہو جاتے ہیں۔

بعد ازاں یہ دن صرف جنگی متاثرین تک محدود نہ رہا بلکہ ہر قسم کے جسمانی، ذہنی اور جذباتی تشدد کا شکار بچوں کے حقوق کے تحفظ کی علامت بن گیا

۔اس عالمی دن کا بنیادی مقصد دنیا کو یہ احساس دلانا ہے کہ بچوں کا تحفظ محض اخلاقی ذمہ داری نہیں بلکہ ایک قانونی اور انسانی فریضہ بھی ہے۔یہ دن اقوامِ متحدہ کے بچوں کے حقوق کے کنونشن (Convention on the Rights of the Child – CRC) کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے، جو بچوں کے تحفظ، تعلیم، صحت اور باعزت زندگی کے حق کی ضمانت دیتا ہے۔اس موقع پر عالمی برادری اس عزم کا اعادہ کرتی ہے کہ بچوں کو جنگی جرائم، انسانی اسمگلنگ، جبری مشقت، جنسی استحصال، بھوک، بے گھر ہونے اور نفسیاتی صدمات سے بچانے کے لیے مزید مؤثر اقدامات کیے جائیں۔ آج دنیا کے مختلف خطوں، خصوصاً غزہ، فلسطین، شام، یمن، سوڈان اور یوکرین میں لاکھوں بچے جنگ اور عدم استحکام کے باعث شدید مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔اقوامِ متحدہ، UNICEFاور دیگر بین

الاقوامی امدادی ادارے اس دن کے ذریعے نہ صرف عالمی توجہ حاصل کرتے ہیں بلکہ متاثرہ بچوں کی تعلیم، صحت، خوراک اور نفسیاتی بحالی کے لیے امدادی پروگراموں کو بھی فروغ دیتے ہیں۔ اس دن کی بدولت بچوں کو نشانہ بنانے والے عناصر اور ریاستوں پر بین الاقوامی سفارتی دباؤ بڑھتا ہے اور عالمی سطح پر احتساب کی آواز مضبوط ہوتی ہے

۔پاکستان کے لیے اس دن کی اہمیت خصوصی حیثیت رکھتی ہے۔ گزشتہ دو دہائیوں کے دوران پاکستان نے دہشت گردی، انتہاپسندی، قدرتی آفات اور سماجی مسائل کے باعث بچوں کو درپیش سنگین خطرات کا مشاہدہ کیا ہے۔ خصوصاً Army Public School Peshawar Attack جیسے دلخراش سانحات نے پوری قوم کو یہ احساس دلایا کہ بچوں کا تحفظ قومی سلامتی اور سماجی استحکام کا بنیادی جزو ہے۔ اسی طرح سیلاب، زلزلوں اور دیگر قدرتی آفات کے دوران لاکھوں بچے تعلیم، صحت اور محفوظ ماحول سے محروم ہوئے، جس نے بچوں کے تحفظ کے مؤثر نظام کی ضرورت کو مزید نمایاں کیا

۔پاکستان نے بچوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے مختلف قانونی اور ادارہ جاتی اقدامات بھی کیے ہیں۔ Zainab Alert Response and Recovery Act، چائلڈ لیبر کے خلاف قوانین، بچوں کے ساتھ زیادتی کے انسداد کے اقدامات اور صوبائی سطح پر چائلڈ پروٹیکشن اتھارٹیز کا قیام اسی سلسلے کی اہم پیش رفت ہیں۔ تاہم اب بھی کم عمری کی مزدوری، بچوں کی اسمگلنگ، اسکول سے باہر بچوں کی بڑی تعداد، جسمانی سزا اور غذائی قلت جیسے مسائل پاکستان کے لیے اہم چیلنجز ہیں جن کے حل کے لیے مسلسل کوششوں کی ضرورت ہے

۔4 جون دنیا کو یہ پیغام دیتا ہے کہ بچے کسی بھی قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ اور پُرامن مستقبل کی ضمانت ہوتے ہیں۔ جب تک دنیا کا کوئی بھی بچہ جنگ، تشدد، بھوک، خوف، استحصال یا تعلیم سے محرومی کا شکار ہے، تب تک انسانی ترقی کا سفر نامکمل رہے گا۔ اس دن کا حقیقی تقاضا یہ ہے کہ حکومتیں، تعلیمی ادارے، والدین، میڈیا اور سماجی تنظیمیں مل کر ایسا معاشرہ تشکیل دیں جہاں ہر بچہ محفوظ، تعلیم یافتہ، باوقار اور پُرامن زندگی گزار سکے۔ یہی اس عالمی دن کا اصل پیغام اور انسانیت کے روشن مستقبل کی بنیاد ہے۔



بائیسکل کا عالمی دن: بین الاقوامی رجحانات اور پاکستان میں متبادل سواری کا مستقبل

ہر سال 3 جون کو منایا جانے والا "بائیسکل کا عالمی دن (World Bicycle Day) "دراصل ایک انتہائی سستی، ماحول دوست اور صحت بخش سواری کی اہمیت کو تسلیم کرنے کا دن ہے۔ یہ محض ایک تقریب نہیں بلکہ پائیدار ترقی، ماحولیاتی تحفظ اور صحت مند طرزِ زندگی کے فروغ کی ایک عالمی مہم بن چکا ہے۔

اس دن کو منانے کی تجویز اور مہم کا آغاز بنیادی طور پر پولش نژاد امریکی ماہر سماجیات پروفیسر لیسزیک سبیلسکی (Leszek Sibilski) نے کیا تھا، جنہوں نے اقوام متحدہ میں اس کے لیے زبردست وکالت کی۔ 12 اپریل 2018 کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 72 ویں اجلاس میں اس ضمن میں باقاعدہ طور پر ایک قرارداد منظور کی گئی، جس کے بعد 3 جون 2018 کو دنیا کا پہلا عالمی یومِ بائیسکل منایا گیا۔ اس تاریخی قرارداد کو ترکمانستان نے اقوام متحدہ میں پیش (Spearhead) کیا تھا، جبکہ پاکستان سمیت دنیا کے دیگر 56 ممالک نے اس کی مشترکہ تائید (Co-sponsor) کی تھی۔

آج یہ دن کسی ایک خطے تک محدود نہیں بلکہ دنیا بھر میں پوری آب و تاب کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کے اہم مراکز (نیویارک اور جنیوا) میں ہر سال عالمی ادارہ صحت (WHO) اور دیگر ذیلی تنظیموں کے اشتراک سے سائیکل ریلیاں اور سیمینارز منعقد کیے جاتے ہیں۔ یورپی ممالک، جیسے نیدرلینڈز، ڈنمارک، پولینڈ اور سوئٹزرلینڈ — جہاں سائیکلنگ پہلے ہی روزمرہ زندگی کا لازمی حصہ ہے — وہاں خصوصی "کار فری ڈیز (Car-free days) "، بچوں کے لیے ٹریکس اور بائیک ٹورز کا انعقاد ہوتا ہے۔ انٹرنیشنل سائیکلنگ یونین (UCI) سوئٹزرلینڈ میں اس دن بڑے پیمانے پر اسکول کے بچوں اور سفارت کاروں کے لیے ایونٹس منعقد کرتی ہے۔ دوسری جانب ایشیا اور افریقہ کے ممالک بشمول چین، بھارت اور وسطی ایشیائی ریاستوں (خصوصاً ترکمانستان، جہاں صدارتی سطح پر سرپرستی کی جاتی ہے) میں عوامی سطح پر بڑی ریلیاں نکالی جاتی ہیں۔

پاکستان ان بانی ممالک میں شامل ہے جنہوں نے 2018 میں اس دن کو منانے کی قرارداد کی تائید کی تھی۔ ملک میں پچھلے چند برسوں سے اس دن کو منانے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ اسلام آباد، لاہور اور کراچی جیسے بڑے شہروں میں "Critical Mass" اور مختلف سائیکلنگ کلبز کے تعاون سے 3 جون کو خصوصی ریلیاں نکالی جاتی ہیں۔ اسلام آباد میں کانسٹیٹیوشن ایونیو اور مارگلہ روڈ، جبکہ لاہور میں کینال روڈ اور ڈی ایچ اے جیسے علاقوں میں صبح سویرے سینکڑوں سائیکلسٹ، جن میں خواتین اور بچے بھی شامل ہوتے ہیں،

اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان ریلیوں میں اسلام آباد میں متعین غیر ملکی سفارت کار (خصوصاً یورپی اور وسطی ایشیائی ممالک کے سفیر) بھی پاکستانی عوام کے ساتھ مل کر سائیکل چلاتے ہیں اور ماحول دوستی کا پیغام دیتے ہیں۔

پاکستان میں اس دن کا سب سے بڑا مقصد بڑھتی ہوئی فضائی آلودگی (جیسے اسموگ کا سنگین مسئلہ) اور پیٹرول کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے پیشِ نظر سائیکل کو متبادل اور سستی سواری کے طور پر متعارف کروانا ہے۔ اس کے علاوہ ذیابیطس اور امراضِ قلب سے بچاؤ کے لیے بھی آگاہی مہم چلائی جاتی ہے۔ اب مختلف شہروں میں پبلک ٹرانسپورٹ کے ساتھ سائیکل شیئرنگ سروسز اور یونیورسٹی کیمپسز کے اندر اس کے استعمال کو فروغ دینے کے لیے خصوصی منصوبوں کا آغاز کیا جا رہا ہے

اگر عالمی سطح پر سائیکل کے استعمال کا جائزہ لیا جائے تو نیدرلینڈز اس فہرست میں پہلے نمبر پر ہے۔ یہاں کی آبادی (تقریباً 1.7 کروڑ) سے زیادہ سائیکلوں کی تعداد (تقریباً 2.3 کروڑ) ہے۔ نیدرلینڈز میں 26٪ سے 30٪ لوگ روزمرہ کے تمام کاموں (دفتر، اسکول، شاپنگ) کے لیے سائیکل استعمال کرتے ہیں، جبکہ ایمسٹرڈیم اور اتریخت (Utrecht) جیسے شہروں میں یہ شرح 50٪ سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ ڈنمارک اس فہرست میں دوسرے نمبر پر ہے، جہاں کے دارالحکومت کوپن ہیگن میں 52٪ لوگ روزانہ سائیکل پر کام کاج کے لیے نکلتے ہیں۔

بہترین انفراسٹرکچر اور سائیکل فرینڈلی پالیسیوں کے لحاظ سے دنیا کے پانچ بڑے ممالک درج ذیل ہیں:

1۔ نیدرلینڈز (Netherlands) ہموار (Flat) راستے اور دنیا کا بہترین سائیکل ٹریک نیٹ ورک۔ 2۔ ڈنمارک (Denmark) مضبوط سائیک۔ لنگ کلچر اور مخصوص بائیک بریجز۔ 3۔ جرمنی (Germany) طویل فاصلے کے محفوظ سائیکل راستے 4 (Radfernwege) ۔ سویڈن (Sweden) انتہائی محفوظ اور جدید سائیکلنگ پالیسیاں۔ 5۔ ناروے / فن لینڈ شدید سرد موسم کے باوجود بائیک شیئرنگ کا بہترین نظام

نوٹ: اگر صرف بائیسکل کی کل تعداد کی بات کی جائے تو چین دنیا میں سب سے آگے ہے جہاں 45 کروڑ سے زیادہ سائیکلیں موجود ہیں، لیکن آبادی کے تناسب اور روزمرہ استعمال کے لحاظ سے نیدرلینڈز اور دیگر یورپی ممالک ہی سرِ فہرست ہیں۔

عالمی رجحانات کے برعکس، پاکستان میں روزمرہ سواری (Daily Commute) کے طور پر سائیکل کا استعمال بہت کم یعنی محض 1٪ سے 2٪ کے درمیان ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے بڑے شہروں میں سائیکلوں کے لیے الگ ٹریکس موجود نہیں ہیں اور مخلوط ٹریفک کے دباؤ کی وجہ سے اسے غیر محفوظ سمجھا جاتا ہے۔ پاکستان میں سائیکل کو دو انتہاؤں پر دیکھا جاتا ہے؛ یا تو اسے غریب اور متوسط طبقے کے لوگ محنت مزدوری اور اندرونِ شہر آمد و رفت کے لیے استعمال کرتے ہیں، یا پھر متمول طبقہ اسے صرف فٹنس اور ہیلتھ سپورٹس کے طور پر اپناتا ہے۔ البتہ، حالیہ برسوں میں پٹرول کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافے کی وجہ سے عام شہریوں میں اس کے استعمال میں معمولی اضافہ دیکھا گیا ہے۔

پاکستان میں سائیکل سازی کی صنعت بنیادی طور پر لاہور اور اس کے قریبی صنعتی علاقوں (جیسے شاہدرہ اور کالا شاہ کاکو) میں مرکوز ہے۔ اس صنعت میں "سہراب (Sohrab) "پاکستان کی مشہور ترین مقامی کمپنی ہے، جس کے ساتھ ساتھ کئی چھوٹے مینوفیکچررز سائیکل کے پرزہ جات تیار کرتے ہیں

۔اس وقت ملک کی سالانہ مقامی پیداوار تقریباً 3 لاکھ سے 4 لاکھ یونٹس کے قریب ہے۔ مقامی انڈسٹری زیادہ تر روایتی بلیک سائیکلیں بناتی ہے، جبکہ اسپورٹس اور گیئر والی جدید سائیکلیں زیادہ تر چین سے درآمد کی جاتی ہیں۔ پچھلے دو سالوں (2024 اور 2025) کے دوران روپے کی قدر میں کمی اور امپورٹڈ پرزوں کی قیمتیں بڑھنے کی وجہ سے لوکل مینوفیکچرنگ کی لاگت میں نمایاں اضافہ ہوا، جس کے باعث مقامی پیداوار میں کوئی بڑا اضافہ دیکھنے میں نہیں آیا بلکہ مارکیٹ معمولی گراوٹ یا جمود کا شکار رہی۔

پاکستان مکمل تیار شدہ بائیسکل بہت ہی کم تعداد میں بیرونِ ملک بھیجتا ہے۔ ہماری برآمدات زیادہ تر سائیکل کے پرزہ جات (Bicycle Parts) اور ٹائرز پر مشتمل ہیں، جو بنیادی طور پر افریقی ممالک (جیسے کینیا، زمبابوے، مڈغاسکر) اور کچھ حد تک امریکہ اور برطانیہ کو برآمد کی جاتی ہیں۔

پاکستان بیورو آف سٹیٹسٹکس (PBS) اور عالمی تجارتی ڈیٹا کے مطابق، پاکستان کی سائیکل اور اس کے پارٹس کی سالانہ کل برآمدات محض 1 لاکھ سے ڈیڑھ لاکھ امریکی ڈالرز ($100,000 - $150,000) کے درمیان محدود رہتی ہیں۔ حالیہ اور گزشتہ سال کے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ اس حجم میں کوئی نمایاں پیش رفت نہیں ہوئی، کیونکہ عالمی مارکیٹ میں پاکستان کو چین کی سستی، ہلکی اور جدید بائیسکلز سے شدید ترین مقابلے کا سامنا ہے۔ اگر حکومت انفراسٹرکچر کی فراہمی اور مقامی انڈسٹری کو جدید خطوط پر استوار کرنے کے لیے پالیسیاں بنائے، تو سائیکل نہ صرف ملکی سطح پر ایندھن کی بچت کا ذریعہ بن سکتی ہے بلکہ برآمدات میں بھی اضافہ کر سکتی ہے



3جون 1947۔ تقسیم ہندوستان کا منصوبہ۔نہرو-ماونٹ بیٹن گٹھ جوڑ یا حالات کا جبر

برصغیر پاک وہند کی تاریخ میں 3جون 1947 کا منصوبہ (جسے ماؤنٹ بیٹن پلان یا منصوبہ تقسیم ہند بھی کہا جاتا ہے) ایک انتہائی اہم موڑ تھا۔ ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ لوئس ماؤنٹ بیٹن نے یہ منصوبہ برطانوی حکومت کی منظوری کے بعد پیش کیا

اس منصوبے کا بنیادی مقصد برصغیر سے برطانوی اقتدار کا خاتمہ اور اسے دو آزاد مملکتوں (پاکستان اور بھارت) میں تقسیم کرنا تھا۔ اس کے اہم نکات یہ تھے:

1۔ یہ طے پایا کہ پنجاب اور بنگال کی صوبائی اسمبلیوں کے مسلم اور غیر مسلم اکثریتی اضلاع کے ارکان الگ الگ بیٹھک کریں گے۔ اگر کوئی بھی حصہ صوبے کی تقسیم کے حق میں ووٹ دے گا، تو صوبے کو تقسیم کر دیا جائے

2۔ سندھ کی صوبائی اسمبلی کو خود یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ کس ملک (پاکستان یا بھارت) کی آئین ساز اسمبلی میں شامل ہونا چاہتی ہے۔

3۔ صوبہ سرحد اور آسام کے مسلم اکثریتی ضلع سلہٹ کے عوام کو Referendum کے ذریعے یہ حق دیا گیا کہ وہ پاکستان یا بھارت میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں گے۔

4۔ بلوچستان کا فیصلہ وہاں کے شاہی جرگے اور کوئٹہ میونسپلٹی کے ارکان کی رائے کے مطابق ہونا تھا۔

5۔ برصغیر کی دیسی ریاستوں (Princely States) کو اختیار دیا گیا کہ وہ جغرافیائی حالات اور اپنی عوام کی امنگوں کے مطابق پاکستان یا بھارت میں سے کسی کے ساتھ الحاق کر لیں یا آزاد رہیں۔

6۔ پنجاب اور بنگال کی درست تقسیم اور سرحدوں کے تعین کے لیے ایک باقاعدہ حد بندی کمیشن قائم کیا جائے گا (جس کی سربراہی بعد میں سر ریڈ کلف کو دی گئی)۔

پہلے برطانوی حکومت جون 1948 تک اقتدار منتقل کرنا چاہتی تھی، لیکن اس منصوبے میں اسے قبل از وقت کر کے 15 اگست 1947 مقرر کر دیا گیا۔

اس منصوبے پر دونوں بڑی سیاسی جماعتوں سے تفصیلی مشاورت کی گئی تھی۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مارچ 1947 میں چارج سنبھالتے ہی برصغیر کے تمام اہم سیاسی رہنماؤں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے قائد محمد علی جناح اور کانگریس کے رہنماؤں جیسے جواہر لال نہرو، سردار پٹیل اور مہاتما گاندھی سے طویل مذاکرات کیے۔ ماؤنٹ بیٹن نے جب یہ محسوس کر لیا کہ متحدہ ہندوستان کا برقرار رہنا اب ناممکن ہے اور قائداعظم پاکستان کے مطالبے سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں، تو انہوں نے تقسیم کا یہ فارمولا تیار کیا۔

منصوبے کو برطانوی کابینہ سے منظور کروانے کے بعد، 2 جون 1947 کو ماؤنٹ بیٹن نے تمام اہم رہنماؤں (جناح، نہرو، پٹیل، کرپلانی، لیاقت علی خان، عبدالرب نشتر اور بلدیو سنگھ) کی ایک مشترکہ میٹنگ بلائی اور ان کے سامنے یہ فائنل پلان رکھا۔

اگرچہ یہ منصوبہ تکنیکی اور سیاسی طور پر ایک متفقہ فیصلہ بن کر سامنے آیا کیونکہ دونوں جماعتوں نے بالآخر اسے باقاعدہ قبول کر لیا تھا، لیکن دلی طور پر کوئی بھی فریق اس سے پوری طرح خوش نہیں تھا۔ اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

قائداعظم محمد علی جناح ایک مکمل پنجاب اور مکمل بنگال کے ساتھ پاکستان چاہتے تھے۔ وہ صوبوں کی تقسیم کے خلاف تھے اور اسے "کٹڑے ہوئے اور دیمک زدہ (Truncated and Moth-eaten) "پاکستان سے تعبیر کرتے تھے۔ لیکن برصغیر کے مسلمانوں کے مستقبل اور آزاد وطن کے حصول کے لیے انہوں نے "ناگزیر" سمجھتے ہوئے اس منصوبے کو قبول کیا۔ جبکہ

کانگریس ہمیشہ سے "اکھنڈ بھارت" (متحدہ ہندوستان) کی حامی تھی اور ملک کی تقسیم کے شدید خلاف تھی۔ لیکن اس وقت ملک بھر میں ہونے والے بھیانک فرقہ وارانہ فسادات اور عبوری حکومت کی ناکامی کے بعد، نہرو اور پٹیل اس نتیجے پر پہنچے کہ ملک کو مزید خانہ جنگی سے بچانے کا واحد حل تقسیم ہی ہے۔ گاندھی جی آخری وقت تک اس تقسیم کے خلاف تھے، مگر حالات کے جبر کے آگے انہوں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

3 جون 1947 کی شام کو آل انڈیا ریڈیو پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن، جواہر لال نہرو، قائداعظم محمد علی جناح اور سکھ رہنما بلدیو سنگھ نے یکے بعد دیگرے تقریریں کیں اور اس منصوبے کو قبول کرنے کا باقاعدہ اعلان کیا۔ بعد ازاں مسلم لیگ کی کونسل اور کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اپنے الگ الگ اجلاسوں میں بھاری اکثریت سے اس منصوبے کی منظوری دی، جس کے بعد یہ برصغیر کی آزادی اور تقسیم کا حتمی اور قانونی دستاویز بن گیا۔

تقسیمِ ہند اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے کردار پر پاکستانی حلقوں اور مؤرخین کے ہاں یہ تاثر ہے کہ کانگرس نے اس کے ساتھ مل کر اس پلان کو اس انداز سے ڈرافٹ اور مکمل کیا کہ پاکستان مسائل میں ہی الجھا رہے اور یہ تاثر ایک جذباتی دعویٰ نہیں ہے، بلکہ اس کے پیچھے ٹھوس تاریخی شواہد، واقعات کا تسلسل اور ماؤنٹ بیٹن کے پنڈت نہرو اور کانگریس کے ساتھ ذاتی و سیاسی تعلقات موجود ہیں۔ جس میں یہ حقائق نظر انداز نہیں کئے جاسکتے کہ

باؤنڈری کمیشن (ریڈکلف لائن) میں مبینہ تبدیلیاں کرنا پاکستان کا سب سے بڑا اور مضبوط اعتراض ہے۔ مسلم اکثریت کا ضلع گورداسپور (خاص طور پر پٹھانکوٹ کی تحصیل) آخری وقت میں پاکستان کے بجائے بھارت کو دے دیا گیا۔ اس فیصلے نے بھارت کو کشمیر تک زمینی رسائی فراہم کی، جس کے بغیر کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق جغرافیائی طور پر تقریباً ناممکن تھا۔ ریڈکلف کے سیکرٹری کرسٹوفر بیومونٹ کے بعد میں سامنے آنے والے بیانات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ نقشے میں آخری وقت پر تبدیلیاں کی گئیں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے برطانوی پارلیمنٹ کی طے کردہ تاریخ (جون 1948) سے تقریباً دس ماہ پہلے، اگست 1947 میں ہی اقتدار منتقل کر دیا۔ اتنی بڑی ہجرت اور تقسیمِ اثاثہ جات کے لیے یہ وقت انتہائی کم تھا، جس کی وجہ سے بڑے پیمانے پر قتل و غارت گری ہوئی اور پاکستان انتظامی بحران کا شکار ہو گیا۔

ماؤنٹ بیٹن کی شدید خواہش تھی کہ وہ بھارت اور پاکستان دونوں کے مشترکہ گورنر جنرل بنیں۔ مگر قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کی مکمل خود مختاری کے تحفظ کے لیے اس تجویز کو مسترد کر دیا اور خود یہ عہدہ سنبھالا۔ کہا جاتا ہے کہ اس فیصلے سے ماؤنٹ بیٹن کی انا کو ٹھیس پہنچی، جس کا اثر بعد کے معاملات پر پڑا۔ جس میں اثاثوں اور فوج کی تقسیم میں رکاوٹیں ڈالنا شامل ہے پاکستان کو اس کے حصے کے مالی اثاثے (75 کروڑ روپے) اور فوجی ساز و سامان روکنے میں بھارتی حکومت کو ماؤنٹ بیٹن کی طرف سے وہ سختی دیکھنے کو نہیں ملی جو ایک غیر جانبدار سپریم کمانڈر کی طرف سے ہونی چاہیے تھی۔

پھر لارڈ ماونٹ بیتن کا 1976 میں بی بی سی کو دی گیا ایک انٹرویو بھی عوام کے سامنے ہے۔ جس میں اس نے اعتراف کیا کہ اگر اسے محمد علی جناح کی بیماری کی شدت کا ادراک ہوتا تو وہ تقسیم کے عمل کو موخر کر دیتا اور قائداعظم کے بعد تقسیم ہند کی نوبت ہی نہ آتی۔

دوسری جانب، برطانوی مؤرخین اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے حامی ان اقدامات کا دفاع دوسرے زاویے سے کرتے ہیں کہ برطانیہ پر جلد نکلنے کا دباؤ تھا کیونکہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد برطانیہ اقتصادی طور پر دیوالیہ ہو چکا تھا اور برصغیر میں امن و امان قائم رکھنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج اور فرقہ وارانہ فسادات کے پیشِ نظر برطانوی حکومت کا خیال تھا کہ اگر جلد از جلد اقتدار منتقل نہ کیا گیا تو پورا ہندوستان خانہ جنگی

کی لپیٹ میں آجائے۔ ریڈکلف لائن کے حامیوں کا کہنا ہے کہ سرحدوں کا تعین صرف آبادی کے تناسب سے نہیں، بلکہ نہری نظام، ریلوے لائنوں اور انتظامی سہولت کو دیکھ کر بھی کیا گیا (جیسے 'سائنوپٹک فیکٹرز' کہا جاتا ہے)۔

ماؤنٹ بیٹن کے پنڈت نہرو کے ساتھ قریبی تعلقات کو سیاسی ہم آہنگی کا نام دیا جاتا ہے۔ کانگریس ایک متحدہ ہندوستان یا مضبوط مرکز چاہتی تھی، جو برطانوی فلسفے کے زیادہ قریب تھا، جبکہ مسلم لیگ کا مطالبہ بالکل الگ تھا، اس لیے کانگریس اور برطانوی حکام کے درمیان انڈرسٹینڈنگ زیادہ آسان دکھائی دیتی تھی۔

اگر تمام شواہد کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا جھکاؤ کانگریس کی طرف زیادہ تھا اور ان کے فیصلوں نے نوزائیدہ ریاست پاکستان کے لیے ایسے جغرافیائی، معاشی اور سیاسی مسائل پیدا کیے جن کا خمیازہ دونوں ممالک آج تک بھگت رہے ہیں (جیسے مسئلہ کشمیر اور پانی کا تنازع)۔ تاہم، یہ کہنا کہ یہ سب کچھ صرف پاکستان کو جان بوجھ کر تباہ کرنے کے لیے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا گیا، شاید تاریخ کو صرف ایک رخ سے دیکھنا ہو گا۔ برطانوی راج کا اصل مقصد اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو بچانا، برصغیر سے باوقار طریقے سے نکلنا اور مستقبل میں بھارت (جو کہ ایک بڑی مارکیٹ اور طاقت تھا) کو برطانوی دولتِ مشترکہ (Commonwealth) کا حصہ بنائے رکھنا تھا۔ اس بڑے جیوپولیٹیکل مقصد کے حصول میں پاکستان کے مفادات کو پس پشت ڈال دیا گیا، جسے پاکستانی حلقوں میں ماؤنٹ بیٹن کی بدنیتی اور کانگریس نوازی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔



یکم جون: بچوں اور دودھ کا عالمی دن — پاکستان کے لیے اہم پیغام

یکم جون دنیا بھر میں دو اہم عالمی دنوں کے طور پر منایا جاتا ہے: بچوں کا بین الاقوامی دن (International Children's Day) اور دودھ کا عالمی دن (World Milk Day)۔ یہ دونوں مواقع انسانی ترقی، صحت، غذائیت اور مستقبل کی نسلوں کی فلاح و بہبود سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ ایک دن بچوں کے حقوق، تحفظ اور تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے جبکہ دوسرا دودھ اور ڈیری شعبے کی غذائی و معاشی اہمیت کو نمایاں کرتا ہے۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کے لیے یہ دونوں دن خصوصی اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ ملک کی آبادی کا بڑا حصہ بچوں پر مشتمل ہے اور معیشت میں لائیو اسٹاک و ڈیری سیکٹر بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

بچوں کے بین الاقوامی دن کی بنیاد 1925ء میں جنیوا میں منعقد ہونے والی عالمی کانفرنس برائے فلاحِ اطفال سے جڑی ہوئی ہے، تاہم یکم جون کو اس دن کے باقاعدہ انعقاد کا فیصلہ 1949ء میں ماسکو میں ہونے والے ویمنز انٹرنیشنل ڈیموکریٹک فیڈریشن کے اجلاس میں کیا گیا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد لاکھوں متاثرہ بچوں کی بحالی، تحفظ اور بنیادی حقوق کے فروغ کے لیے یہ دن 1950ء سے باقاعدگی سے منایا جا رہا ہے۔ اس دن کا بنیادی مقصد بچوں کے حقِ تعلیم، صحت، مناسب خوراک، تحفظ اور خوشگوار ماحول کی فراہمی کو یقینی بنانا اور چائلڈ لیبر، تشدد، استحصال اور کم عمری کی شادیوں جیسے مسائل کے خلاف عالمی شعور بیدار کرنا ہے۔ اگرچہ اقوامِ متحدہ کا سرکاری عالمی یومِ اطفال 20 نومبر کو منایا جاتا ہے، لیکن یکم جون کا دن آج بھی دنیا کے درجنوں ممالک میں بڑے پیمانے پر منایا جاتا ہے۔

گزشتہ چند دہائیوں میں بچوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے عالمی سطح پر نمایاں پیش رفت ہوئی ہے۔ اقوامِ متحدہ کے کنونشن برائے حقوقِ طفل (CRC) اور مختلف بین الاقوامی پروگراموں کے نتیجے میں دنیا بھر میں ویکسینیشن کی شرح میں اضافہ ہوا، بچوں کی اموات میں نمایاں کمی آئی، پرائمری تعلیم تک رسائی بہتر ہوئی اور لڑکیوں کی تعلیم کے فروغ کے لیے خصوصی اقدامات کیے گئے۔ اس کے باوجود آج بھی دنیا کے کروڑوں بچے غربت، مسلح تنازعات، غذائی قلت، جبری مشقت اور تعلیمی محرومی کا شکار ہیں۔ غزہ، یوکرین، سوڈان اور افریقہ کے مختلف خطوں میں جاری تنازعات نے ایک بار پھر بچوں کے تحفظ کے عالمی نظام کو چیلنج کر دیا ہے۔

پاکستان کے تناظر میں دیکھا جائے تو ان عالمی کوششوں کے مثبت اثرات واضح طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ ملک میں پولیو کے خاتمے، حفاظتی ٹیکہ جات، ماں اور بچے کی صحت کے پروگراموں اور غذائی تحفظ کی متعدد مہمات نے لاکھوں بچوں کی زندگیاں بہتر بنانے میں کردار ادا کیا ہے۔ چائلڈ لیبر کے خلاف قوانین، احساس اور بینظیر انکم سپورٹ پروگرام کے تحت تعلیمی معاونت، اور مختلف صوبوں میں اسکولوں سے باہر بچوں کو تعلیم کی طرف واپس لانے کے اقدامات بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ تاہم پاکستان کو اب بھی سنگین چیلنجز کا سامنا ہے۔ لاکھوں بچے اسکولوں سے باہر ہیں، بچوں میں غذائی قلت اور سٹنٹنگ کی شرح خطے کے کئی ممالک سے زیادہ ہے، جبکہ غربت اور معاشی مشکلات بچوں کی تعلیم اور صحت پر منفی اثرات مرتب کر رہی ہیں۔

دوسری جانب دودھ کا عالمی دن 2001ء میں اقوام متحدہ کے ادارے Food and Agriculture Organization (FAO) کے تحت متعارف کرایا گیا۔ اس دن کا مقصد دودھ کو ایک مکمل اور متوازن غذا کے طور پر اجاگر کرنا، ڈیری صنعت کی معاشی اہمیت کو نمایاں کرنا اور دنیا بھر میں ڈیری فارمنگ سے وابستہ کروڑوں افراد کی خدمات کا اعتراف کرنا ہے۔ دودھ پروٹین، کیلشیم، وٹامنز اور دیگر ضروری غذائی اجزاء کا اہم ذریعہ ہے جو خصوصاً بچوں کی جسمانی اور ذہنی نشوونما میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

پاکستان دنیا کے بڑے دودھ پیدا کرنے والے ممالک میں شمار ہوتا ہے اور ملکی زرعی معیشت میں لائیو اسٹاک کا حصہ انتہائی اہم ہے۔ دیہی علاقوں میں لاکھوں خاندانوں کا روزگار مویشی پالنے اور دودھ کی پیداوار سے وابستہ ہے۔ عالمی سطح پر دودھ کے معیار اور غذائی اہمیت کے بارے میں بڑھتے ہوئے شعور کے نتیجے میں پاکستان میں بھی ڈیری سیکٹر میں جدیدیت آئی ہے، جدید ڈیری فارمز قائم ہوئے ہیں اور دودھ کی پیداوار میں اضافہ ہوا ہے۔ اسی طرح پنجاب اور دیگر صوبوں میں فوڈ اتھارٹیز کے قیام نے ملاوٹ شدہ دودھ کے خلاف نگرانی اور کارروائیوں کو فروغ دیا ہے، جس سے عوامی آگاہی میں اضافہ ہوا ہے۔

اس کے باوجود پاکستان کو ڈیری شعبے میں بھی متعدد مسائل کا سامنا ہے۔ دودھ کی وافر پیداوار کے باوجود خالص اور معیاری دودھ کی دستیابی ہر طبقے تک یکساں نہیں، جبکہ غذائی قلت اور متوازن خوراک کی کمی اب بھی لاکھوں بچوں کی صحت کو متاثر کر رہی ہے۔ ماہرین کے مطابق بچوں میں غذائیت کی کمی، خصوصاً پروٹین اور مائیکرونیوٹرینٹس کی کمی، ملک کے انسانی ترقی کے اشاریوں کو متاثر کرنے والے بڑے عوامل میں شامل ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ دودھ اور دیگر غذائیت بخش غذاؤں تک عام شہریوں، خصوصاً بچوں، کی رسائی کو یقینی بنایا جائے۔

یکم جون کے یہ دونوں عالمی دن ہمیں یہ یاد دلاتے ہیں کہ کسی بھی قوم کا روشن مستقبل اس کے بچوں کی تعلیم، صحت اور غذائی تحفظ سے وابستہ ہوتا ہے۔ پاکستان نے گزشتہ برسوں میں قابلِ ذکر پیش رفت ضرور کی ہے، لیکن بچوں کے حقوق کے مکمل تحفظ، معیاری تعلیم، غذائی قلت کے خاتمے، چائلڈ لیبر کی روک تھام اور محفوظ و صحت مند ماحول کی فراہمی کے لیے اب

ھی بہت کام کرنا باقی ہے۔ یہی وہ سرمایہ کاری ہے جو پاکستان کو ایک مضبوط، خوشحال اور ترقی یافتہ قوم بنانے کی بنیاد فراہم کر سکتی ہے

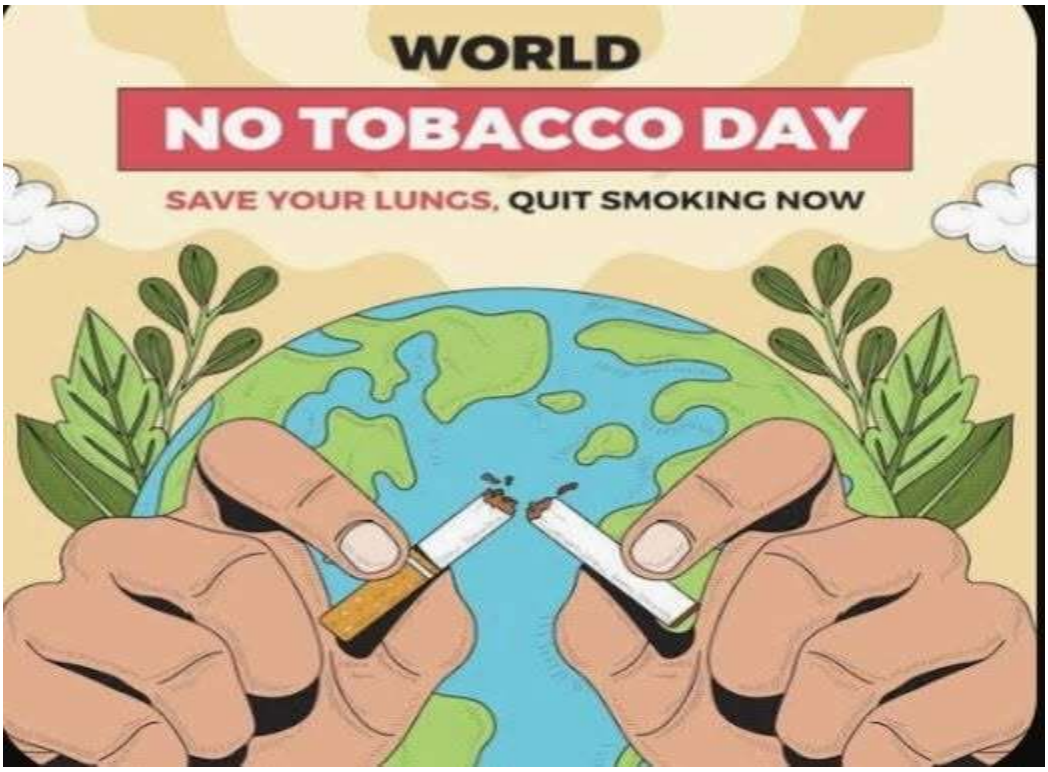

31 مئی تمباکو نوشی کے خلاف عالمی دن۔ مگر تمباکو کی صنعت انتہائی بلندیوں پر۔ حکومتوں کا تضاد۔۔ کاروبار اور تبلیغ ساتھ ساتھ۔ اور پاکستان پر اثرات۔۔

ہر سال 31 مئی کو منایا جانے والا ورلڈ نو ٹوبیکو ڈے (تمباکو نوشی کے خلاف عالمی دن) عوام میں شعور بیدار کرنے کے حوالے سے ایک انتہائی اہم دن ہے۔

اس دن کی ابتدا 1987 میں عالمی ادارہ صحت (WHO) کے رکن ممالک کی جانب سے پیش کی جانے والی ایک قرارداد کے ذریعے ہوئی۔ کسی ایک مخصوص ملک کے بجائے یہ اقوامِ متحدہ کے ذیلی ادارے (WHO) کی ایک عالمی مہم تھی، جس کا ہیڈ کوارٹر جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں ہے۔ پہلی مرتبہ 7 اپریل 1988 کو "عالمی یومِ ترکِ تمباکو نوشی" کے طور پر منایا گیا تھا، لیکن بعد میں 1988 ہی میں ایک اور قرارداد کے ذریعے 31 مئی کی تاریخ مستقل کر دی گئی، اور تب سے یہ ہر سال اسی تاریخ کو منایا اس دن کو منانے کے بنیادی مقاصد میں صحت کے نقصانات سے آگاہی شامل ہے جس کے تحت دنیا بھر کے لوگوں کو تمباکو کے استعمال سے پیدا ہونے والی مہلک بیماریوں (جیسے کینسر، دل اور پھیپھڑوں کے امراض) سے خبردار کیا جاتا ہے۔ سیکنڈ ہینڈ اسموکنگ (دوسروں کے سگریٹ کے دھوئیں کا شکار ہونے والے افراد) خصوصاً بچوں اور نوجوانوں کو اس کے برے اثرات نیز تمباکو کمپنیوں کی ان مارکیٹنگ چالوں کو سامنے لانا جو نئی نسل کو اس لت میں مبتلا کرنے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔

اس وقت دنیا بھر میں تمباکو کی مارکیٹ کا کل حجم تقریباً950 سے 1,000 ارب ڈالرز (1 ٹریلین ڈالر کے قریب) ہے۔ روایتی سگریٹ نوشی میں کمی کے باوجود عالمی مارکیٹ کے مجموعی مالیاتی حجم میں سالانہ تقریباً2.5٪ سے 3.2٪ کا معمولی اضافہ دیکھا گیا ہے، جس کی بڑی وجہ قیمتوں میں اضافہ (Premiumization) ہے پچھلے تین سالوں میں تمباکو کمپنیوں کی بڑی سرمایہ کاری روایتی سگریٹ کے بجائے "نیکسٹ جنریشن پروڈکٹس (NGPs) "یعنی ای سگریٹ(vapes) ،ہیٹیڈ تمباکو (Heated Tobacco) اور نکوٹین پاؤچز (Nicotine Pouches) کی طرف منتقل ہوئی ہے۔ اس وقت اس سیکٹر میں ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ (R&D) پر اربوں ڈالرز لگائے جارہے ہیں۔ عالمی مارکیٹ کے تقریباً80٪ حصے پر فلپ مورس(PMI) ،برٹش امریکن ٹوبیکو(BAT) ،جاپان ٹوبیکو اور امپیریل برانڈز جیسی چند بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں کا کنٹرول ہے۔

پاکستان میں تمباکو کی صنعت ملکی معیشت اور ٹیکس کے نظام میں ایک اہم لیکن متنازع حیثیت رکھتی ہے۔ تمباکو کی کاشت، پروسیسنگ اور مینوفیکچرنگ کا پاکستان کی مجموعی جی ڈی پی میں حصہ 1 فیصد سے کم (تقریباً0.3٪ سے 0.4٪) ہے۔ کم جی ڈی پی شیئر کے باوجود، یہ صنعت حکومت کو ٹیکس دینے والے بڑے ذرائع میں سے ایک ہے۔ فیڈرل بورڈ آف ریونیو (FBR) کے کل ایکسائز ہائی ٹیکسوں (FED) میں سگریٹ کا حصہ تقریباً10٪ سے 12٪ ہوتا ہے۔ سال 2025 کے اعداد و شمار کے مطابق اس صنعت نے ٹیکسوں کی مد میں قومی خزانے میں تقریباً265 ارب روپے جمع کروائے۔

پاکستان میں تمباکو کی کاشت زیادہ تر خیبر پختونخوا (خاص طور پر صوابی اور مردان) اور پنجاب کے کچھ حصوں میں ہوتی ہے، جس سے تقریباً75,000 کسانوں کے گھرانے وابستہ ہیں۔ ملک کی قانونی سگریٹ مارکیٹ کے 60٪ سے زائد حصے پر دو بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں (پاکستان ٹوبیکو کمپنی اور فلپ مورس پاکستان) قابض ہیں۔

ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) کی تازہ ترین رپورٹوں کے مطابق، تمباکو انڈسٹری سالانہ تقریباً265 ارب روپے ٹیکس دیتی ہے، مگر اس کے برعکس دنیا بھر میں تقریباً1.2 ارب (1.2 Billion) افراد تمباکو کی مختلف مصنوعات استعمال کرتے ہیں ہر سال دنیا میں 80 لاکھ (8 Million) سے زائد افراد تمباکو نوشی کی وجہ سے اپنی جان گنوا دیتے ہیں، جن میں 12 لاکھ وہ لوگ بھی شامل ہیں جو خود سگریٹ نہیں پیتے لیکن اس کے دھوئیں کا شکار بنتے ہیں۔ تمباکو نوشی کرنے والے کل افراد میں سے تقریباً80٪ کا تعلق دنیا کے غریب یا درمیانی آمدنی والے (لو اور مڈل انکم) ممالک سے ہے۔

پاکستان میں بھی تمباکو نوشی ایک سنگین عوامی مسئلہ ہے، ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت تقریباً1 کروڑ 83 لاکھ (18.3 Million) افراد سگریٹ یا تمباکو کی دیگر مصنوعات کا باقاعدگی سے استعمال کرتے ہیں۔ اور بالغ آبادی (15 سال یا اس سے زائد) میں تمباکو نوشی کی مجموعی شرح تقریباً11.6٪ سے 18.9٪ کے درمیان ہے (مختلف بین الاقوامی سروے اور روزانہ یا کبھی کبھار پینے والوں کے الگ معیار کے مطابق)۔ مردوں میں یہ شرح تشویشناک حد تک زیادہ ہے، جہاں تقریباً20.6٪ مرد تمباکو نوشی کی لت میں مبتلا ہیں۔ اور خواتین میں سگریٹ نوشی کی شرح مردوں کے مقابلے میں کافی کم ہے جو کہ تقریباً2.6٪ ریکارڈ کی گئی ہے۔ پاکستان میں تمباکو نوشی سے پیدا ہونے والی بیماریوں کے باعث ہر سال 1 لاکھ 30 ہزار سے زائد افراد انتقال کر جاتے ہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سنگینی کے باوجود تمباکو کی پیداوار اور فروخت پر حکومت پابندی کیوں نہیں لگاتی یہ ایک ایسا تضاد ہے جس پر دنیا بھر میں بھی بحث ہوتی رہتی ہے۔ ایک طرف صحت عامہ کا تحفظ ہے اور دوسری طرف معیشت کا پہیہ۔ حکومتیں تمباکو کی پیداوار پر مکمل پابندی اس لیے نہیں لگاپاتیں کیونکہ اس کے پیچھے کچھ پیچیدہ معاشی اور انتظامی عوامل ہوتے ہیں : تمباکو کی صنعت پاکستان میں ٹیکس (Federal Excise Duty) اور (Sales Tax کے ذریعے حکومت کو اربوں روپے کا سالانہ ریونیو فراہم کرتی ہے۔ حکومتوں کے لیے اچانک اس آمدنی کو چھوڑنا مالی طور پر مشکل ہوتا ہے۔

خیبر پختونخوا (خصوصاً صوابی، مردان، چارسدہ) اور پنجاب کے کچھ علاقوں میں لاکھوں کسانوں، مزدوروں اور ان کے خاندانوں کا روزگار تمباکو کی کاشت اور اس کی فیکٹریوں سے جڑا ہوا اگر قانونی طور پر سگریٹ بنانے اور بیچنے پر مکمل پابندی لگادی جائے، تو یہ صنعت یکسر ختم نہیں ہوتی بلکہ "انڈر گراؤنڈ" چلی جاتی ہے۔ سمگلنگ اور غیر قانونی، غیر معیاری سگریٹس کی فروخت بڑھ جاتی ہے، جس سے حکومت کا کنٹرول بھی ختم ہو جاتا ہے اور ٹیکس بھی نہیں ملتا۔

تاہم، حکومت اس صنعت کی حوصلہ افزائی بھی نہیں کرتی۔ اسی لیے حکومت "پابندی" لگانے کے بجائے "ٹیکسوں میں اضافے اور سخت قوانین" کے ذریعے اس کا استعمال کم کرنے کی پالیسی اپناتی ہے، تاکہ تمباکو نوشی اتنی مہنگی اور مشکل ہو جائے کہ لوگ خود اس سے دور ہو جائیں۔

پاکستان نے تمباکو نوشی کی روک تھام اور عوام خصوصاً نوجوانوں کو اس سے بچانے کے لیے کئی اہم قوانین اور پالیسیاں وضع کی ہیں، جن میں سے چند نمایاں یہ ہیں:

۱۔ پبلک مقامات پر سگریٹ نوشی کی پابندی

ملازمت کے مقامات، سرکاری دفاتر، ہسپتالوں، تعلیمی اداروں، اور پبلک ٹرانسپورٹ (بسوں، ٹرینوں، ہوائی جہازوں) میں سگریٹ نوشی پر قانوناً مکمل پابندی ہے۔

۲۔ اشتہارات اور سپانسرشپ پر پابندی

ٹی وی، ریڈیو، اخبارات، اور سوشل میڈیا پر سگریٹ کے اشتہارات چلانے پر سخت پابندی ہے۔ تمباکو کمپنیاں کسی بھی کھیل (جیسے کرکٹ میچز) یا ثقافتی ایونٹ کو سپانسر نہیں کر سکتیں۔

۳۔ سگریٹ کی ڈبی پر تصویری وارننگ (Health Warning) درج کی جاتی ہے اور

سگریٹ کے ہر پیکٹ کے ایک بڑے حصے (تقریباً 60 فیصد) پر تمباکو نوشی کے نقصانات (جیسے منہ یا پھیپھڑوں کا کینسر) کی واضح اور خوفناک تصویر چھاپنا لازمی ہے، تاکہ لوگ اسے دیکھ کر عبرت پکڑیں۔

18 سال سے کم عمر بچوں کو سگریٹ یا کوئی بھی تمباکو کی پروڈکٹ بیچنا قانوناً جرم ہے۔ تعلیمی اداروں (سکولوں اور کالجوں) کے 50 میٹر کے دائرے میں سگریٹ فروخت کرنے پر پابندی ہے۔ اس کے علاوہ دکانداروں کے لیے ایک ایک سگریٹ (Loose Cigarette) کر کے بیچنا منع ہے، کیونکہ کھلی سگریٹ سستی پڑتی ہے اور اسے بچے یا کم آمدنی والے لوگ آسانی سے خرید لیتے ہیں۔ قانون کے مطابق پوری ڈبی ہی بیچنا لازم ہے۔

قوانین کتابوں میں تو بہت بہترین موجود ہیں، لیکن پاکستان میں اصل مسئلہ ان قوانین پر سختی سے عملدرآمد (Implementation) نہ ہونا اور غیر قانونی (بغیر ٹیکس والی) سگریٹوں کی مارکیٹ میں آسان دستیابی ہے۔
تاہم عوام میں شعور پیدا کر کے اس مسئلے کی سنگینی کی طرف توجہ مبذول کروائی جاسکتی ہے۔ عوام ایک طرف تمباکو کمپنیوں کے پراپگنڈے کا شکار ہیں تو دوسری طرف صحت وارننگ۔۔۔۔ اور انہوں نے اس راستے میں سے پی کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے



پاکستان میں تھر کے کوئلے کا استعمال، معاشی امکانات اور ڈاکٹر ثمر مبارک مند کے تجربے کی حقیقت۔۔ سپریم کورٹ کا حکم اور نیب کی انکوائری

نوٹ۔ میں نے کل اپنی ایک پوسٹ میں تھر کے کوئلے سے پاکستان کے چین کی مدد سے کول ٹو یوریا منصوبے پر بات کی تھی۔ میرے بہت سے قارئین نے تھر میں موجود کوئلے کے زخائر اور اس کا معیشت پر اثر اور ڈاکٹر ثمر مبارک مند کے تجربے کے بارے میں جاننے کی خواہش کا اظہار کیا۔۔۔ لہذا اس حوالے سے درج ذیل مواد پیش خدمت ہے۔ مزید معلومات کے لئے اپ دیگر زرائع بھی سرچ کر سکتے ہین(

پاکستان میں تھر کے کوئلے کے وسیع ذخائر کو ملکی توانائی اور معیشت کے لیے ایک ممکنہ "گیم چینجر" تصور کیا جاتا ہے۔ صوبہ سندھ کے جنوب مشرقی علاقے ضلع تھرپارکر میں واقع یہ ذخائر تقریباً 9 ہزار مربع کلومیٹر رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں لگ بھگ 175 ارب ٹن لیگنائٹ (بھورے کوئلے) کے ذخائر موجود ہیں، جو دنیا کے بڑے کوئلہ ذخائر میں شمار ہوتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق یہ ذخائر پاکستان کو آئندہ کئی دہائیوں بلکہ دو صدیوں تک 50 ہزار میگاواٹ سے زائد بجلی فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایک ایسے وقت میں جب پاکستان درآمدی تیل، گیس اور کوئلے پر بھاری زرمبادلہ خرچ کرتا ہے، تھر کا کوئلہ ملکی توانائی کے بحران اور معاشی دباؤ میں کمی کا اہم ذریعہ بن سکتا ہے۔

تھر کول فیلڈ کو مختلف انتظامی اور تکنیکی بلاکس میں تقسیم کیا گیا ہے، تاہم اس وقت بلاک I- اور بلاک II- سب سے زیادہ فعال اور تجارتی بنیادوں پر کامیاب منصوبے سمجھے جاتے ہیں۔ بلاک II- میں سندھ اینگرو کول مائننگ کمپنی (SECMC)، حکومتِ سندھ، اینگرو انرجی، حبکو اور دیگر شراکت دار ادارے سالانہ تقریباً 7.6 ملین ٹن کوئلہ نکال رہے ہیں، جبکہ بلاک I- میں شنگھائی الیکٹرک چین پاکستان اقتصادی راہداری (CPEC) کے تحت تقریباً 7.8 ملین ٹن سالانہ پیداوار حاصل کر رہی ہے۔ مالی سال 2025-26 کے دوران مجموعی طور پر تقریباً 15 ملین ٹن کوئلہ نکالے جانے کا تخمینہ ہے۔

اس کوئلے سے اس وقت 2600 میگاواٹ سے زائد بجلی قومی گرڈ میں شامل کی جارہی ہے، جس سے درآمدی فرنس آئل اور مہنگے کوئلے پر انحصار میں نمایاں کمی آئی ہے۔ حکومت مستقبل میں ریلوے لنک کے ذریعے تھر کے کوئلے کو سیمنٹ، ٹیکسٹائل اور دیگر صنعتوں تک پہنچانے کی منصوبہ بندی بھی کر رہی ہے تاکہ ملکی صنعتوں کی پیداواری لاگت کم ہو سکے۔

حالیہ برسوں میں تھر کے کوئلے کے استعمال کا دائرہ صرف بجلی کی پیداوار تک محدود نہیں رہا بلکہ اب چین کے تعاون سے "کول ٹو یوریا" منصوبے پر بھی پیش رفت ہو رہی ہے، جس میں فوجی فرٹیلائزر کمپنی سمیت مختلف ادارے شامل ہیں۔ اس منصوبے کا مقصد مقامی کوئلے سے یوریا کھاد تیار کرنا ہے تاکہ پاکستان کو درآمدی ایل این جی اور مہنگی گیس پر انحصار کم کرنا پڑے۔ اگر یہ منصوبہ کامیاب ہوتا ہے تو پاکستان نہ صرف زرعی شعبے کے لیے سستی کھاد حاصل کر سکے گا بلکہ اربوں ڈالر کے زرمبادلہ کی بچت بھی ممکن ہو گی۔ اسی طرح مائننگ آپریشنز میں استعمال ہونے والی بھاری مشینری کو ڈیزل کے بجائے نیشنل گرڈ سے بجلی پر منتقل کرنے کی کوششیں بھی جاری ہیں، جس سے روزانہ لاکھوں ڈالر کی ایندھن لاگت میں کمی متوقع ہے۔

تاہم تھر کے کوئلے کی تاریخ صرف کامیابیوں تک محدود نہیں بلکہ اس میں ایک متنازع اور ناکام تجربہ بھی شامل ہے، جس کی قیادت معروف ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر ثمر مبارک مند نے کی۔ یہ منصوبہ "انڈر گراؤنڈ کول گیسی فکیشن (Underground Coal Gasification – UCG)" کہلاتا تھا۔ روایتی مائننگ کے برعکس اس ٹیکنالوجی میں کوئلہ زمین سے نکالنے کے بجائے زیرِ زمین ہی جلایا جاتا ہے اور اس سے پیدا ہونے والی "سِن گیس (Syngas)" کو بجلی، ڈیزل، کیمیکلز اور کھاد بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ثمر مبارک مند کا مؤقف تھا کہ تھر میں زیرِ زمین پانی کی بڑی تہوں کی وجہ سے روایتی مائننگ مہنگی اور پیچیدہ ہے، اس لیے UCG زیادہ موزوں اور کم لاگت حل ثابت ہو سکتا ہے۔

اس منصوبے کی منظوری 2009 میں پلاننگ کمیشن آف پاکستان نے دی جبکہ عملی کام 2012 میں تھر کے بلاک V- میں شروع ہوا۔ دسمبر 2012 میں پہلی مرتبہ زیرِ زمین کوئلے کو آگ دکھانے کا تجربہ کیا گیا اور 2015 میں دعویٰ کیا گیا کہ اس گیس سے 5 سے 8 میگاواٹ بجلی پیدا کی جارہی ہے۔ تاہم بعد ازاں یہ دعوے تکنیکی اور تحقیقی سطح پر ثابت نہ ہو سکے۔ سرکاری ریکارڈ اور آڈٹ رپورٹس کے مطابق اس منصوبے پر 2012 سے 2018 کے دوران تقریباً 4.69 ارب روپے خرچ کیے گئے، لیکن اس کے باوجود یہ منصوبہ کمرشل سطح پر کامیاب نہ ہو سکا۔ نہ صرف نیشنل گرڈ کو ایک میگاواٹ بجلی فراہم نہ کی جا سکی بلکہ منصوبہ اپنی تنصیبات اور رہائشی کالونی کی بجلی ضروریات بھی مستقل بنیادوں پر پوری نہ کر سکا۔

ماہرینِ ارضیات، انجینئرز اور یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی (UET) سمیت مختلف اداروں کے ماہرین نے بعد میں یہ رائے دی کہ تھر کی ارضیاتی ساخت، زیرِ زمین پانی اور کوئلے کی نوعیت کے باعث UCG ٹیکنالوجی وہاں معاشی اور ماحولیاتی طور پر قابلِ عمل نہیں تھی۔ ان کے مطابق روایتی اوپن پٹ مائننگ ہی زیادہ مؤثر اور قابلِ اعتماد طریقہ تھا، جس پر آج کامیابی سے عمل ہو رہا ہے۔ فنڈز کی کمی، تکنیکی خامیوں اور ناقص منصوبہ بندی کے باعث یہ منصوبہ 2018 تک تقریباً بند ہو گیا، ملازمین فارغ کر دیے گئے اور کئی مہنگی مشینری ناکارہ ہو گئی۔

سپریم کورٹ نے تھر کول گیسیفیکیشن منصوبے میں اربوں روپے کے ضیاع پر سخت نوٹس لیتے ہوئے دسمبر 2018 میں اُس وقت کے چیف جسٹس میاں ثاقب نثار کی سربراہی میں نیب کو باقاعدہ تحقیقات کا حکم دیا۔ آڈیٹر جنرل کی فرانزک رپورٹ کے مطابق یہ منصوبہ بغیر مکمل فزیبلٹی اسٹڈی اور ماحولیاتی جائزے کے شروع کیا گیا، جبکہ تقریباً 4.69 ارب روپے خرچ ہونے کے باوجود منصوبہ مطلوبہ سطح پر بجلی پیدا کرنے میں ناکام رہا۔ تحقیقات میں مشتبہ خریداریوں، غیر شفاف ٹینڈرز اور انتظامی بے قاعدگیوں کی بھی نشاندہی کی گئی، جس سے منصوبے کی شفافیت اور مؤثریت پر سنگین سوالات اٹھے۔

ڈاکٹر ثمر مبارک مند نے اپنے دفاع میں مؤقف اختیار کیا کہ انڈر گراؤنڈ کول گیسیفیکیشن ٹیکنالوجی تکنیکی طور پر کامیاب تھی، مگر حکومتی عدم توجہی، فنڈز کی کمی اور گیس پیوریفیکیشن پلانٹ میں تاخیر کے باعث منصوبہ تجارتی سطح تک نہ پہنچ سکا۔ بعد ازاں نیب قوانین میں تبدیلیوں اور براہِ راست مالی بدعنوانی کے واضح شواہد نہ ملنے کے باعث یہ کیس عملی طور پر سرد خانے کی نذر ہو گیا۔ منصوبہ بند کر دیا گیا، ملازمین متاثر ہوئے اور قیمتی مشینری و اثاثے لاوارث حالت میں چھوڑ دیے گئے، جس کے نتیجے میں یہ منصوبہ بدعنوانی سے زیادہ انتظامی نااہلی اور ناکام پالیسی منصوبہ بندی کی مثال بن کر رہ گیا۔

اگرچہ ڈاکٹر ثمر مبارک مند پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور دفاعی شعبے میں اہم خدمات انجام دینے والے ممتاز سائنسدان ہیں، لیکن تھر میں UCG منصوبہ ان کی سائنسی حکمتِ عملی کا ایک ایسا تجربہ ثابت ہوا جو عملی، تکنیکی اور معاشی سطح پر کامیاب نہ ہو سکا۔

آج پاکستان نے تھر کے کوئلے کے حوالے سے زیادہ حقیقت پسندانہ حکمتِ عملی اختیار کر لی ہے، جس میں روایتی مائننگ، بجلی کی پیداوار، صنعتی استعمال، کول ٹو یوریا منصوبے اور مقامی صنعتوں کو سستا ایندھن فراہم کرنے پر توجہ دی جا رہی ہے۔ اگر شفاف منصوبہ بندی، جدید ٹیکنالوجی اور ماحولیاتی تحفظ کے اصولوں کو مدِ نظر رکھا جائے تو تھر کا کوئلہ مستقبل میں پاکستان کی توانائی، صنعت اور زراعت کے لیے ایک مضبوط معاشی بنیاد فراہم کر سکتا ہے



چین کے تعاون سے پاکستان کا پہلا کول ٹو یوریا منصوبہ ـــــ معاشی استحکام اور پاک چین دوستی کا نیا باب

پاکستان اور چین کی دیرینہ اسٹریٹجک شراکت داری ایک بار پھر ایک اہم معاشی اور صنعتی منصوبے کی صورت میں سامنے آئی ہے۔ پاکستان کی معروف کھاد ساز کمپنی Fauji Fertilizer Company اور چین کی ممتاز انجینئرنگ فرم Hualu Engineering and Technology کے درمیان 1.12 ارب ڈالر مالیت کے ایک بڑے معاہدے پر دستخط ہوئے ہیں، جس کے تحت پاکستان میں پہلا "کول ٹو یوریا (Coal-to-Urea) "منصوبہ قائم کیا جائے گا۔ یہ منصوبہ نہ صرف پاکستان کی صنعتی ترقی میں سنگِ میل ثابت ہو گا بلکہ پاک چین دوستی اور اقتصادی تعاون کے نئے مرحلے، یعنی سی پیک 2.0، کی عملی جھلک بھی پیش کرتا ہے۔

اس منصوبے کے تحت سندھ کے علاقے تھرپارکر میں موجود مقامی کوئلے کو جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے گیس میں تبدیل کر کے یوریا کھاد تیار کی جائے گی۔ پاکستان میں روایتی طور پر کھاد کی تیاری کے لیے قدرتی گیس استعمال ہوتی رہی ہے، مگر حالیہ برسوں میں قدرتی گیس کے ذخائر میں تیزی سے کمی اور مہنگی ایل این جی (LNG) کی درآمد نے کھاد کی پیداوار کو مہنگا بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت اور نجی شعبے نے ملکی وسائل، خصوصاً تھر کے وسیع کوئلے کے ذخائر، کو صنعتی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی حکمت عملی اپنائی ہے۔ ماہرین کے مطابق یہ منصوبہ پاکستان کو درآمدی ایندھن پر انحصار کم کرنے اور توانائی و زرعی شعبے میں خود کفالت کی طرف لے جانے میں مدد دے گا۔

یہ جدید صنعتی منصوبہ سالانہ تقریباً 7 لاکھ 17 ہزار ٹن یوریا کھاد تیار کرے گا، جس کا ایک بڑا حصہ مقامی زرعی ضروریات پوری کرنے کے لیے استعمال ہو گا جبکہ باقی کھاد برآمد کی جائے گی۔ اس سے نہ صرف پاکستان کو سالانہ کروڑوں ڈالر کی زرمبادلہ بچت حاصل ہو گی بلکہ تقریباً 26 کروڑ ڈالر کی اضافی برآمدی آمدن بھی متوقع ہے۔ زرعی ماہرین کے مطابق مقامی سطح پر سستی اور بروقت کھاد کی دستیابی سے زرعی پیداوار میں اضافہ ہو گا، جس سے ملک کی فوڈ سیکیورٹی مزید مضبوط ہو گی۔ اس منصوبے سے تقریباً 3,500 براہِ

راست اور 7,000 سے زائد بالواسطہ روزگار کے مواقع بھی پیدا ہوں گے، جبکہ تھر کے مقامی کوئلے کے استعمال سے حکومتِ سندھ کو رائلٹی کی مد میں خاطر خواہ آمدن حاصل ہو گی۔

یہ منصوبہ پاک چین اقتصادی راہداری (CPEC) کے دوسرے مرحلے کی ایک اہم مثال ہے، جس میں توانائی، انفراسٹرکچر اور صنعت کے بعد اب صنعتی پیداوار، ٹیکنالوجی ٹرانسفر اور برآمدات پر توجہ دی جا رہی ہے۔ چین کی جانب سے جدید ٹیکنالوجی، سرمایہ کاری اور انجینئرنگ مہارت کی فراہمی پاکستان کے صنعتی شعبے کو جدید خطوط پر استوار کرنے میں معاون ثابت ہو گی۔ مبصرین کے مطابق یہ منصوبہ دونوں ممالک کے درمیان اعتماد، اقتصادی تعاون اور مشترکہ ترقی کے وژن کو مزید مستحکم کرے گا۔ چین پہلے ہی پاکستان میں توانائی، سڑکوں، بندرگاہوں اور معدنی وسائل کے شعبوں میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کر چکا ہے، اور اب زرعی و کیمیکل صنعت میں یہ پیش رفت دوطرفہ تعلقات کے نئے دور کی علامت سمجھی جا رہی ہے۔

منصوبے کے ابتدائی ڈیزائن اور انجینئرنگ (FEED) کے معاہدے پر مئی 2026 میں دستخط کیے گئے ہیں، جبکہ مالیاتی انتظامات 2026 کے آخر یا 2027 تک مکمل کیے جانے کی توقع ہے۔ اندازہ ہے کہ پلانٹ 2030 یا 2031 تک تجارتی پیداوار شروع کر دے گا۔ ماہرینِ معیشت کے مطابق اگر یہ منصوبہ کامیابی سے مکمل ہو جاتا ہے تو یہ پاکستان کے لیے صرف ایک صنعتی منصوبہ نہیں بلکہ توانائی، زراعت، برآمدات اور معاشی استحکام کی جانب ایک اہم پیش رفت ثابت ہو گا، جو مستقبل میں دیگر مقامی وسائل پر مبنی صنعتی منصوبوں کی راہ بھی ہموار کرے گ



شمسی توانائی اور ہوا سے صاف پانی کا حصول اب یوا ممکن. معروف مسلم سائنسی دان پروفیسر عمر یاغی کا دنیا کے لئے نایاب تحفہ----

دنیا بھر میں بڑھتے ہوئے آبی بحران، موسمیاتی تبدیلی اور زیرِ زمین پانی کی تیزی سے کم ہوتی سطح نے سائنسدانوں کو متبادل ذرائع تلاش کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اسی سلسلے میں یونیورسٹی آف کیلیفورنیا، برکلے کے ممتاز کیمیادان اور معروف سائنسدان پروفیسر عمر یاغی (Omar Yaghi) نے ایک ایسی انقلابی ٹیکنالوجی متعارف کرائی ہے جو ہوا میں موجود نمی سے روزانہ ہزاروں لیٹر صاف پینے کا پانی حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس جدید نظام کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ مکمل طور پر شمسی توانائی پر چلتا ہے اور اسے بجلی یا بڑے انفراسٹرکچر کی ضرورت نہیں پڑتی۔

پروفیسر عمر یاغی نے مٹیریل سائنس کے میدان میں ایک نہایت جدید مواد تیار کیا جسے میٹل آرگینک فریم ورک – (Metal-Organic Frameworks (MOFs کہا جاتا ہے۔ یہ مادہ خردبینی سطح پر ایک انتہائی طاقتور اسپنج کی مانند کام کرتا ہے جو ہوا میں موجود نمی کو جذب کر لیتا ہے۔ رات کے وقت یہ مشین فضا سے پانی کے بخارات اپنے اندر محفوظ کرتی ہے، جبکہ دن کے وقت سورج کی حرارت اس نمی کو بخارات کی صورت میں خارج کرتی ہے۔ بعد ازاں اس بخار کو ٹھنڈا کر کے صاف اور قابلِ استعمال پانی میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ اس پورے عمل میں روایتی واٹر جنریٹرز کے برعکس بہت کم توانائی استعمال ہوتی ہے۔

اس ٹیکنالوجی کی ایک غیر معمولی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دنیا کے انتہائی خشک اور صحرائی علاقوں میں بھی مؤثر انداز میں کام کر سکتی ہے، جہاں ہوا میں نمی کا تناسب 20 فیصد سے بھی کم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسے افریقہ، مشرقِ وسطیٰ اور جنوبی ایشیا کے ان علاقوں کے لیے امید کی نئی کرن قرار دیا جا رہا ہے جہاں لاکھوں افراد صاف پانی کی کمی کا شکار ہیں۔ تقریباً 20 فٹ کے شپنگ کنٹینر کے برابر سائز رکھنے والی یہ مشین روزانہ تقریباً ایک ہزار لیٹر تک صاف پانی پیدا کر سکتی ہے، جو کسی چھوٹے گاؤں، پناہ گزین کیمپ یا آفت زدہ علاقے کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی ہے۔

پروفیسر عمر یاغی کی اس تحقیق کے پیچھے ان کا ذاتی تجربہ بھی کارفرما ہے۔ وہ اردن میں پیدا ہوئے جہاں انہوں نے بچپن میں پانی کی شدید قلت کا سامنا کیا۔ یہی تجربات بعد میں ان کی سائنسی جستجو کا سبب بنے۔ مٹیریل سائنس میں ان کی غیر معمولی خدمات اور MOFs کی ترقی نے انہیں عالمی سطح پر نمایاں مقام دلایا۔ ان کی قائم کردہ کمپنی Atoco اس ٹیکنالوجی کو تجارتی سطح پر متعارف کرانے کے لیے کام کر رہی ہے تاکہ دنیا بھر میں پینے کے صاف پانی کی کمی کے مسئلے کو کم کیا جا سکے۔ ماہرین کے مطابق اگر یہ ٹیکنالوجی وسیع پیمانے پر کامیاب ہو جاتی ہے تو مستقبل میں یہ انسانی زندگی، زراعت اور آفات سے نمٹنے کے نظام میں ایک بڑی تبدیلی ثابت ہو سکتی ہے



28 مئی۔ یوم تکبیر۔ عزم اور جہد مسلسل کی ایک عظیم داستان۔ جب پاکستان عالم اسلام کی پہلی اور دنیا کی ساتویں ایٹمی طاقت بنا

28 مئی 1998ء پاکستان کی تاریخ کا وہ عظیم اور فیصلہ کن دن ہے جب قوم نے اپنی سائنسی، عسکری اور سیاسی جدوجہد کے ایک طویل سفر کو کامیابی میں بدلتے ہوئے دنیا کے نقشے پر ایک ایٹمی طاقت کے طور پر اپنا مقام مستحکم کیا۔ یہ کامیابی محض چند دھماکوں کا نام نہیں بلکہ کئی دہائیوں پر محیط قومی عزم، سائنسی تحقیق، خفیہ منصوبہ بندی، سیاسی استقامت اور بے شمار سائنسدانوں، انجینئرز اور عسکری ماہرین کی شبانہ روز محنت کی ایک درخشاں داستان ہے۔ 28 مئی کو بلوچستان کے سنگلاخ پہاڑوں چاغی میں ہونے والے کامیاب ایٹمی دھماکوں نے نہ صرف پاکستان کے دفاع کو ناقابلِ تسخیر بنایا بلکہ پوری مسلم دنیا کے لیے بھی ایک تاریخی سنگِ میل قائم کیا۔ یوں پاکستان دنیا کی ساتویں اور عالمِ اسلام کی پہلی ایٹمی طاقت بن کر ابھرا۔

پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی بنیاد دراصل 1956ء میں رکھی گئی جب ملک میں جوہری توانائی کے پرامن استعمال کے لیے "پاکستان اٹامک انرجی کمیشن (PAEC)" قائم کیا گیا۔ ابتدائی طور پر اس ادارے کا مقصد بجلی کی پیداوار، طب، زراعت اور سائنسی تحقیق میں جوہری ٹیکنالوجی کا استعمال تھا۔ تاہم 1971ء کی جنگ اور سقوطِ ڈھاکہ کے سانحے نے قومی سلامتی کے تقاضوں کو یکسر بدل دیا۔ انہی تلخ حالات کے پس منظر میں جنوری 1972ء میں اس وقت کے صدر اور بعد ازاں وزیرِ اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے ملتان میں پاکستان کے ممتاز سائنسدانوں کا تاریخی اجلاس طلب کیا۔ اسی اجلاس میں پاکستان کے ایٹمی دفاعی پروگرام کا باضابطہ آغاز ہوا جسے بعد میں "پروجیکٹ-706" کا نام دیا گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اس منصوبے کو قومی بقا کا مسئلہ قرار دیتے ہوئے وہ مشہور تاریخی جملہ کہا کہ "ہم گھاس کھالیں گے مگر ایٹم بم ضرور بنائیں گے۔"

اس قومی پروگرام کو عملی شکل دینے میں کئی عظیم سائنسدانوں نے کلیدی کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر منیر احمد خان، جو طویل عرصے تک PAEC کے چیئرمین رہے، نے پروگرام کے بنیادی ڈھانچے، تحقیقی اداروں اور پلوٹونیم منصوبوں کو منظم کیا۔ دوسری جانب ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے یورینیم افزودگی کی حساس ٹیکنالوجی پاکستان منتقل کر کے کہوٹہ ریسرچ لیبارٹریز (KRL) قائم کی، جس نے

پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو تیز رفتاری سے آگے بڑھایا۔ ان کی قیادت میں پاکستان نے محدود وسائل کے باوجود عالمی پابندیوں اور نگرانی کے ماحول میں حیران کن سائنسی ترقی حاصل کی۔ بعد ازاں ڈاکٹر اشفاق احمد، ڈاکٹر ثمر مبارک مند اور دیگر سائنسدانوں نے ایٹمی آلات کی تیاری، تجرباتی نگرانی اور تکنیکی انتظامات میں غیر معمولی خدمات انجام دیں۔

پاکستان نے 1980ء کی دہائی کے وسط تک ایٹمی صلاحیت حاصل کر لی تھی، تاہم اس کامیابی کو انتہائی خفیہ رکھا گیا۔ مارچ 1983ء میں پاکستان نے پہلا کامیاب "کولڈ ٹیسٹ" کیا جس کے ذریعے یہ ثابت ہو گیا کہ پاکستانی سائنسدان ایٹمی ہتھیار بنانے کی مکمل تکنیکی مہارت حاصل کر چکے ہیں۔ اس دوران عالمی دباؤ مسلسل بڑھتا رہا مگر جنرل محمد ضیاء الحق کی حکومت نے انتہائی خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس پروگرام کو جاری رکھا اور خان غلام اسحاق خان نے اسے مطلوبہ وسائل فراہم کیے۔ یہی وہ دور تھا جب پاکستان نے اپنی دفاعی حکمتِ عملی کو "کم از کم قابلِ اعتماد دفاعی صلاحیت" کی بنیاد پر استوار کیا۔

ایٹمی تجربات کے لیے بلوچستان کے ضلع چاغی میں واقع راس کوہ کے پہاڑی سلسلے اور خاران کے صحرا کا انتخاب بھی ایک طویل سائنسی عمل کا نتیجہ تھا۔ 1976ء میں پاکستان اٹامک انرجی کمیشن، جیولوجیکل سروے آف پاکستان اور ماہرینِ ارضیات کی ٹیموں نے اس علاقے کا تفصیلی جائزہ لیا۔ ڈاکٹر منیر احمد خان اور دیگر ماہرین کی نگرانی میں یہ طے کیا گیا کہ راس کوہ کی گرینائٹ چٹانیں زیرِ زمین ایٹمی دھماکوں کے لیے موزوں ترین ہیں کیونکہ یہ تابکاری اور شدید دباؤ کو باہر آنے سے روک سکتی تھیں

۔ بعد ازاں پاکستان آرمی کی کور آف انجینئرز، خصوصاً اسپیشل ڈویلپمنٹ گروپ (SDG)، نے بریگیڈیئر محمد سرفراز کی نگرانی میں سرنگوں کی تعمیر کا خفیہ کام شروع کیا جو تقریباً 1980ء تک مکمل ہوا۔ اگلے کئی برسوں تک انہی سرنگوں میں مختلف تکنیکی اور کولڈ ٹیسٹ کیے جاتے رہے۔ مئی 1998ء میں بھارت کے پوکھران ایٹمی دھماکوں نے خطے میں طاقت کا توازن خطرے میں ڈال دیا۔ اس موقع پر پاکستان کو شدید عالمی دباؤ، معاشی پابندیوں کی دھمکیوں اور امریکی پیشکشوں کا سامنا تھا کہ وہ جوابی دھماکے نہ کرے۔ تاہم وزیرِ اعظم میاں محمد نواز شریف نے عسکری قیادت، سائنسدانوں اور کابینہ کی دفاعی کمیٹی سے تفصیلی مشاورت کے بعد قومی سلامتی کو مقدم رکھتے ہوئے تاریخی فیصلہ کیا۔ آرمی چیف جنرل جہانگیر کرامت، ایئر چیف پرویز مہدی قریشی، نیول چیف ایڈمرل فصیح بخاری، ڈاکٹر عبدالقدیر خان، ڈاکٹر اشفاق احمد، سرتاج عزیز اور دیگر اہم شخصیات اس مشاورتی عمل کا حصہ تھیں۔

بالآخر 28 مئی 1998ء کو چاغی کے راس کوہ پہاڑوں میں پانچ کامیاب ایٹمی دھماکے کیے گئے۔ ان دھماکوں سے پہاڑوں کا رنگ سفید ہو گیا اور "اللہ اکبر" کی صداؤں کے ساتھ پورا ملک جشنِ مسرت میں ڈوب گیا۔ دو دن بعد 30 مئی کو خاران میں ایک اور کامیاب دھماکہ کیا گیا۔ وزیرِ اعظم نواز شریف نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے ایٹمی طاقت بننے کا تاریخی اعلان کیا۔ یہ کامیابی صرف عسکری قوت کا اظہار نہیں تھی بلکہ اس نے یہ ثابت کیا کہ پاکستانی قوم محدود وسائل کے باوجود عزم، اتحاد اور سائنسی صلاحیت کے بل بوتے پر عالمی سطح پر اپنا مقام بنا سکتی ہے۔ آج یومِ تکبیر صرف ایک قومی دن نہیں بلکہ قومی خود مختاری، دفاعی استحکام اور سائنسی عظمت کی علامت کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔



ابراہیم اکارڈ-امریکہ کی نئی دھمکی اور پاکستان کے لئے اس کے مضمرات

حالیہ دنوں میں امریکی صدر نے دوبارہ ابراہیم اکارد کا حصہ بننے کے لئے پاکستان اور دیگر اسلامی ریاستوں پر زور دیا ہے اور خاصی دھمکی آمیز زبان استعمال کی ہے جس کا جواب سعودی عرب اور پاکستان نے اپنے انداز سے دے بھی دیا ہے۔ اپنے فیس بک فرینڈز کے لئے اس معاہدے کے بارے میں ایک جائزہ پیش خدمت ہے

ابراہیم اکارڈز (Abraham Accords) مشرقِ وسطیٰ کی جدید سیاسی تاریخ کا ایک اہم اور متنازع سفارتی معاہدہ ہے، جس کے ذریعے اسرائیل اور بعض عرب و اسلامی ممالک کے درمیان تعلقات کو معمول پر لانے کی کوشش کی گئی۔ اس معاہدے کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا، جو اسلام، عیسائیت اور یہودیت تینوں مذاہب میں مشترکہ اور محترم شخصیت سمجھے جاتے ہیں۔

امریکہ کے سابق صدر Donald Trump اور ان کے مشیر Jared Kushner کی سرپرستی میں ستمبر 2020 میں اس عمل کا آغاز ہوا، جس کا بنیادی مقصد اسرائیل اور عرب ممالک کے درمیان سفارتی، تجارتی اور دفاعی تعلقات قائم کرنا تھا۔

ابراہیم اکارڈز کے تحت معاہدہ کرنے والے ممالک اسرائیل کو ایک خود مختار ریاست کے طور پر تسلیم کرتے ہیں، باقاعدہ سفارت خانے قائم کرتے ہیں اور تجارت، سرمایہ کاری، سیاحت، ٹیکنالوجی، صحت، زراعت اور توانائی کے شعبوں میں تعاون بڑھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ خطے میں سیکیورٹی تعاون اور انٹیلیجنس شیئرنگ کو بھی خصوصی اہمیت دی گئی، خصوصاً ایران کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کے مقابلے کے لیے۔ امریکہ کی نظر میں یہ معاہدہ نہ صرف اسرائیل کو مشرقِ وسطیٰ میں ایک قبول شدہ ریاست بنانے کی کوشش تھا بلکہ ایک ایسے علاقائی اتحاد کی تشکیل بھی تھی جو ایران کے خلاف مشترکہ دفاعی بلاک کے طور پر کام کر سکے۔

2020 سے اب تک United Arab Emirates، Bahrain، Sudan اور Morocco نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات معمول پر لانے کا اعلان کیا۔ اس سے قبل Egypt اور Jordan پہلے ہی اسرائیل کے ساتھ امن معاہدے کر چکے تھے۔ تاہم خطے کی ایک بڑی طاقت Saudi Arabia نے اب تک باضابطہ طور پر ابراہیم اکارڈز میں شمولیت اختیار نہیں کی اور فلسطینی ریاست کے قیام کو اپنی بنیادی شرط قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب کی محتاط پالیسی آج بھی عالمِ اسلام میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔

پاکستان کا مؤقف اس معاملے پر ابتدا ہی سے واضح اور اصولی رہا ہے۔ پاکستان نے ہمیشہ فلسطینی عوام کے حقِ خود ارادیت کی حمایت کی ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ 1967 سے قبل کی سرحدوں کے مطابق ایک آزاد فلسطینی ریاست قائم ہونے تک اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی میں فلسطین اور کشمیر کے مسائل کو اکثر ایک ہی نوعیت کے تنازعات کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، اس لیے اسرائیل کو تسلیم کرنے یا ابراہیم اکارڈز میں شامل ہونے کی صورت میں پاکستان کے کشمیر سے متعلق اخلاقی اور سفارتی مؤقف کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ ملک کے اندر بھی فلسطین کے حق میں شدید عوامی جذبات پائے جاتے ہیں، لہٰذا ایسا کوئی فیصلہ سیاسی اور مذہبی سطح پر بڑے ردِ عمل اور داخلی بے چینی کو جنم دے سکتا ہے۔

مزید برآں، اگر پاکستان ابراہیم اکارڈز کا حصہ بنتا ہے تو اس کے Iran کے ساتھ تعلقات پر منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ ایران پہلے ہی اس معاہدے کو اسرائیل اور امریکہ کی جانب سے اپنے خلاف علاقائی اتحاد قرار دیتا ہے، اس لیے پاکستان کی شمولیت دونوں ہمسایہ اسلامی ممالک کے درمیان اعتماد میں کمی، سرحدی و سیکیورٹی تعاون میں تناؤ اور علاقائی سفارت کاری میں پیچیدگیاں پیدا کر سکتی ہے۔ پاکستان اور ایران کے تعلقات نہ صرف جغرافیائی قربت بلکہ توانائی، سرحدی سلامتی اور تجارتی مفادات کے حوالے سے بھی اہم ہیں، اس لیے پاکستان کے لیے یہ معاملہ صرف سفارتی نہیں بلکہ حساس تزویراتی اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ بعض حلقے اس معاہدے کو امریکہ اور مغربی دنیا کے ساتھ بہتر تعلقات، سرمایہ کاری، ٹیکنالوجی اور معاشی فوائد کے تناظر میں مثبت قرار دیتے ہیں، تاہم پاکستان کے لیے یہ مسئلہ اب بھی نظریاتی، عوامی جذبات اور مسلم اُمہ کے اجتماعی مؤقف سے جڑا ہوا ایک نہایت حساس معاملہ سمجھا جاتا ہے



25 مئی — گمشدہ بچوں کا عالمی دن اور پاکستان میں اس کے اثرات

ہر سال 25 مئی کو دنیا بھر میں گمشدہ بچوں کا عالمی دن (International Missing Children's Day) منایا جاتا ہے۔ اس دن کا مقصد اُن بچوں کو یاد رکھنا ہے جو کسی بھی وجہ سے اپنے خاندانوں سے بچھڑ گئے، لاپتہ ہو گئے یا اغوا کا شکار ہوئے، جبکہ ان کے اہلِ خانہ کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کرنا اور بچوں کے تحفظ سے متعلق عالمی شعور کو فروغ دینا بھی اس دن کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ اس عالمی دن کی علامت نیلا پھول "Forget-Me-Not" ہے، جو اس عزم کی نمائندگی کرتا ہے کہ معاشرہ اپنے لاپتہ بچوں کو کبھی فراموش نہیں کرے گا۔

اس دن کی بنیاد ایک افسوسناک مگر تاریخی واقعے سے جڑی ہوئی ہے۔ 25 مئی 1979ء کو امریکہ کے شہر نیویارک سے چھ سالہ بچہ ایٹن پیٹز (Etan Patz) اسکول جاتے ہوئے لاپتہ ہو گیا اور پھر کبھی واپس نہ آ سکا۔ اس واقعے نے پورے امریکہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ ایٹن کے والد، جو پیشے کے اعتبار سے فوٹو گرافر تھے، نے اپنے بیٹے کی تلاش کے لیے بھرپور عوامی اور میڈیا مہم شروع کی، جس کے نتیجے میں پہلی مرتبہ دودھ کے ڈبوں پر گمشدہ بچوں کی تصاویر شائع کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ بعد ازاں 1983ء میں امریکی صدر Ronald Reagan نے 25 مئی کو "نیشنل مسنگ چلڈرن ڈے" قرار دیا، جبکہ 2001ء میں International Centre for Missing & Exploited Children اور یورپی کمیشن کی مشترکہ کاوشوں سے اسے عالمی سطح پر منانے کا آغاز کیا گیا۔

گمشدہ بچوں کے عالمی دن نے دنیا بھر میں بچوں کے تحفظ کے نظام میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کیں۔ مختلف ممالک میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کے درمیان تعاون بڑھا، عالمی نیٹ ورکس قائم ہوئے اور بچوں کی فوری بازیابی کے لیے جدید ٹیکنالوجی پر مبنی نظام متعارف کروائے گئے۔ امریکہ اور یورپ میں AMBER Alert جیسے ہنگامی الرٹ سسٹمز نے گمشدہ بچوں کی تلاش میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی، جہاں بچہ لاپتہ ہوتے ہی ٹی وی چینلز، موبائل فونز، سوشل میڈیا اور ہائی وے سائن بورڈز پر فوری اطلاعات نشر کی جاتی ہیں۔ ماہرین کے مطابق بچوں کی بازیابی میں ابتدائی 24 سے 48 گھنٹے انتہائی اہم ہوتے ہیں، اور زیادہ تر کامیاب ریکوریاں انہی ابتدائی دنوں میں ممکن بنائی جاتی ہیں۔

پاکستان میں بھی اس عالمی دن نے بچوں کے تحفظ کے حوالے سے حکومتی، سماجی اور قانونی سطح پر اہم تبدیلیوں کی راہ ہموار کی ہے۔ خاص طور پر قصور کی معصوم بچی زینب کے المناک واقعے کے بعد 2020ء میں ZARRA کے تحت زینب الرٹ، ریسپانس اینڈ ریکوری ایکٹ نافذ کیا گیا، جس کا مقصد گمشدہ بچوں کی فوری تلاش اور بازیابی کو یقینی بنانا ہے۔ اس قانون کے تحت پولیس کو فوری کارروائی کا پابند بنایا گیا ہے، جبکہ غفلت برتنے والے اہلکاروں کے خلاف کارروائی کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اسی سلسلے میں "زینب الرٹ" ڈیجیٹل سسٹم اور موبائل ایپ متعارف کروائی گئی تاکہ لاپتہ بچوں کی معلومات فوری طور پر متعلقہ اداروں اور عوام تک پہنچائی جاسکیں۔

پاکستان میں چائلڈ پروٹیکشن کے نظام کو مزید مؤثر بنانے کے لیے مختلف ہیلپ لائنز اور ادارے بھی فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔ Madadgaar Helpline کی ہیلپ لائن 1098 / 1099، صوبائی چائلڈ پروٹیکشن بیوروز اور پنجاب کی 1121 ہیلپ لائن گمشدہ یا استحصال کا شکار بچوں کی فوری مدد، رپورٹنگ اور بحالی کے لیے خدمات انجام دے رہی ہیں۔ اس کے علاوہ اسکولوں، میڈیا اور سول سوسائٹی کی جانب سے بچوں کو "Stranger Danger"، آن لائن تحفظ اور سوشل میڈیا کے محفوظ استعمال سے متعلق آگاہی فراہم کی جارہی ہے، جس سے والدین اور اساتذہ میں بھی شعور میں اضافہ ہوا ہے۔

تاہم اس کے باوجود بچوں کی گمشدگی پر مکمل قابو نہیں پایا جاسکا۔ دنیا میں 2025 میں رپورٹ ہونے والے کیسز کی تعداد 32,167 تک پہنچ گئی، جبکہ بچوں کی ریکوری (برآمدگی) کا تناسب 90٪ رہا (یعنی 29,013 بچے کامیابی سے تلاش کر لیے.

پاکستان میں بچوں کی گمشدگی کے درست ترین اعداد و شمار ZARRA زینب الرٹ ریسپانس اینڈ ریکوری ایجنسی)، صوبائی پولیس اور CPLC سٹیزنز پولیس لائزن کمیٹی) کے ذریعے سامنے آتے ہیں۔ سال 2025 کے باقاعدہ سرکاری اور میڈیا ریکارڈز کے مطابق صرف سندھ (خصوصاً کراچی) سے موصول ہونے والی ایک بڑی رپورٹ کے مطابق سال 2025 کے وسط تک بچوں کی گمشدگی اور اغوا کے 597 کیسز رپورٹ ہوئے تھے، جن میں سے پولیس اور فلاحی اداروں کی مستعدی کی بدولت 579 بچے کامیابی سے برآمد کر لیے گئے (جو کہ تقریباً 97٪ کی شاندار ریکوری کی شرح بنتی ہے اعداد و شمار اور کرائم ریشو کے لحاظ سے پاکستان میں بچوں کی گمشدگی اور اغوا کے سب سے زیادہ کیسز پنجاب اور اس کے بعد سندھ میں رپورٹ ہوتے ہیں۔ پاکستان بھر میں کراچی اور لاہور ایسے بڑے شہر ہیں جہاں بچوں کی گمشدگی اور اغوا کے سب سے زیادہ کیسز رجسٹرڈ ہوتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ ان شہروں کی بہت بڑی آبادی، کچی آبادیاں اور بچوں کا گھروں سے ناراض ہو کر بھاگ جانا (Runaway Children) ہے۔

پاکستانی ماہرینِ قانون اور چائلڈ پروٹیکشن اداروں کے مطابق، پاکستان میں رپورٹ ہونے والے بچوں کی گمشدگی کے کیسز میں 80 فیصد سے زائد ایسے ہوتے ہیں جہاں بچے گھریلو تشدد، پڑھائی کے دباؤ یا سخت رویے کی وجہ سے خود گھر چھوڑ دیتے ہیں یا میلوں اور بازاروں میں گم ہو جاتے ہیں، جنہیں پولیس اور چائلڈ پروٹیکشن بیورو جلد ہی تلاش کر کے والدین کے حوالے کر دیتے ہیں

گمشدہ بچوں کا عالمی دن اس حقیقت کی یاد دہانی ہے کہ بچوں کا تحفظ صرف حکومت یا قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ذمہ داری نہیں بلکہ پورے معاشرے کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ والدین کی توجہ، اساتذہ کی تربیت، میڈیا کا مثبت کردار، مؤثر قانون سازی اور جدید ٹیکنالوجی کا استعمال ہی بچوں کو محفوظ مستقبل فراہم کر سکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان میں چائلڈ پروٹیکشن کے اداروں کو مزید مضبوط بنایا جائے، عوامی آگاہی میں اضافہ کیا جائے اور ہر بچے کو ایک محفوظ، باوقار اور پُرامن ماحول فراہم کیا جائے تاکہ کوئی بھی بچہ اپنے خاندان سے بچھڑنے یا استحصال کا شکار ہونے سے محفوظ رہ سکے



24 مئی مارخور کا عالمی دن: تحفظِ حیاتِ نو کا عالمی عزم اور پاکستان

ISI کے سابقہ لوگو سے جدید لوگو تک

مارخور (Capra falconeri) جنگلی بکرے کی ایک منفرد اور خوبصورت ترین نسل ہے جو اپنی طویل، بل کھاتے ہوئے سینگوں کی وجہ سے دنیا بھر میں جانی جاتی ہے۔ برسوں سے غیر قانونی شکار، جنگلات کے کٹاؤ اور انسانی آبادی کے پھیلاؤ کے باعث اس خوبصورت جانور کو معدومی (ختم ہونے) کے شدید خطرات لاحق تھے۔ مارخور کے تحفظ اور دنیا بھر میں اس کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے مئی 2024 میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی (UNGA) نے باقاعدہ طور پر ایک قرارداد منظور کی، جس کے تحت ہر سال 24 مئی کو "مارخور کا عالمی دن (International Day of the Markhor) " منانے کا اعلان کیا گیا۔

اس دن کو عالمی سطح پر منانے کی پہل اور سب سے پہلا جشن تاجکستان میں منایا گیا، جس نے اس قرارداد کو پیش کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے بعد سے اسے عالمی شہرت ملی اور دنیا بھر میں جنگلی حیات کے تحفظ کے اداروں نے اسے اپنے کیلنڈر کا حصہ بنالیا۔

مارخور بنیادی طور پر وسطی ایشیا اور جنوبی ایشیا کے پہاڑی سلسلوں کا باشندہ ہے۔ یہ پاکستان، افغانستان، تاجکستان، ازبکستان اور بھارت کے زیرِ انتظام کشمیر کے بلند و بالا اور دشوار گزار چٹانی علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ "مارخور" فارسی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے "سانپ کھانے والا" یا "سانپ کا شکاری"۔ اگرچہ یہ جانور بنیادی طور پر گھاس پھوس کھاتا ہے، لیکن مقامی روایات کے مطابق یہ سانپوں کو مارنے کی صلاحیت رکھتا ہے، جس کی وجہ سے اس کا یہ نام پڑا۔

پاکستان کے لیے مارخور محض ایک جانور نہیں، بلکہ قومی وقار کی علامت ہے: اور یہ پاکستان کا قومی جانور ہے، اور پاکستان کی سب سے مقتدر انٹیلیجنس ایجنسی (ISI) کے غیر سرکاری مونوگرام پر بھی مارخور کی تصویر نقش رہی ہے، اور اس کو منتخب کرنے کی بنیادی وجہ اس جانور کی خاص خصوصیات ہیں کہ روایتی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ جانور سانپوں کو مار کر کھا جاتا ہے۔ یہی استعارہ آئی ایس آئی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ وہ پاکستان کے دشمنوں اور چھپے ہوئے سانپوں (آستین کے سانپوں) پر نظر رکھتی ہے اور انہیں ناکام بناتی ہے۔ نیز مارخور ہمالیہ اور قراقرم کے انتہائی بلند اور ناہموار پہاڑوں پر رہتا ہے۔ یہ مشکل سے مشکل ترین ماحول میں بھی زندہ رہنے کی زبردست صلاحیت (Resilience) رکھتا ہے، جو کہ ایک انٹیلیجنس ایجنسی کی سخت تربیت اور مشکلات برداشت کرنے کی علامت ہے۔ اس کے خوبصورت بل کھاتے ہوئے سینگ اور چوکنا پن اسے بے خوف بناتے ہیں۔ یہ چیز خفیہ ایجنسی کی ہمہ وقت بیداری اور مستعدی کی عکاس ہے۔ (حالیہ برسوں میں آئی ایس آئی نے اپنا مونوگرام باضابطہ طور پر تبدیل کر کے 'گولڈن ایگل' کو اپنایا ہے، جس میں قرآنی آیت "خُذُوا حِذرَکُم" شامل ہے)

1990 کی دہائی میں پاکستان میں مارخور کی تعداد تشویشناک حد تک کم (صرف چند سو) رہ گئی تھی۔ پاکستان نے گلگت بلتستان، خیبر پختونخوا (چترال، کوہستان) اور بلوچستان میں مقامی برادریوں کو ساتھ ملا کر "کمیونٹی بیسڈ ٹرافی ہنٹنگ پروگرام" شروع کیا۔ اس پروگرام کے تحت بوڑھے مارخوروں کے قانونی شکار سے حاصل ہونے والی رقم کا 80 فیصد حصہ مقامی لوگوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اس کامیاب ماڈل کی وجہ سے مقامی لوگوں نے خود مارخور کا تحفظ شروع کر دیا۔ جس کے نتیجے میں مارخور کی آبادی اب ہزاروں تک پہنچ چکی ہے اور انٹرنیشنل یونین فار کنزرویشن آف نیچر (IUCN) نے اس کا نام "شدید خطرے میں گھرے جانوروں" کی فہرست سے نکال کر "خطرے کے قریب (Near Threatened)" کی فہرست میں ڈال دیا ہے۔

24 مئی کو مارخور کا عالمی دن منانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر انسان مخلصانہ کوششیں کرے تو معدوم ہوتی ہوئی حیاتِ نو کو بچایا جاسکتا ہے۔ پاکستان کے لیے یہ دن اپنی ماحولیاتی کامیابیوں کو دنیا کے سامنے پیش کرنے اور اپنی آنے والی نسلوں کو اس خوبصورت قومی اثاثے کے تحفظ کی ترغیب دینے کا ایک بہترین موقع ہے۔



قطر میں مقیم برطانوی نژاد پاکستانی سائنس دان کی مصنوعی ذہانت پر مبنی آنکھوں کی اسکین ٹیکنالوجی، ڈیمنشیا کی بروقت تشخیص میں اہم پیش رفت

اس وقت میڈیا میں ڈاکٹر پروفیسر ریاض ملک کا کافی ذکر ہو رہا ہے۔ اور پاکستان سے تعلق کی بنا پر پاکستانیوں کو بھی ان کے بارے میں اور ان کی حالیہ خدمات کے بارے میں آگاہی ہونا ضروری ہے

ڈاکٹر ریاض ملک بنیادی طور پر پاکستانی نژاد (Pakistani-born) ہیں، جو بعد میں اپنے خاندان کے ہمراہ برطانیہ (UK) منتقل ہو گئے تھے۔ وہ ایک طویل عرصے تک مانچسٹر، برطانیہ میں مقیم رہے، جس کی وجہ سے انہیں میڈیا میں برٹش پاکستانی سائنسدان کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی اعلیٰ طبی تعلیم برطانیہ کی مشہور درسگاہوں سے حاصل کی۔ انہوں نے اسکاٹ لینڈ کی یونیورسٹی آف ابرڈین (University of Aberdeen) سے میڈیسن میں گریجویشن (MB ChB) اور اس کے بعد انہوں نے یونیورسٹی آف مانچسٹر (University of Manchester) سے پی ایچ ڈی (PhD) مکمل کی اور وہیں پروفیسر اور کنسلٹنٹ فزیشن کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ تقریباً ایک دہائی قبل، ویل کارنیل میڈیسن (Weill Cornell Medicine) نے انہیں برطانیہ سے قطر منتقل ہونے کی دعوت دی تاکہ وہ وہاں ذیابیطس اور اعصابی بیماریوں پر ریسرچ پروگرام کی بنیاد رکھ سکیں میڈیا اور عوامی ریکارڈز میں پروفیسر ڈاکٹر ریاض ملک کی تمام تر پہچان ان کی طبی ایجادات، سائنسی ریسرچ اور پروفیشنل لائف کے گرد گھومتی ہے۔ انہوں نے اپنے انٹرویوز میں ہمیشہ اپنی ریسرچ اور پاکستان میں ذیابیطس کے بڑھتے ہوئے مریضوں کے لیے اس ٹیکنالوجی کی اہمیت پر بات کی ہے۔ چونکہ وہ ایک پبلک یا سیاسی شخصیت نہیں ہیں، اس لیے ان کے آبائی شہر (پاکستان کے کس ضلع سے ان کا تعلق تھا) یا ان کے والدین کے ناموں جیسی نجی خاندانی تفصیلات کو عوامی سطح پر زیادہ شیئر نہیں کیا جاتا۔

انہوں نے قطر میں ریسرچ کے دوران مصنوعی ذہانت (AI) کی مدد سے ایک جدید اور غیر تکلیف دہ آنکھوں کے اسکین کا طریقہ متعارف کرایا ہے جو ڈیمنشیا، پارکنسنز اور ذیابیطس سے ہونے والے اعصابی نقصانات کی علامات ظاہر ہونے سے کئی سال پہلے تشخیص کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ جدید ٹیکنالوجی صرف دو سے تین منٹ میں آنکھ کے قرنیہ (Cornea) میں موجود اعصابی ریشوں کی انتہائی باریک تصاویر حاصل کرتی ہے اور مصنوعی ذہانت ان تصاویر کا فوری تجزیہ کر کے دماغی اور اعصابی بیماریوں کے ابتدائی آثار کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس طریقۂ تشخیص کو "کورنیل کنفوکل مائیکروسکوپی – Corneal Confocal Microscopy) " (CCM کہا جاتا ہے، جو انسانی جسم کے اعصابی نظام کا ایک مؤثر آئینہ تصور کیا جا رہا ہے۔

پروفیسر ریاض ملک گزشتہ پچیس برس سے اعصابی بیماریوں، خصوصاً ذیابیطس سے پیدا ہونے والی نیوروپیتھی اور دماغی تنزلی کے امراض پر تحقیق کر رہے ہیں۔ وہ قطر میں قائم Weill Cornell Medicine–Qatar میں نیوروڈی جنریٹو بیماریوں اور ذیابیطس سے متعلق اعصابی مسائل کے ممتاز محقق کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کی تحقیق کا آغاز دراصل ذیابیطس کے مریضوں میں اعصابی کمزوری کی جلد تشخیص سے ہوا، تاہم بعد ازاں انہوں نے دریافت کیا کہ آنکھ کا قرنیہ انسانی جسم کا سب سے زیادہ اعصابی ریشوں والا حصہ ہے، جس کے ذریعے پورے اعصابی نظام کی کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی بنیاد پر انہوں نے جدید مشین لرننگ اور مصنوعی ذہانت کی مدد سے ایک ایسا تشخیصی نظام تیار کیا جو حیرت انگیز حد تک درست نتائج فراہم کرتا ہے۔

اس نئی ٹیکنالوجی کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ ڈیمنشیا جیسی بیماری کی علامات ظاہر ہونے سے کم از کم تین سال قبل اور ذیابیطس سے پیدا ہونے والی اعصابی خرابی کو تقریباً پانچ سال پہلے شناخت کر سکتی ہے۔ یوں معالجین کو بروقت احتیاطی اور حفاظتی علاج شروع کرنے کا موقع مل جاتا ہے، جس سے ناقابلِ واپسی دماغی یا اعصابی نقصان سے بچاؤ ممکن ہو سکتا ہے۔ روایتی طریقوں مثلاً ایم آر آئی یا اسپائنل ٹیپ کے مقابلے میں یہ اسکین نہ صرف کم خرچ اور تیز رفتار ہے بلکہ مکمل طور پر درد سے پاک بھی ہے، جس سے ترقی پذیر ممالک کے لاکھوں مریضوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

یہ سائنسی پیش رفت پاکستان جیسے ممالک کے لیے خصوصی اہمیت رکھتی ہے جہاں ذیابیطس اور دائمی بیماریوں کی شرح تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ ایسے حالات میں کم لاگت اور فوری تشخیص کی سہولت صحتِ عامہ کے نظام میں انقلابی تبدیلی لا سکتی ہے۔ Professor Rayaz Malik کی یہ کامیابی نہ صرف پاکستانی قوم کے لیے باعثِ فخر ہے بلکہ عالمی طبی تحقیق میں پاکستان کے مثبت اور مؤثر کردار کی بھی عکاسی کرتی ہے۔ ان کی تحقیق مستقبل میں دماغی اور اعصابی بیماریوں کی بروقت تشخیص اور علاج کے نئے دروازے کھولنے میں اہم سنگِ میل ثابت ہو سکتی ہے۔



کچھوؤں کا عالمی دن اور پاکستان میں اس حوالے کئے گئے اقدامات

کچھوؤں کا عالمی دن (World Turtle Day) ہر سال 23 مئی کو منایا جاتا ہے ۔اس دن کا بنیادی مقصد کرہ ارض پر کچھوؤں کی بقا، ان کی اہمیت اور ان کے قدرتی ماحول (آبی و زمینی) کے تحفظ کے بارے میں عوامی شعور بیدار کرنا ہے

یہ دن پہلی بار سن 2000 میں امریکن ٹرٹل ریسکیو (American Tortoise Rescue) نامی تنظیم نے منانا شروع کیا تھا۔ کیونکہ کچھوے ماحول کے توازن کو برقرار رکھنے میں انتہائی کلیدی کردار ادا کرتے ہیں ۔یہ پانی میں مردہ پودوں اور جانوروں کو کھا کر پانی کو صاف رکھتے ہیں، اور زمین کو زرخیز بنانے میں مدد گار ہیں بدقسمتی سے، غیر قانونی شکار، آلودگی اور سمندری حدود میں تبدیلیوں کی وجہ سے کچھوؤں کی کئی اقسام کو معدوم ہونے کا خطرہ لاحق ہے

اس دن دنیا بھر میں مختلف تعلیمی سرگرمیاں، سیمینارز اور ریسکیو پروگرامز منعقد کیے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کو فطرت کے اس قدیم اور شاندار شاہکار کی حفاظت پر آمادہ کیا جاسکے

پاکستان میں کچھوؤں کے تحفظ کے لیے حکومتی اور غیر سرکاری سطح پر متعدد مؤثر اقدامات کیے گئے ہیں، جن میں ساحلی علاقوں میں ہیچری کا قیام، غیر قانونی شکار کی روک تھام اور سمندری ماحولیات کے تحفظ کے لیے جدید ٹیکنالوجی (TEDs) کا استعمال شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کچھوؤں کے تحفظ اور بقا کے حوالے سے اہم اقدامات بھی کئے گئے ہیں جن میں سمندری کچھوؤں کے تحفظ کے منصوبے (Marine Turtle Conservation)

اور ہیچریوں اور انڈوں کے تحفظ کے لئے: کراچی کے ساحل (جیسے سینڈ سپٹ اور ہاکس بے) اور بلوچستان کے ساحلی علاقوں (جیسے اورماڑا اور جیوانی) پر مادہ کچھوے انڈے دینے آتے ہیں۔ وائلڈ لائف ڈیپارٹمنٹ اور WWF-Pakistan کی ٹیمیں رات کے وقت ان انڈوں کو شکاری آوارہ کتوں اور اسمگلروں سے بچا کر مصنوعی گڑھوں (Hatcheries) میں منتقل کرتی ہیں۔ بچوں کے نکلنے پر انہیں بحفاظت سمندر میں چھوڑا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ٹارٹل ایکسکلوڈیوائسز (TEDs) کے تحت حکومت پاکستان نے سمندری حیات کے تحفظ کے لیے کروڑوں روپے مالیت کا منصوبہ شروع کیا ہے۔ اس کے تحت جھینگا پکڑنے والے جالوں میں ایسی جالیاں لگائی جارہی ہیں، جن کی مدد سے کچھوے اور دیگر بڑی مچھلیاں جال میں پھنسنے سے محفوظ رہتی ہیں اور آسانی سے نکل سکتی ہیں۔ اور

کچھوؤں کی افزائش گاہوں کو محفوظ بنانے کے لیے حکومت نے آسٹولا آئی لینڈ اور چرنا آئی لینڈ کو میرین پروٹیکٹڈ ایریاز (MPAs) قرار دیا ہے۔ قانونی اقدامات اور اسمگلنگ کی روک تھام کے لئے صوبائی وائلڈ لائف ایکٹس (مثلاً پنجاب، سندھ، اور بلوچستان وائلڈ لائف پروٹیکشن ایکٹس) کے تحت کچھوؤں کو قانونی تحفظ حاصل ہے۔ اور کچھوؤں کے شکار، ان کا گوشت بیچنے یا انڈے جمع کرنے پر مکمل پابندی عائد ہے۔ اس غیر قانونی کاروبار میں ملوث افراد کے خلاف بھاری جرمانے اور قید کی سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔

پاکستان میں میٹھے پانی کے کچھوے بھی پائے جاتے ہیں جو دریاؤں اور جھیلوں میں قدرتی صفائی کا نظام چلاتے ہیں۔ ان کی نایاب اقسام کو بھی سخت قانونی تحفظ دیا گیا ہے اور ان کی غیر ملکی اسمگلنگ کو روکنے کے لیے ہوائی اڈوں اور بندرگاہوں پر کسٹم حکام کو الرٹ رکھا جاتا ہے۔ حکومتی اداروں کے ذریعے

ماہی گیروں اور ساحلی آبادیوں کو تربیت دی جاتی ہے کہ وہ غلطی سے جال میں پھنس جانے والے کچھوؤں کو بغیر نقصان پہنچائے کیسے واپس پانی میں چھوڑیں۔ اور لوکل این جی اوز اور WWF ساحل پر پلاسٹک کی آلودگی کو کم کرنے اور کچھوؤں کی اہمیت کے حوالے سے آگاہی مہمات چلاتے ہیں



22 مئی — حیاتیاتی تنوع کا عالمی دن

فطرت کا تحفظ، پائیدار مستقبل کی ضمانت اور پاکستان کو لاحق خدشات۔

حیاتیاتی تنوع کا عالمی دن (International Day for Biological Diversity) ہر سال 22 مئی کو دنیا بھر میں اس مقصد کے تحت منایا جاتا ہے کہ عوام میں حیاتیاتی تنوع کی اہمیت اور زمین پر زندگی کو برقرار رکھنے والے قدرتی نظاموں کے تحفظ کے حوالے سے شعور اجاگر کیا جاسکے۔ یہ دن 1992ء میں ریو ارتھ سمٹ کے دوران "کنونشن آن بائیولوجیکل ڈائیورسٹی (Convention on Biological Diversity)" کی منظوری کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ ابتدا میں یہ دن 29 دسمبر کو منایا جاتا تھا، تاہم اقوامِ متحدہ نے بعد ازاں عوامی شمولیت بڑھانے اور اس تاریخی معاہدے کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے اس کی تاریخ 22 مئی مقرر کر دی۔ یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ حیاتیاتی تنوع — جس میں پودے، جانور، خردنامیے، جنگلات، دریا، سمندر اور مختلف ماحولیاتی نظام شامل ہیں — انسانی بقا، غذائی تحفظ، صاف پانی، ادویات، موسمیاتی توازن اور پائیدار معاشی ترقی کے لیے ناگزیر ہے۔

حیاتیاتی تنوع انسانی زندگی اور ماحولیاتی توازن کی بنیادی اساس ہے۔ صحت مند ماحولیاتی نظام موسمیاتی تبدیلی کے اثرات کو کم کرنے، زمین کی زرخیزی برقرار رکھنے، فصلوں کی افزائش میں مدد دینے اور قدرتی آفات سے تحفظ فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تاہم آج دنیا ایک سنگین حیاتیاتی بحران کا سامنا کر رہی ہے۔ عالمی ماحولیاتی جائزوں کے مطابق 48 ہزار سے زائد انواع کو معدومی کا خطرہ لاحق ہے، جس کی بڑی وجوہات جنگلات کی کٹائی، قدرتی رہائش گاہوں کی تباہی، آلودگی، موسمیاتی تبدیلی، قدرتی وسائل کا بے دریغ استعمال اور پلاسٹک کا بڑھتا ہوا فضلہ ہیں۔ ماہرین کے مطابق حیاتیاتی تنوع کا تیزی سے خاتمہ صرف ماحولیاتی مسئلہ نہیں بلکہ عالمی صحت، زراعت اور معاشی استحکام کے لیے بھی ایک بڑا خطرہ بن چکا ہے۔ اسی چیلنج سے نمٹنے کے لیے اقوامِ متحدہ کے تحت "کمنگ-مونٹریال عالمی حیاتیاتی فریم ورک (Kunming-Montreal Global Biodiversity Framework)" منظور کیا گیا، جس کا مقصد 2030ء تک ماحولیاتی نظاموں کے تحفظ، تباہ شدہ قدرتی علاقوں کی بحالی اور حیاتیاتی تنوع کے نقصان کو روکنے کے لیے عالمی رہنمائی فراہم کرنا ہے۔

سال2026ء کے لیے حیاتیاتی تنوع کے عالمی دن کا موضوع "عالمی اثرات کے لیے مقامی سطح پر عمل (Acting Locally for Global Impact) " مقرر کیا گیا ہے۔ اس موضوع کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ مؤثر ماحولیاتی تحفظ کا آغاز مقامی سطح اور کمیونٹی سے ہوتا ہے۔ اس مہم کے تحت افراد اور اداروں کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ اپنے ارد گرد موجود ماحولیاتی نظام کو سمجھیں، شجر کاری اور تحفظِ ماحول کی سرگرمیوں میں حصہ لیں، آلودگی اور فضلے میں کمی لائیں اور معاشرے میں ماحولیاتی شعور کو فروغ دیں۔ اس موضوع کا مقصد یہ باور کرانا ہے کہ مقامی سطح پر کیے جانے والے چھوٹے چھوٹے اقدامات—جیسے دلدلی علاقوں کا تحفظ، مقامی درختوں کی شجر کاری، پانی کی بچت اور جنگلی حیات کی محفوظ پناہ گاہوں کا قیام—اجتماعی طور پر عالمی ماحولیاتی استحکام اور موسمیاتی مزاحمت کو مضبوط بناتے ہیں۔

پاکستان اگرچہ عالمی کاربن اخراج میں نسبتاً کم حصہ ڈالتا ہے، لیکن موسمیاتی تبدیلی اور حیاتیاتی تنوع کی تباہی سے شدید متاثر ہونے والے ممالک میں شامل ہے۔ پاکستان قدرتی حسن اور ماحولیاتی تنوع سے مالا مال ملک ہے جہاں جنگلات، صحرا، دلدلی علاقے، پہاڑی سلسلے، ساحلی ماحولیاتی نظام اور نایاب جنگلی حیات پائی جاتی ہے۔ ان میں برفانی چیتا، دریائے سندھ کی ڈولفن، مارخور اور ہمالیائی بھورا ریچھ نمایاں ہیں۔ تاہم تیز رفتار شہری آبادی، جنگلات کی کٹائی، غیر قانونی شکار، پانی کی قلت اور موسمیاتی آفات ان قدرتی وسائل کے لیے مسلسل خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ حالیہ برسوں میں پاکستان نے حیاتیاتی تنوع کے تحفظ اور ماحولیاتی بحالی کے لیے متعدد اہم اقدامات کیے ہیں۔ "ٹن بلین ٹری سونامی پروگرام"، محفوظ قومی پارکس اور پروٹیکٹڈ ایریاز میں توسیع، ساحلی علاقوں میں مینگرووز کی بحالی اور جنگلی حیات کے تحفظ کے منصوبوں کو عالمی سطح پر سراہا گیا ہے۔ پاکستان اقوامِ متحدہ کے تحت عالمی ماحولیاتی اور حیاتیاتی معاہدوں میں بھی فعال کردار ادا کر رہا ہے، جبکہ ماحولیاتی تعلیم، ایکو ٹورازم اور کمیونٹی بیسڈ کنزرویشن منصوبوں کو بھی فروغ دیا جا رہا ہے۔

حیاتیاتی تنوع کے عالمی دن کا پیغام یہ ہے کہ قدرتی وسائل اور ماحولیات کا تحفظ صرف حکومتوں کی ذمہ داری نہیں بلکہ پوری انسانیت کا مشترکہ فریضہ ہے۔ حیاتیاتی تنوع کا تحفظ محض ایک ماحولیاتی تقاضا نہیں بلکہ معاشی خوشحالی، غذائی تحفظ، صحتِ عامہ اور آنے والی نسلوں کی بقا کے لیے ناگزیر ہے۔ مضبوط پالیسی سازی، عوامی شعور، پائیدار طرزِ زندگی اور بین الاقوامی تعاون کے ذریعے دنیا اب بھی حیاتیاتی تنوع کے نقصان کو روک کر ایک صحت مند، محفوظ اور پائیدار مستقبل کی بنیاد رکھ سکتی ہے



بین الاقوامی یومِ چائے: عالمی معیشت، ثقافت اور پاکستان کے لیے چیلنجز (جو سالانہ 17 ارب روپے کی چائے درآمد کرتا ہے،

دنیا بھر میں ہر سال 21 مئی کو "بین الاقوامی یومِ چائے" منایا جاتا ہے تاکہ چائے کی ثقافتی، معاشی، زرعی اور سماجی اہمیت کو اجاگر کیا جاسکے۔ چائے دنیا کے مقبول ترین مشروبات میں شمار ہوتی ہے اور پانی کے بعد سب سے زیادہ استعمال ہونے والی مشروب مانی جاتی ہے۔ ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے کروڑوں افراد کا روزگار چائے کی کاشت، پراسیسنگ، تجارت اور ترسیل سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چائے محض ایک مشروب نہیں بلکہ عالمی معیشت، دیہی ترقی اور کئی معاشروں کی تہذیبی روایت کا اہم حصہ سمجھی جاتی ہے۔ چین، بھارت، سری لنکا، کینیا اور بنگلہ دیش سمیت کئی ممالک میں چائے سماجی میل جول، مہمان نوازی اور ثقافتی شناخت کی علامت بن چکی ہے۔

بین الاقوامی یومِ چائے منانے کا تصور بنیادی طور پر ان ممالک سے ابھرا جہاں چائے کے چھوٹے کاشتکار اور مزدور کم اجرت، غیر منصفانہ عالمی تجارت، موسمیاتی تبدیلی اور کارپوریٹ اجارہ داری جیسے مسائل کا شکار تھے۔ پہلی مرتبہ 2005ء میں بھارت کے شہر نئی دہلی میں مختلف ٹریڈ یونینز، کسان تنظیموں اور سماجی اداروں نے "یومِ چائے" منایا، جس کے بعد سری لنکا، نیپال، کینیا اور دیگر چائے پیدا کرنے والے ممالک نے بھی اس مہم کی حمایت کی۔ اس تحریک کا بنیادی مقصد چائے کے شعبے سے وابستہ محنت کش طبقے کے حقوق کا تحفظ، منصفانہ تجارت (Fair Trade) کو فروغ دینا اور عالمی سطح پر پائیدار زرعی نظام کے لیے آواز اٹھانا تھا۔ بعد ازاں اقوامِ متحدہ کے ذیلی ادارے Food and Agriculture Organization نے چائے کی عالمی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس دن کو باضابطہ عالمی سطح پر منانے کی سفارش کی۔ دسمبر 2019ء میں United Nations General Assembly نے 21 مئی کو "International Tea Day" قرار دینے کی منظوری دی، جبکہ اس کا پہلا سرکاری عالمی انعقاد 2020ء میں ہوا۔ 21 مئی کی تاریخ اس لیے منتخب کی گئی کیونکہ اس عرصے میں کئی ممالک میں چائے کی فصل اور پیداوار کا اہم سیزن شروع ہوتا ہے۔

اس دن کے بنیادی مقاصد میں چائے کی پائیدار پیداوار کو فروغ دینا، چھوٹے کسانوں کے معاشی مسائل اجاگر کرنا، عالمی منڈی میں منصفانہ تجارتی نظام کو مضبوط بنانا، دیہی معیشت کی ترقی اور موسمیاتی تبدیلی کے چائے کی فصل پر اثرات کے بارے میں شعور بیدار کرنا شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ دن چائے کی ثقافتی اہمیت اور مختلف معاشروں میں اس کے سماجی کردار کو بھی نمایاں کرتا ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں اس موقع پر سیمینارز، ثقافتی تقریبات، چائے میلوں، زرعی نمائشوں اور آگاہی مہمات کا انعقاد کیا جاتا ہے تاکہ چائے کی صنعت سے وابستہ افراد کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا جاسکے۔

دنیا بھر میں چائے کی کل پیداوار تقریباً 65 لاکھ سے 70 لاکھ میٹرک ٹن کے درمیان ہے۔ عالمی مارکیٹ میں اس کی کل مالیت کا تخمینہ 86 بلین امریکی ڈالر سے لے کر 100 بلین امریکی ڈالر تک لگایا جاتا ہے، جو آنے والے سالوں میں مسلسل بڑھ رہا ہے۔ حالیہ تجزیات کے مطابق چائے کی مارکیٹ کی مالیت سالانہ 4.5 فیصد سے 6.6 فیصد کی شرح سے ترقی کر رہی ہے اور اندازہ ہے کہ 2032 تک یہ 110 بلین سے 134 بلین ڈالر تک پہنچ جائے گی۔

عالمی سطح پر چائے پیدا کرنے والے تین بڑے ممالک مین چین دنیا میں سب سے زیادہ چائے پیدا کرنے والا ملک ہے، جو اکیلے عالمی پیداوار کا تقریباً 40 سے 50 فیصد حصہ پیدا کرتا ہے مگر عالمی سطح پر وہ چائے برآمد نہیں کرتا کیونکہ اس کی کھپت پیداوار سے کم ہے اور وہ دو فیصد سے زائد ضروریات تقریبا 157.6 ملین ڈالر مالیت کی چائے سری لنکا۔ بھارت اور کینیا سے درآمد کرتا ہے۔

:عالمی چائے کی کل برآمدات میں بھارت کا حصہ دس سے بارہ فی صد کے درمیان ہے اگرچہ بھارت دنیا میں چائے پیدا کرنے والا دوسرا سب سے بڑا ملک ہے، لیکن اس کی زیادہ تر پیداوار مقامی سطح پر ہی استعمال ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کل برآمدات میں کینیا کا حصہ تقریباً 18.7 فی صد اور حجم کے لحاظ سے سب سے بڑا ہے۔ کینیا دنیا بھر میں سیاہ چائے برآمد کرنے والے صفِ اول کے ممالک میں شامل ہے۔ کینیا بھارت کے برعکس اپنی چائے کا بڑا حصہ برآمد کر دیتا ہے

پاکستان کا معاملہ اس تناظر میں نہایت دلچسپ مگر تشویش ناک ہے۔ پاکستان دنیا کے بڑے چائے استعمال کرنے والے ممالک میں شامل ہے اور اپنی سالانہ چائے کی کھپت (تقریباً 246,000 میٹرک ٹن) کا تقریباً 99 فیصد درآمد کرتا ہے، جس پر سالانہ 600 ملین ڈالر سے زائد خرچ ہوتے ہیں. گویا پاکستانی قوم سال بھر میں 17 ارب روپوں کی چائے پی جاتی ہے

جبکہ اسکی مقامی پیداوار نہ ہونے کے برابر ہے، البتہ حکومت اور FAO کے اشتراک سے اسے بڑھانے کے منصوبے جاری ہیں۔، خیبر پختونخوا کے علاقے مانسہرہ کے مقام پر واقع) NTHRI نیشنل ٹی اینڈ ہائی ویلیو کراپس ریسرچ انسٹیٹیوٹ) میں چائے کی کامیاب کاشت کی جارہی ہے۔ اس کے علاوہ خیبر پختونخوا کے اضلاع: مانسہرہ (شنکیاری اور بفا)، سوات، ایبٹ آباد، بٹگرام، شانگلہ، بونیر، اور دیر۔ اور آزاد جموں و کشمیر (AJK) کا علاقہ بھی چائے کی کاشت کے لیے انتہائی موزوں قرار دیا گیا ہے۔ حالیہ سروے کے مطابق ان شمالی علاقوں میں 268,000 ہیکٹر زاراضی چائے کی فصل کے لیے بہترین ہے۔ اس کے باوجود مقامی پیداوار ملکی ضرورت کے 1 فیصد سے بھی کم حصے کو پورا کرتی ہے۔ باقی تمام تر ضرورت (تقریباً 99 فیصد) درآمدات کے ذریعے پوری کی جاتی ہے۔ جو زرمبادلہ پر بہت بڑا بوجھ ہے۔ سب سے زیادہ چائے کینیا(Kenya) ، روانڈا، ویت نام، اور یوگنڈا سے درآمد کی جاتی ہے۔

پاکستانی معاشرے میں چائے صرف ایک مشروب نہیں بلکہ روزمرہ سماجی زندگی کا لازمی جزو بن چکی ہے؛ گھروں، دفاتر، بازاروں، سیاسی بیٹھکوں اور دیہی حجرہ کلچر تک ہر جگہ چائے بنیادی سماجی روایت کا حصہ ہے۔ تاہم اس بڑھتی ہوئی کھپت کے باوجود مقامی پیداوار نہ ہونے کے برابر ہے، جو زرعی منصوبہ بندی اور پالیسی سازی پر ایک بڑا سوالیہ نشان ہے۔ اس سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ ملک میں چائے کی بڑھتی ہوئی کھپت کو مقامی زرعی پالیسی سے کبھی مؤثر طور پر نہیں جوڑا گیا۔ حکومتیں دہائیوں سے درآمدی بل کم کرنے کے دعوے تو کرتی رہی ہیں، مگر چائے جیسی اہم اور مستقل استعمال کی شے کے لیے کوئی جامع قومی حکمتِ عملی تشکیل نہیں دی جا سکی۔ زرعی تحقیقاتی اداروں کو محدود وسائل دیے گئے، کسانوں کو خاطر خواہ مراعات نہ مل سکیں اور چائے کی مقامی صنعت نجی شعبے کی توجہ بھی حاصل نہ کر سکی۔ نتیجتاً پاکستان آج بھی اربوں روپے زرمبادلہ خرچ کر کے چائے درآمد کرنے پر مجبور ہے، حالانکہ اگر سنجیدہ منصوبہ بندی، جدید زرعی تحقیق، مقامی سرمایہ کاری اور کسانوں کی عملی معاونت کی جائے تو نہ صرف درآمدی بل میں نمایاں کمی لائی جا سکتی ہے بلکہ شمالی علاقوں میں روزگار اور دیہی معیشت کو بھی مضبوط بنایا جا سکتا ہے۔

بین الاقوامی یوم چائے دراصل صرف ایک مشروب کا دن نہیں بلکہ یہ زرعی انصاف، پائیدار معیشت، کسانوں کے حقوق، عالمی تجارت اور ثقافتی ہم آہنگی کا عالمی پیغام ہے۔ پاکستان کے لیے یہ دن اس امر کی یاد دہانی بھی ہے کہ اگر قدرتی وسائل، زرعی صلاحیت اور مقامی پیداوار پر سنجیدہ توجہ نہ دی گئی تو درآمدی انحصار مستقبل میں مزید معاشی دباؤ کا سبب بن سکتا ہے۔



عالمی یومِ مگسِ عسل: فطرت، خوراک اور انسانی بقا کے خاموش محافظ — پاکستان میں مگس بانی کی موجودہ صورتِ حال

دنیا بھر میں ہر سال 20 مئی کو "عالمی یومِ شہد کی مکھی (World Bee Day)" منایا جاتا ہے تاکہ انسانوں کو شہد کی مکھیوں اور دیگر گرد افشانی کرنے والے حشرات (Pollinators) کی اہمیت سے آگاہ کیا جاسکے۔ اس تاریخ کے انتخاب کی بنیادی وجہ جدید شہد بانی کے ماہر Anton Janša کی پیدائش ہے، جو 20 مئی 1734ء کو موجودہ سلووینیا میں پیدا ہوئے اور شہد کی مکھیوں کی سائنسی افزائش و نگہداشت کے بانیوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اس عالمی دن کی تجویز یورپی ملک Slovenia نے پیش کی، جسے United Nations نے 2017ء میں باضابطہ طور پر منظور کیا، جبکہ پہلی مرتبہ اس کا عالمی انعقاد 2018ء میں کیا گیا۔ اس دن کا بنیادی مقصد شہد کی مکھیوں کے تحفظ، زرعی پیداوار میں ان کے کردار، حیاتیاتی تنوع اور ماحولیاتی توازن کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔

شہد کی مکھیاں محض شہد پیدا کرنے والا حشرہ نہیں بلکہ عالمی غذائی نظام کی بنیاد تصور کی جاتی ہیں۔ ماہرین کے مطابق دنیا کی تقریباً تین چوتھائی زرعی فصلیں کسی نہ کسی حد تک پولینیشن یعنی گرد افشانی پر انحصار کرتی ہیں، اور اس عمل میں شہد کی مکھیاں مرکزی کردار ادا کرتی ہیں۔ پھلوں، سبزیوں، دالوں، خشک میوہ جات اور تیل دار اجناس کی بہتر پیداوار میں ان کی موجودگی زرعی معیشت کو مستحکم بناتی ہے۔ تاہم موسمیاتی تبدیلی، زرعی زہروں کا بے دریغ استعمال، جنگلات کی کٹائی، آلودگی اور قدرتی مساکن کی تباہی کے باعث دنیا بھر میں شہد کی مکھیوں کی تعداد میں تشویشناک کمی دیکھنے میں آ رہی ہے۔ اسی خطرے کے پیشِ نظر Food and Agriculture Organization، اقوامِ متحدہ اور دیگر عالمی ادارے ماحول دوست زرعی پالیسیوں، نامیاتی کاشتکاری اور حیاتیاتی تحفظ کی مہمات کو فروغ دے رہے ہیں تاکہ شہد کی مکھیوں اور دیگر مفید حشرات کا تحفظ یقینی بنایا جاسکے۔

پاکستان میں بھی گزشتہ چند برسوں سے عالمی یومِ شہد کی مکھی سرکاری، زرعی اور تعلیمی اداروں کے اشتراک سے منایا جارہا ہے۔ Pakistan Agricultural Research Council، صوبائی محکمہ جاتِ زراعت، جامعات اور شہد بانوں کی انجمنیں اس موقع پر سیمینارز، تربیتی ورکشاپس، آگاہی واکس اور شہد کی نمائشوں کا انعقاد کرتی ہیں۔ ملک کے شمالی علاقہ جات خصوصاً Khyber Pakhtunkhwa، Gilgit-Baltistan، اور پنجاب کے بعض علاقوں میں مگس بانی ایک اہم معاشی سرگرمی بنتی جارہی ہے۔

پاکستان میں اس وقت شہد کی سالانہ پیداوار تقریباً 15 ہزار سے 20 ہزار ٹن کے درمیان بتائی جاتی ہے، جبکہ اس کا بڑا حصہ خیبر پختونخوا سے حاصل ہوتا ہے جہاں ہزاروں شہد فارم فعال ہیں۔ پاکستانی شہد عالمی معیار کے اعتبار سے اعلیٰ تصور کیا جاتا ہے اور ملک عالمی شہد برآمد کرنے والے نمایاں ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ گزشتہ برس پاکستان سے تقریباً 10 سے 15 ملین ڈالر مالیت کا شہد برآمد کیا گیا، جس میں زیادہ تر برآمدات مشرقِ وسطیٰ خصوصاً Saudi Arabia، United Arab Emirates، Kuwait اور Oman کو کی گئیں۔ مجموعی طور پر پاکستان اپنی سالانہ شہد پیداوار کا تقریباً 24 فیصد برآمد کرتا ہے، جبکہ رائل جیلی اور بیز ویکس جیسی مصنوعات کی عالمی منڈی میں بھی پاکستانی مصنوعات کی طلب موجود ہے۔

پاکستان میں شہد کی پیداوار، تحقیق اور برآمدات کو فروغ دینے کے لیے متعدد سرکاری اور نجی ادارے سرگرم عمل ہیں۔ Honey Bee Research Institute، جو پاکستان زرعی تحقیقاتی کونسل کے زیرِ انتظام کام کرتا ہے، مگس بانی کی تربیت، کوالٹی کنٹرول اور نئی نسل کی مکھیوں کی افزائش پر تحقیق کر رہا ہے۔ اسی طرح All Pakistan Beekeepers Exporters and Honey Traders Association شہد کے تاجروں اور برآمد کنندگان کی نمائندہ تنظیم کے طور پر بین الاقوامی منڈیوں تک رسائی میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ Hashoo Foundation دیہی علاقوں، خصوصاً خواتین کو مگس بانی کی تربیت دے کر روزگار کے مواقع فراہم کر رہی ہے، جبکہ Food and Agriculture Organization بھی پاکستان کے مختلف علاقوں میں شہد کی پیداوار بڑھانے اور کسانوں کی مالی حالت بہتر بنانے کے منصوبے چلا رہی ہے۔

ماہرین کے مطابق پاکستان میں شہد کی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ جدید سائنسی طریقوں کو اپنانے سے ممکن ہے۔ روایتی چھتوں کے بجائے جدید لکڑی کے بی ہائیوز اور فریمز کا استعمال شہد کی پیداوار میں نمایاں اضافہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح شہد کی مکھیوں کو شدید گرمی، بارش اور سردی سے محفوظ رکھنے کے لیے چھتوں کو ہوادار اور مناسب مقامات پر رکھنا ضروری ہے، جبکہ بعض اوقات مصنوعی خوراک کی فراہمی بھی ان کی افزائش کے لیے ناگزیر ہوتی ہے۔ پاکستان میں مختلف موسموں کے ساتھ پھولوں کے سیزن تبدیل ہوتے رہتے ہیں، اس لیے مکھیوں کے ڈبوں کو پنجاب سے خیبر پختونخوا اور بلوچستان جیسے علاقوں کی جانب منتقل کرنا بھی پیداوار بڑھانے کا مؤثر ذریعہ سمجھا جاتا ہے

۔زرعی ماہرین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ زہریلی کیڑے مار ادویات کے استعمال میں کمی، نامیاتی کاشتکاری کا فروغ اور زیادہ سے زیادہ شجر کاری شہد کی مکھیوں کے تحفظ کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔ "بلین ٹری سونامی" اور "بلین ٹری ہنی انیشی ایٹو" جیسے منصوبوں کی طرز پر کیکر، بیری، پھلائی اور دیگر پھولدار درختوں کی افزائش مکھیوں کو قدرتی رس فراہم کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

پاکستانی شہد اگرچہ معیار کے اعتبار سے دنیا میں ممتاز مقام رکھتا ہے، تاہم یورپی یونین کے بعض ضابطوں اور معیار سے متعلق پابندیوں کے باعث براہِ راست برآمدات میں ابھی مزید بہتری کی ضرورت ہے۔ اس وقت پاکستانی شہد کی بڑی مقدار پہلے مشرقِ وسطیٰ بھیجی جاتی ہے، جہاں سے اسے دوبارہ پیک کر کے دیگر ممالک کو ری ایکسپورٹ کیا جاتا ہے۔
ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر جدید تحقیق، معیار کی جانچ، تربیت، شجر کاری اور ماحول دوست زرعی پالیسیوں پر مزید توجہ دی جائے تو پاکستان نہ صرف شہد کی پیداوار میں کئی گنا اضافہ کر سکتا ہے بلکہ عالمی منڈی میں بھی نمایاں مقام حاصل کر سکتا ہے۔ عالمی یومِ شہد کی مکھی دراصل انسانیت کو یہ یاد دلاتا ہے کہ فطرت کے یہ ننھے محافظ صرف شہد ہی نہیں بلکہ انسانی خوراک، زرعی ترقی، ماحولیاتی توازن اور زندگی کے تسلسل کے خاموش نگہبان بھی ہیں



19 مئی۔ عالمی یومِ منصفانہ کھیل کھیل، دیانتداری اور عالمی ہم آہنگی کا پیغام

اقوامِ متحدہ نے 19 مئی کو باضابطہ طور پر "عالمی یومِ منصفانہ کھیل (World Fair Play Day) "قرار دے کر دنیا کو یہ پیغام دیا ہے کہ کھیل صرف جسمانی سرگرمی یا مقابلہ نہیں بلکہ اخلاق، برداشت، احترام اور دیانتداری کی عملی تربیت بھی ہیں۔

یکم جولائی 2024ء کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے قرارداد A/RES/78/310 منظور کرتے ہوئے اس دن کو عالمی سطح پر تسلیم کیا، جس کا بنیادی مقصد کھیلوں اور روزمرہ زندگی میں منصفانہ طرزِ عمل، قانون کی پاسداری اور باہمی احترام کو فروغ دینا ہے۔ اس اقدام کے پس منظر میں دنیا بھر میں کھیلوں کے دوران بڑھتے ہوئے تشدد، نسلی تعصب، ڈوپنگ اور غیر اخلاقی رویّوں پر تشویش بھی شامل تھی۔

تاریخی طور پر "فیئر پلے" یا منصفانہ کھیل کا تصور قدیم اولمپک روایات سے جڑا ہوا ہے، جہاں مقابلے کے ساتھ کردار اور اخلاق کو بھی اہمیت دی جاتی تھی۔ جدید دور میں اس نظریے کو مزید منظم انداز میں فروغ دینے کے لیے مختلف عالمی ادارے سرگرم رہے، جن میں International Fair Play Committee ، Panathlon International اور یورپی کھیلوں سے وابستہ تنظیمیں شامل ہیں۔ ان اداروں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ کھیل معاشروں میں امن، رواداری، سماجی شمولیت اور نوجوانوں میں مثبت اقدار پیدا کرنے کا مؤثر ذریعہ ہیں، اسی لیے منصفانہ کھیل کو عالمی سطح پر ایک اخلاقی تحریک کی حیثیت دی گئی۔

اس دن کی اہمیت صرف کھیلوں کے میدان تک محدود نہیں بلکہ یہ انسانی معاشرت کے وسیع تر اصولوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ اقوامِ متحدہ کے مطابق منصفانہ کھیل مساوات، غیر امتیازی سلوک، صنفی برابری اور معذور افراد سمیت ہر طبقے کی شمولیت کو یقینی بنانے کی علامت ہے۔ یہ دن اس حقیقت کو بھی اجاگر کرتا ہے کہ کھیل مختلف قوموں، ثقافتوں اور مذاہب کے درمیان فاصلے کم کر کے عالمی یکجہتی کو فروغ دے سکتے ہیں۔ اسی مقصد کے تحت دنیا بھر میں تعلیمی سیمینارز، کھیلوں کے مقابلے، آگاہی مہمات اور نوجوانوں کے لیے تربیتی سرگرمیاں منعقد کی جاتی ہیں تاکہ نئی نسل میں دیانتداری، برداشت اور اجتماعی ذمہ داری کا شعور پیدا ہو۔

آج کے دور میں جب کھیل تجارتی مفادات، سیاسی دباؤ اور غیر اخلاقی رجحانات سے متاثر ہو رہے ہیں، عالمی یومِ منصفانہ کھیل اس عزم کی تجدید کا دن ہے کہ کامیابی صرف جیت کا نام نہیں بلکہ اصولوں، احترام اور انصاف کے ساتھ آگے بڑھنے کا نام بھی ہے۔ یہی اقدار مضبوط، پُرامن اور زیادہ مربوط معاشروں کی بنیاد بنتی ہیں، اور یہی اس عالمی دن کا اصل پیغام ہے



18 مئی ـــ عالمی ایڈز ویکسین ڈے اور پاکستان میں متاثرین کی صورت حال۔۔

۔(ایک پیغام کہ دنیا ابھی تک اس کی کوئی موثر ویکسین دریافت نہیں کر سکی(

عالمی ایڈز ویکسین ڈے (World AIDS Vaccine Day) ہر سال 18 مئی کو منایا جاتا ہے۔ اس دن کی بنیاد 18 مئی 1997ء کو اُس وقت کے امریکی صدر Bill Clinton کی ایک تقریر سے پڑی، جس میں انہوں نے دنیا کو ایڈز کے خلاف مؤثر ویکسین تیار کرنے کا ہدف دیا۔ اس دن کو پہلی بار 1998ء میں منایا گیا۔ اس کا بنیادی مقصد ایچ آئی وی / ایڈز کے خلاف ویکسین کی تحقیق کو فروغ دینا، عوام میں شعور پیدا کرنا، اور اُن سائنس دانوں، ڈاکٹروں اور رضاکاروں کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرنا تھا جو اس مہلک مرض کے خاتمے کے لیے کام کر رہے ہیں۔

ایڈز دراصل) HIV ہیومن امیونوڈیفیشنسی وائرس) کی وجہ سے ہوتا ہے جو انسانی مدافعتی نظام کو کمزور کر دیتا ہے۔ یہ وائرس غیر محفوظ جنسی تعلقات، متاثرہ سرنج یا خون کے استعمال، منشیات کے لیے مشترکہ سوئیوں، اور ماں سے بچے میں منتقل ہو سکتا ہے۔

World Health Organization اور UNAIDS کے مطابق اس وقت دنیا بھر میں تقریباً 4 کروڑ 8 لاکھ افراد HIV کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں، جبکہ ہر سال لاکھوں نئے کیسز سامنے آتے ہیں.

پاکستان بھی ان متاثرہ ممالک کی فہرست میں شامل ہے اور نیشنل ایڈز کنٹرول پروگرام (NACP) کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق، پاکستان میں HIV/AIDS کے 84,421 رجسٹرڈ کیسز ہیں، جن میں تقریباً 60,700 مریض فعال طور پر اینٹیریٹرو وائرل تھراپی (ART) حاصل کر رہے ہیں۔ تاہم، ماہرین صحت کا اندازہ ہے کہ ایچ آئی وی کے ساتھ رہنے والے لوگوں کی اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے- تقریباً 369,000- جو کہ جانچ اور پتہ لگانے میں بڑے فرق کو ظاہر کرتی ہے۔ پاکستان میں وبا کو "مرتکز" کے طور پر درجہ بندی کیا گیا ہے، یعنی یہ بڑی حد تک مخصوص ہائی رسک ڈیموگرافکس اور خطوں میں مقامی ہے۔ سب سے زیادہ متاثرہ علاقوں میں شامل ہیں: سندھ: کراچی جیسے بڑے شہری مراکز میں زیادہ پھیلاؤ کی شرح ہے، خاص طور پر ان لوگوں میں جو

منشیات کا انجیکشن لگاتے ہیں (PWID) اور ٹرانس جینڈر سیکس ورکرز۔ لاڑکانہ ضلع کو بھی شدید مقامی طور پر بچوں کی وباء کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ صوبہ پنجاب کل کیسز میں ملک میں سب سے آگے ہے اور لاہور، فیصل آباد اور قصور جیسے اضلاع میں سب سے زیادہ بوجھ پایا جاتا ہے۔ مزید برآں، چھوٹے شہروں اور دیہی نیٹ ورکس (مثلاً، سرگودھا اور تونسہ کے آس پاس) میں پھیلنے کی دستاویزات بھی سامنے آئی ہیں۔ خیبر پختونخواہ (کے پی کے): مردان اور بنوں کے آس پاس کے اضلاع کی شناخت قابل ذکر ہاٹ سپاٹ کے طور پر کی جاتی ہے۔ اسلام آباد: وفاقی دارالحکومت میں بھی انفیکشن کی غیر متناسب اعلی شرح کی اطلاع ہے، جو کہ نوجوان مرد اور ٹرانس جینڈر کلیدی آبادیوں کی وجہ سے ہے۔ ان علاقوں میں وائرس کا پھیلاؤ اکثر آلودہ سرنجوں کے دوبارہ استعمال، غیر محفوظ خون کی منتقلی، اور مقامی عطائی ڈاکٹرز کے غیر منظم طبی / کاسمیٹک طریقوں سے ہوتا ہے، بجائے اس کے کہ روایتی جنسی منتقلی ہوتی ہے۔

دنیا بھر میں اس بیماری کے سدباب کے لیے بڑے پیمانے پر کوششیں کی گئیں جن میں آگاہی مہمات، محفوظ خون کی فراہمی، سرنجوں کا محفوظ استعمال، HIV ٹیسٹنگ، اور Antiretroviral Therapy (ART) شامل ہیں۔ اقوامِ متحدہ نے "95-95-95" اہداف مقرر کیے تاکہ زیادہ تر مریض اپنی بیماری سے آگاہ ہوں، علاج حاصل کریں اور وائرس کو کنٹرول میں رکھ سکیں۔ ان اقدامات کی بدولت 2010ء کے بعد نئی HIV انفیکشنز اور اموات میں نمایاں کمی آئی ہے، تاہم یہ مرض مکمل طور پر ختم نہیں ہو سکا۔

اب تک HIV / ایڈز کے مکمل علاج یا مستقل بچاؤ کے لیے کوئی مکمل مؤثر اور عالمی سطح پر منظور شدہ ویکسین دستیاب نہیں ہو سکی۔ مختلف ادارے جیسے National Institutes of Health اور International AIDS Vaccine Initiative کئی برسوں سے تحقیق کر رہے ہیں اور بعض تجرباتی ویکسینز نے حوصلہ افزا نتائج دیے ہیں، مگر ابھی تک کوئی ایسی ویکسین ایجاد نہیں ہوئی جو دنیا بھر میں عام استعمال کے لیے منظور ہو۔ البتہ جدید ادویات اور احتیاطی تدابیر کی بدولت HIV کو کافی حد تک قابلِ کنٹرول بیماری بنا دیا گیا ہے، اور بروقت علاج سے مریض ایک معمول کی زندگی گزار سکتے ہیں۔



پاکستان میں مہنگائی کا اعشاریہ: حکومتی اعداد و شمار کی حقیقت PBS کا طریقۂ کار اور عوامی تاثرات؟؟

پاکستان میں مہنگائی یا قیمتوں کے اعشاریے (Price Indices) کا تعین بنیادی طور پر Pakistan Bureau of Statistics یعنی پاکستان بیورو آف شماریات (PBS) کے ذریعے کیا جاتا ہے، جو ملک میں معاشی اعداد و شمار جمع کرنے اور ان کا تجزیہ کرنے والا مرکزی ادارہ ہے.

اس سال مئی 2026 میں نیشنل اکاؤنٹس کمیٹی کے 117 ویں اجلاس میں مالی سال 2025-26 کے لیے ملکی معیشت کی عبوری شرح نمو 3.70 فیصد منظور کی گئی، جبکہ فی کس آمدنی تقریباً 1,901 امریکی ڈالر اور مجموعی قومی پیداوار 452 ارب ڈالر سے زائد ریکارڈ کی گئی۔ زراعت، صنعت اور خدمات کے شعبوں میں بالترتیب 2.89 فیصد، 3.51 فیصد اور 4.09 فیصد نمو ظاہر کی گئی۔ اسی دوران PBS نے مہنگائی، حساس قیمتوں، صنعتی پیداوار اور سماجی و معاشی سرویز سے متعلق مختلف اعشاریے بھی جاری کیے، مثلاً کنزیومر پرائس انڈکس 292.81 جاری یو اجس کا مطلب افراط زر میں 10.9 فی صد اضافہ ہے ان تمام اعداد و شمار کا مقصد معیشت کی حقیقی صورتحال کا اندازہ لگانا ہوتا ہے۔

مہنگائی کی شرح معلوم کرنے کے لیے PBS ایک مخصوص طریقۂ کار اختیار کرتا ہے جسے بین الاقوامی سطح پر تسلیم شدہ "لاسپیئر فارمولا (Laspeyres Formula)" کہا جاتا ہے۔ اس نظام میں ایک "بیس ایئر" مقرر کیا جاتا ہے، جس کے ساتھ موجودہ قیمتوں کا تقابل کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں فی الحال 2015-16 کو بیس ایئر کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے

۔اس مقصد کے لیے ایک "صارفین کی باسکٹ" یا خریداری ٹوکری تیار کی جاتی ہے، جس میں روزمرہ استعمال کی سینکڑوں اشیاء شامل ہوتی ہیں، مثلاً آٹا، چاول، چینی، دودھ، بجلی، گیس، ایندھن، ٹرانسپورٹ اور دیگر ضروریاتِ زندگی۔ ملک بھر کی منڈیوں، دکانوں اور یوٹیلٹی اداروں سے قیمتیں باقاعدگی سے جمع کی جاتی ہیں، جن کی بنیاد پر اوسط مہنگائی کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

پاکستان میں عمومی طور پر تین بڑے اعشاریے مرتب کیے جاتے ہیں۔ پہلا "صارفین قیمت اعشاریہ (CPI)" ہے، جو عام شہری اور دیہی گھرانوں کے اخراجات کی بنیاد پر مہنگائی کی شرح ظاہر کرتا ہے۔ دوسرا "حساس قیمت اعشاریہ (SPI)" ہے، جو ہفتہ وار بنیادوں پر 51 ضروری اشیاء کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کی نگرانی کرتا ہے اور فوری مہنگائی کے رجحانات کی نشاندہی کرتا ہے۔ تیسرا "تھوک قیمت اعشاریہ (WPI)" ہے، جو تھوک منڈیوں میں قیمتوں کی تبدیلی کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح بڑے پیمانے کی صنعتی پیداوار (LSMI) اور دیگر معاشی اشاریے بھی ملکی اقتصادی صورتحال کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

تاہم پاکستان میں عوام کی ایک بڑی تعداد ان سرکاری اعشاریوں پر مکمل اعتماد نہیں کرتی۔ عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ سرکاری مہنگائی کی شرح اور عوام کی عملی زندگی میں محسوس ہونے والی مہنگائی میں واضح فرق موجود ہے۔ مثال کے طور پر اگر سرکاری اعداد و شمار مہنگائی کو 10 یا 12 فیصد ظاہر کریں، تو عوامی سطح پر خوراک، بجلی، گیس، کرایوں اور ادویات کی قیمتوں میں کہیں زیادہ اضافہ محسوس کیا جاتا ہے۔ اس فرق کی کئی وجوہات ہیں، جن میں مختلف علاقوں کے نرخوں میں تفاوت، شہری و دیہی اخراجات کے الگ رجحانات، پرانے بیس ایئر کا استعمال، اور صارفین کی ترجیحات میں وقت کے ساتھ تبدیلی شامل ہیں

یہ بھی تاثر عام ہے کہ ڈیٹا جمع کرنے والے اہلکار حقیقی قیمتوں کو نظر انداز کرے ڈپٹی کمشنر کے مقرر کردہ نرخوں کو رپورٹ کر دیتے ہیں۔ جب کہ ان کی قیمتوں میں بہت زیادہ تفاوت ہے۔ اگر آپ کسی اچھے کریانہ سٹور پر چلے جائیں تو وہاں ڈی سی ریٹ کا ایک کارنر نظر آئے گا جس میں ناقص اور غیر معیاری اشیاء موجود ہوں گی اور معیاری مال کے نرخ اس سے کہیں زیادہ ہی۔ یہی حال گوشت کا ہے۔ غیر معیاری اور گھٹیا کوالٹی کا گوشت ڈی سی ریٹ پر اور کوالٹی گوشت 60 سے 80 فی صد زیادہ قیمت پر۔۔ حکومت کی طرف سے قائم شدہ سہولت بازار بھی یہی منظر پیش کرتے ہیں۔ لہذا عوام کا شک اور شکوہ بلاوجہ نہی۔ ماہرین کے مطابق بھی PBS کا طریقۂ کار تکنیکی اور بین الاقوامی اصولوں کے مطابق ضرور ہے، مگر عوامی اعتماد بڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ بیس ایئر کو جو ابھی تک 2015' اور 2016 پر اٹکا ہوا ہے جلد اپ ڈیٹ کیا جائے، قیمتوں کے تعین میں شفافیت بڑھائی جائے، اور مقامی سطح پر حقیقی صارفین کے اخراجات کو زیادہ مؤثر انداز میں شامل کیا جائے تاکہ عوام تک معیشت کی زیادہ حقیقی اور قابلِ اعتماد تصویر پہنچ سکے



17 MAY — WORLD TELECOMMUNICATION AND INFORMATION SOCIETY DAY &PAKISTAN

(WTISD) marks the global recognition of the vital role played by information and communication technologies (ICTs) in modern life. The day commemorates the signing of the first International Telegraph Convention in 1865, which led to the creation of the International Telecommunication Union (ITU), now the UN's leading body for digital cooperation and telecom standards. Originally observed as World Telecommunication Day, it was later expanded to emphasize the growing significance of the internet, digital innovation, and equal access to information in building inclusive information societies.

The main objective of WTISD is to promote digital connectivity and reduce the global digital divide. Every year, the ITU highlights key issues such as cybersecurity, artificial intelligence, universal broadband access, digital literacy, online safety, and the inclusion of women, youth, rural communities, and persons with disabilities in the digital world. Over the years, the observance has supported major progress in internet access, smartphones, digital banking, telemedicine, e-learning, and online public services worldwide. However, millions of people—

especially in poor and remote regions—still lack reliable internet access, while cybercrime, misinformation, and technological inequality remain major global challenges.

In Pakistan, WTISD is observed through seminars, awareness campaigns, and policy discussions led by the Pakistan Telecommunication Authority, telecom companies, and educational institutions. Pakistan has made notable progress in 4G expansion, digital banking, freelancing, e-commerce, and online education under initiatives such as Digital Pakistan. Despite these advancements, issues such as rural connectivity gaps, internet affordability, limited digital literacy, and cybersecurity concerns still require attention. Therefore, WTISD serves both as a celebration of technological progress and as a reminder that the goal of safe, affordable, and universal digital access has yet to be fully achieved across the world.

17 مئی کو دنیا بھر میں ورلڈ ٹیلی کمیونیکیشن اینڈ انفارمیشن سوسائٹی ڈے (WTISD) منایا جاتا ہے، جس کا مقصد جدید دور میں معلوماتی و مواصلاتی ٹیکنالوجی (ICTs) کی اہمیت اور عالمی ترقی میں اس کے کردار کو اجاگر کرنا ہے۔ یہ دن 1865 میں پیرس میں پہلے بین الاقوامی ٹیلی گراف معاہدے اور بعد ازاں International Telecommunication Union کے قیام کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ نے بعد میں اسے "ورلڈ انفارمیشن سوسائٹی ڈے" کے ساتھ یکجا کر کے انٹرنیٹ، ڈیجیٹل جدت، سائبر سیکیورٹی، مصنوعی ذہانت، آن لائن تحفظ اور مساوی ڈیجیٹل رسائی کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ اس دن کا بنیادی مقصد ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے درمیان ڈیجیٹل فرق کو کم کرنا اور خواتین، نوجوانوں، دیہی آبادی اور خصوصی افراد سمیت تمام طبقات تک سستی، محفوظ اور مؤثر ڈیجیٹل سہولیات کی فراہمی کو یقینی بنانا ہے۔

دنیا بھر میں اس دن کی بدولت انٹرنیٹ، موبائل کمیونیکیشن، آن لائن بینکاری، ٹیلی میڈیسن، ای لرننگ اور ای گورننس کے شعبوں میں نمایاں ترقی ہوئی، تاہم اب بھی دنیا کے کروڑوں افراد خصوصاً غریب اور دور دراز علاقوں میں معیاری انٹرنیٹ سہولت سے محروم ہیں۔ پاکستان میں بھی Pakistan Telecommunication Authority ، تعلیمی ادارے اور ٹیلی کام کمپنیاں اس دن کو سیمینارز اور آگاہی مہمات کے ذریعے مناتی ہیں۔ ملک میں 4 G سروسز، ڈیجیٹل بینکاری، فری لانسنگ، ای کامرس اور آن لائن تعلیم میں نمایاں اضافہ ہوا ہے جبکہ "ڈیجیٹل پاکستان" جیسے اقدامات نے ڈیجیٹل شمولیت کو فروغ دیا ہے۔ اس کے باوجود دیہی علاقوں میں کمزور کنیکٹیویٹی، انٹرنیٹ کی بلند لاگت، ڈیجیٹل خواندگی کی کمی اور سائبر سیکیورٹی جیسے مسائل اب بھی موجود ہیں، جس سے واضح ہوتا ہے کہ محفوظ، مساوی اور جامع ڈیجیٹل معاشرے کا ہدف ابھی مکمل طور پر حاصل نہیں ہو سکا



16 MAY — INTERNATIONAL DAY OF LIGHT
A Landmark in Science That Illuminated the Modern World

The International Day of Light is observed every year on 16 May to commemorate the historic achievement of physicist Theodore Maiman, who successfully operated the world's first laser in 1960. Recognized by UNESCO, this global day highlights the transformative importance of light in science, medicine, communication, education, culture, and sustainable development. It also honors the discovery of optical fiber technology in 1966, a breakthrough that revolutionized modern telecommunications and digital connectivity worldwide.

Light-based technologies have profoundly changed human life. Lasers are now widely used in medical surgeries, cancer treatment, eye care, industrial manufacturing, scientific research, and space exploration, while optical fibers form the backbone of the internet and modern communication systems. From

solar energy and environmental monitoring to advanced imaging and artificial intelligence, light continues to drive innovation and economic progress across the globe.

In Pakistan, these advancements have played a significant role in improving healthcare, education, and communication. Laser technology is extensively used in hospitals for eye surgeries, skin treatment, and modern diagnostics, while optical fiber networks have greatly enhanced internet connectivity, digital banking, online education, and media communication. Pakistan's expanding solar energy sector also reflects the growing importance of light-based sustainable technologies in addressing energy shortages and supporting environmental goals.

The 2026 theme, "Light for a Sustainable Future," emphasizes the need to use scientific innovation for a cleaner, safer, and more connected world. Every year, universities, scientific institutions, businesses, and educational organizations across many countries organize seminars, exhibitions, workshops, and awareness campaigns to promote scientific cooperation and inspire future generations. The day serves as a reminder that light is not only a source of illumination, but also a powerful symbol of knowledge, progress, peace, and human development.

16 مئی کو دنیا بھر میں "انٹرنیشنل ڈے آف لائٹ" منایا جاتا ہے، جو 1960 میں طبیعیات دان Theodore Maiman کی جانب سے پہلی کامیاب لیزر ایجاد کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے UNESCO کے تحت یہ دن سائنس، طب، تعلیم، مواصلات اور پائیدار ترقی میں روشنی کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ لیزر اور آپٹیکل فائبر جیسی ایجادات نے جدید دنیا میں انٹرنیٹ، ڈیجیٹل رابطوں، طبی علاج، صنعتی ترقی، مصنوعی ذہانت اور خلائی تحقیق میں انقلاب برپا کیا، جبکہ پاکستان میں بھی ان ٹیکنالوجیز نے صحت، آن لائن تعلیم، ڈیجیٹل بینکاری، مواصلاتی نظام اور شمسی توانائی کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ 2026 کا موضوع "Light for a Sustainable Future" اس بات کی یاد دہانی ہے کہ روشنی صرف اجالا ہی نہیں بلکہ علم، ترقی، امن اور انسانی فلاح کی علامت بھی ہے



موسمیاتی بے ترتیبی اور ال نینو: پاکستان کے بدلتے موسم کی ایک تشویشناک تصویر

گزشتہ دو روز کے دوران لاہور، پنجاب کے مختلف اضلاع اور پاکستان کے کئی شہروں میں تیز آندھیوں، ژالہ باری اور موسلا دھار بارشوں نے عوام کو حیرت اور اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے۔ مئی، جو ماضی میں نسبتاً خشک اور شدید گرم مہینہ تصور کیا جاتا تھا، اب غیر متوقع موسمی تبدیلیوں کا مظہر بنتا جا رہا ہے۔ گزشتہ سال بھی اسی نوعیت کی غیر معمولی موسمی سرگرمیاں دیکھنے میں آئیں، جو اس حقیقت کی عکاسی کرتی ہیں کہ پاکستان موسمیاتی تبدیلیوں کے اثرات سے تیزی سے متاثر ہو رہا ہے۔ ماہرین کے مطابق عالمی حدت (Global Warming)، فضائی آلودگی، گلیشیئرز کے پگھلاؤ اور فضا میں نمی کے بڑھتے تناسب نے موسمی نظام کو غیر متوازن بنا دیا ہے، جس کے نتیجے میں اچانک بارشیں، گرد آلود ہوائیں اور شدید ژالہ باری معمول بنتی جا رہی ہیں۔

اس بدلتے موسمی منظرنامے میں "ال نینو (El Niño) "ایک اہم عالمی موسمی phenomenon کے طور پر سامنے آتا ہے۔ ال نینو دراصل بحرالکاہل کے وسطی اور مشرقی حصوں کے سمندری پانیوں کے غیر معمولی گرم ہونے کو کہا جاتا ہے، جو دنیا بھر کے فضائی دباؤ، بارشوں اور ہواؤں کے نظام کو متاثر کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں پاکستان میں کبھی شدید گرمی، خشک سالی اور پانی کی قلت پیدا ہوتی ہے، جبکہ بعض اوقات غیر متوقع بارشیں اور موسمی بے ترتیبی بھی جنم لیتی ہے۔ اس کے برعکس "لا نینا (La Niña) "سمندری پانیوں کے غیر معمولی ٹھنڈے ہونے کا مرحلہ ہے، جو بعض خطوں میں زیادہ بارشوں اور سیلابی صورتحال کا سبب بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنوبی ایشیا خصوصاً پاکستان اب موسمی شدت اور غیر یقینی کیفیت کے نئے دور میں داخل ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

سال 2026 کے حوالے سے ماہرینِ موسمیات اور عالمی موسمی اداروں نے بھی خبردار کیا ہے کہ پاکستان میں موسم معمول سے زیادہ غیر متوازن رہنے کا امکان ہے۔ ابتدائی موسمی پیش گوئیوں کے مطابق پنجاب، خیبر پختونخوا اور شمالی علاقوں میں قبل از مون سون بارشوں، ژالہ باری اور تیز آندھیوں کی شدت میں اضافہ ہو سکتا ہے، جبکہ جنوبی علاقوں میں شدید گرمی کی لہریں اور پانی کی قلت بھی متوقع ہے۔ زرعی ماہرین کے مطابق اس صورتحال سے گندم، کپاس اور دیگر فصلوں کی پیداوار متاثر ہونے کا خدشہ ہے۔ شہری علاقوں میں نکاسیٔ آب کے ناقص نظام کے باعث طوفانی بارشیں شہری سیلاب، بجلی کے تعطل اور انفراسٹرکچر کو نقصان پہنچا سکتی ہیں، جبکہ دیہی علاقوں میں فصلیں اور باغات شدید متاثر ہو سکتے ہیں۔

ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ اگر عالمی سطح پر گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج اور ماحولیاتی آلودگی پر قابو نہ پایا گیا تو پاکستان جیسے ممالک میں موسمی شدت مزید خطرناک صورت اختیار کر سکتی ہے۔ اس چیلنج سے نمٹنے کے لیے شجرکاری، پانی کے دانشمندانہ استعمال، ماحول دوست پالیسیوں، جدید موسمی پیش گوئی کے نظام اور عوامی آگاہی کو فروغ دینا ناگزیر ہو چکا ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ حکومت، ماہرین اور عوام مشترکہ طور پر ماحول کے تحفظ اور موسمیاتی تبدیلیوں کے اثرات کم کرنے کے لیے سنجیدہ اقدامات کریں، تاکہ آنے والی نسلوں کو ایک محفوظ اور متوازن ماحول فراہم کیا جا سکے



14 مئی-ایک یادگار دن جب ایڈورڈ جینر نے چیچک کے خلاف پہلی موثر ویکسین لانچ کی

14 مئی 1796ء طبّی تاریخ کا ایک نہایت اہم دن سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اسی روز برطانوی معالج Edward Jenner نے چیچک (Smallpox) کے خلاف پہلی مؤثر ویکسین کے تجربے کی بنیاد رکھی۔ انہیں علم مدافعت، (immunology)کا بانی بھی کہا جاتا ہے

اُن کی تحقیق کو انسانی تاریخ کی عظیم ترین طبی خدمات میں شمار کیا جاتا ہے، کیونکہ اس نے چیچک جیسی مہلک بیماری کے خاتمے کی بنیاد رکھی اور کروڑوں جانیں بچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ جینر کے دور میں چیچک دنیا کی تقریباً10 فیصد آبادی کو ہلاک کر دیتی تھی، جبکہ گنجان شہروں میں یہ شرح20 فیصد تک پہنچ جاتی تھی۔ 1821ء میں انہیں King George IV کا شاہی معالج مقرر کیا گیا۔ وہ Royal Society کے رکن بھی تھے۔ طب کے علاوہ حیوانیات کے میدان میں بھی اُنہوں نے اہم علمی خدمات انجام دیں وہ26 جنوری1823 میں فوت ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد2002ء میں BBC نے ان کی انسانیت کے لئے خدمات کی بنا پر انہیں برطانیہ کی "100 عظیم ترین شخصیات" کی فہرست میں شامل کیا۔

چیچک کے متعلق ان کی دریافت نے نہ صرف "ویکسینیشن" کے جدید تصور کو جنم دیا بلکہ بعد ازاں دنیا سے چیچک جیسی مہلک بیماری کے مکمل خاتمے کی راہ بھی ہموار کی

جینر نے مشاہدہ کیا کہ دودھ دوہنے والی خواتین، جو "کائوپاکس (Cowpox) "نامی ہلکی بیماری کا شکار ہوتی تھیں، عموماً جان لیوا چیچک سے محفوظ رہتی تھیں۔ اسی مشاہدے کی بنیاد پر مئی1796ء میں انہوں نے دودھ دوہنے والی خاتون Sarah Nelmes کے ہاتھ پر موجود کاؤپاکس کے زخم سے مواد لے کر آٹھ سالہ بچے James Phipps کو لگایا۔ بعد ازاں یکم جولائی1796ء کو جب اسی بچے کو

چیچک کے جراثیم سے متاثر کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ بیمار نہ ہوا، یوں یہ ثابت ہو گیا کہ کاؤپاکس چیچک کے خلاف قوتِ مدافعت پیدا کرتا ہے۔

ابتدائی طور پر جینر کی تحقیق کو شدید شکوک و شبہات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن 1798ء میں ان کے نتائج شائع ہونے کے بعد دنیا بھر میں ویکسینیشن کا عمل تیزی سے پھیلنے لگا۔ اگرچہ جینر کی ویکسین بنیادی اور ابتدائی نوعیت کی تھی، تاہم اسی نے جدید علمِ مدافعت (Immunology) کی بنیاد رکھی۔ بعد میں زیادہ محفوظ اور معیاری "Vaccinia" ویکسین تیار کی گئی، جسے بیسویں صدی میں عالمی سطح پر استعمال کیا گیا۔ خصوصاً 1950ء اور 1960ء کی دہائی میں جدید فریز ڈرائیڈ (Freeze-dried) چیچک ویکسین متعارف ہوئی، جسے World Health Organization نے عالمی پروگرام کے تحت منظور اور استعمال کیا۔ یہ جدید ویکسین جینر کے ابتدائی تجربات ہی کی توسیع تھی، اور انہی بنیادی اصولوں نے بعد کی سائنسی تحقیق کو کامیابی تک پہنچایا۔

عالمی ادارۂ صحت کی مسلسل ویکسینیشن مہمات کے نتیجے میں 1980ء میں دنیا کو باضابطہ طور پر "چیچک سے پاک" قرار دے دیا گیا، اور یہ انسانی تاریخ کی پہلی بیماری بنی جسے مکمل طور پر ختم کر دیا گیا۔ آخری قدرتی مریض 1977ء میں صومالیہ میں رپورٹ ہوا تھا۔ آج دنیا میں چیچک کا کوئی قدرتی مریض موجود نہیں، البتہ اس وائرس کے چند محفوظ نمونے تحقیق کے لیے محدود لیبارٹریوں میں رکھے گئے ہیں۔

پاکستان میں بھی چیچک ایک وقت میں خطرناک وبا کی صورت اختیار کر چکی تھی، لیکن قومی ویکسینیشن پروگرام اور عالمی ادارۂ صحت کے تعاون سے اس پر قابو پا لیا گیا۔ پاکستان کو 1970ء کی دہائی کے آخر میں چیچک سے پاک قرار دیا گیا، جبکہ عالمی سطح پر 1980ء کے اعلان کے بعد اس کی حیثیت مزید مستحکم ہوئی۔ آج پاکستان سمیت پوری دنیا میں چیچک کا کوئی فعال مریض موجود نہیں، اور یہ کامیابی انسانیت، سائنس اور ویکسینیشن کی تاریخ کا ایک عظیم سنگِ میل سمجھی جاتی ہے

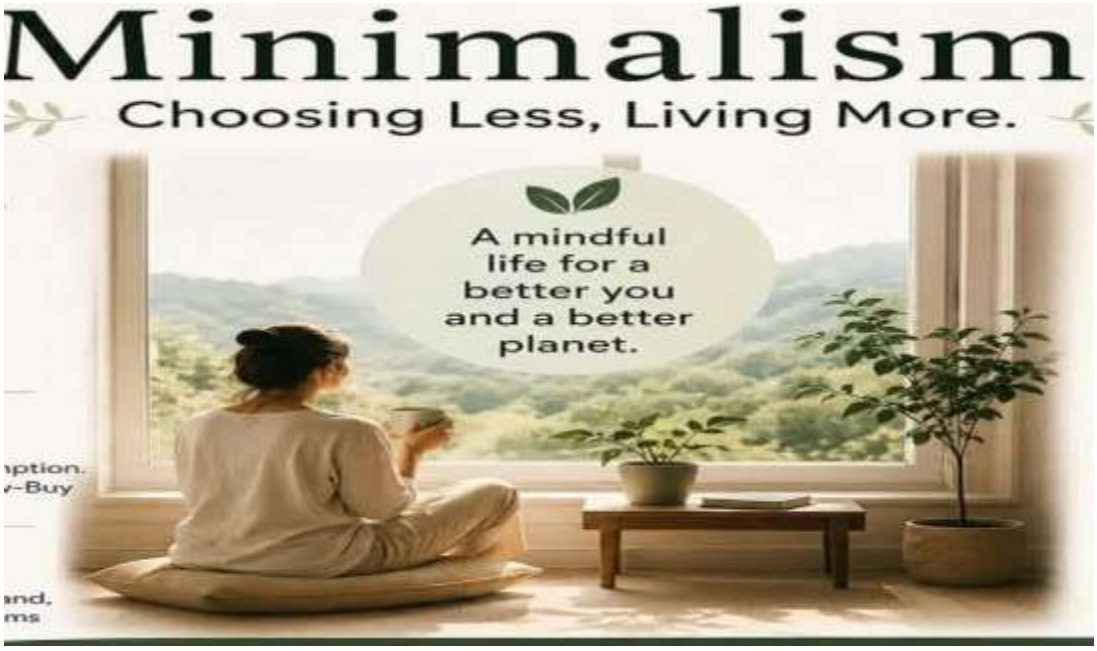

مینیملزم —(Minimalism) سادگی کی جانب ایک عالمی فکری انقلاب اور پاکستانی معاشرے پر اس کے اثرات

2026 میں یورپ اور دنیا کے کئی ترقی یافتہ ممالک میں "مینیملزم" یا سادہ اور بامقصد طرزِ زندگی ایک مضبوط سماجی اور فکری تحریک کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ یہ محض گھروں کی سجاوٹ یا فیشن کا رجحان نہیں بلکہ ایک ایسی "فلسفۂ حیات" بن گیا ہے جس کا مقصد انسان کو غیر ضروری اشیاء، فضول اخراجات، ذہنی انتشار اور مادّہ پرستی کی دوڑ سے نکال کر ایک پُر سکون، متوازن اور بامعنی زندگی کی طرف لانا ہے۔ یورپ میں "Frugal Chic" کے نام سے اب کم مگر معیاری اشیاء کے استعمال کو ترجیح دی جا رہی ہے، جبکہ لوگ اضافی کپڑوں، بے مقصد آرائشی سامان اور غیر ضروری خریداری سے دور ہو کر صرف ضروری اور کارآمد چیزوں کو اختیار کر رہے ہیں۔

اس تحریک کا ایک اہم پہلو "Anti-Haul" رجحان ہے، جس میں لوگ نئی غیر ضروری اشیاء خریدنے سے شعوری طور پر گریز کرتے ہیں اور "No-Buy" یا "Low-Buy" اہداف مقرر کرتے ہیں۔ اسی طرح نئی چیزیں خریدنے کے بجائے پرانی اشیاء کی مرمت، دوبارہ استعمال اور سیکنڈ ہینڈ خریداری کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ ماحولیاتی آلودگی اور موسمیاتی تبدیلی کے خطرات نے بھی اس سوچ کو مزید تقویت دی ہے، اس لیے مینیملزم کے ماننے والے اشیاء کو پھینکنے کے بجائے عطیہ کرنے، ری سائیکل کرنے اور دوبارہ قابلِ استعمال بنانے کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ زمین پر فضلے اور کاربن اخراج کے بوجھ کو کم کیا جا سکے۔

مینیملزم اب صرف مادی اشیاء تک محدود نہیں رہا بلکہ "ڈیجیٹل مینیملزم" کی صورت میں لوگ غیر ضروری سوشل میڈیا، فضول اسکرین ٹائم اور معلومات کے ہجوم سے بھی خود کو دور کر رہے ہیں تا کہ ذہنی سکون، توجہ اور انسانی تعلقات کو بہتر بنایا جا سکے۔ ماضی کے برعکس اب اس تحریک کو سرد اور بے روح سادگی کے بجائے ایک "انسانی اور خوشگوار سادگی" کے طور پر دیکھا جا رہا ہے، جہاں ذہنی صحت، جذباتی آسودگی، گھریلو سکون اور فطرت سے قربت کو اہمیت دی جاتی ہے۔ ماہرینِ نفسیات کے مطابق سادہ طرزِ زندگی ذہنی دباؤ کم کرنے، بہتر تعلقات قائم کرنے اور انسان میں تخلیقی صلاحیت پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہو رہا ہے۔

پاکستان میں بھی بڑھتی مہنگائی، معاشی دباؤ اور نمود و نمائش کی ثقافت کے باعث یہ سوچ آہستہ آہستہ مقبول ہو رہی ہے، خصوصاً نوجوان نسل اور متوسط طبقہ اس رجحان کی طرف مائل دکھائی دیتا ہے۔ اگر پاکستانی معاشرہ متوازن انداز میں مینیملزم کو اپنائے تو فضول خرچی، قرض لے کر پر تعیش زندگی گزارنے اور غیر ضروری مقابلہ بازی میں کمی آسکتی ہے، جبکہ گھریلو مالی نظم و ضبط، ذہنی سکون اور ماحول دوست طرزِ زندگی کو فروغ مل سکتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اسلام بھی سادگی، اعتدال اور اسراف سے بچنے کی تعلیم دیتا ہے، اس لیے مینیملزم کی بہت سی بنیادی اقدار اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ محسوس ہوتی



بلوغِ فکر کے چھ سنہری اصول

انسان کی حقیقی پختگی صرف عمر بڑھنے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ شعور، کردار، برداشت اور مثبت رویّوں سے جنم لیتی ہے۔ ایک بالغ اور سمجھدار شخصیت وہ ہوتی ہے جو اپنی زندگی کو توازن، حکمت اور خود احتسابی کے ساتھ گزارے۔ کامیاب اور باوقار زندگی کے لیے درج ذیل اصول نہایت اہم ہیں:

1۔ ہر بات ہر ایک سے شیئر نہ کریں

اپنی زندگی، منصوبوں اور ذاتی معاملات کو ہر شخص کے سامنے بیان کرنا دانشمندی نہیں۔ دنیا میں ہر فرد آپ کے خیر خواہ جذبے کے ساتھ نہیں سوچتا۔ بعض اوقات خاموشی انسان کی سب سے بڑی حفاظت اور وقار بن جاتی ہے۔ سمجھدار انسان اپنی نجی زندگی کی حدود متعین رکھتا ہے۔

2۔ اچھے اور مثبت لوگوں کی صحبت اختیار کریں

انسان کی شخصیت اُس کے ماحول اور صحبت سے تشکیل پاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ وقت گزاریں جو آپ کو آگے بڑھنے، سیکھنے اور بہتر انسان بننے کی ترغیب دیں۔ مثبت اور باکردار افراد کی رفاقت انسان کے خیالات اور مستقبل دونوں کو روشن بناتی ہے۔

3۔ شکر گزاری اپنائیں اور توقعات محدود رکھیں

زندگی کی چھوٹی چھوٹی نعمتوں پر شکر ادا کرنا قلبی سکون پیدا کرتا ہے۔ جو لوگ ہر وقت دوسروں سے غیر ضروری توقعات وابستہ رکھتے ہیں وہ اکثر مایوسی کا شکار رہتے ہیں۔ حقیقی خوشی قناعت، شکر اور مثبت سوچ میں پوشیدہ ہے۔

4۔ محنت کریں اور سفر زندگی پر بھروسا رکھیں

کامیابی کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں بلکہ مسلسل محنت، صبر اور استقامت کا ثمر ہوتی ہے۔ انسان کو اپنا بہترین کردار ادا کرنا چاہیے اور پھر نتائج کو وقت اور تقدیر پر چھوڑ دینا چاہیے۔ ہر مشکل مرحلہ انسان کو مزید مضبوط اور تجربہ کار بناتا ہے۔

5۔ دوسروں کو نہیں، خود کو قابو میں رکھیں

اصل طاقت دوسروں پر غلبہ پانے میں نہیں بلکہ اپنی خواہشات، غصے اور جذبات کو قابو میں رکھنے میں ہے۔ جو شخص خود پر حکمرانی سیکھ لیتا ہے، وہ زندگی کے بڑے چیلنجز کا بھی وقار کے ساتھ سامنا کر لیتا ہے۔

6۔ اپنے ردِ عمل پر قابو رکھیں

زندگی میں ہر بات ہمارے اختیار میں نہیں ہوتی، لیکن ہمارا ردِ عمل ہمیشہ ہمارے اختیار میں ہوتا ہے۔ دانشمند انسان اشتعال، غصے اور جلد بازی کے بجائے تحمل اور حکمت سے جواب دیتا ہے۔ اپنے ردِ عمل کو سنبھال لینا دراصل اپنی طاقت اور عزت کو محفوظ رکھنا ہے۔

ان اصولوں پر عمل انسان کو نہ صرف ایک باوقار اور متوازن شخصیت عطا کرتا ہے بلکہ معاشرے میں عزت، اعتماد اور کامیابی کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔ حقیقی بلوغِ فکر یہی ہے کہ انسان ہر حال میں اپنے کردار، گفتار اور رویّے کو اعلیٰ اقدار کے تابع رکھے



10 مئی۔ "مدر ڈے" اور اسلام میں ماں کا مقام

دنیا بھر میں ماں کے احترام، محبت اور قربانیوں کے اعتراف کے طور پر "مدر ز ڈے" ہر سال مئی کے دوسرے اتوار کو منایا جاتا ہے۔ جدید طرز پر اس دن کو منانے کا آغاز بیسویں صدی کے آغاز میں United States سے ہوا۔ اس کی بنیاد امریکی خاتون Anna Jarvis نے اپنی والدہ کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے رکھی۔ بعد ازاں 1914ء میں امریکی صدر Woodrow Wilson نے اسے قومی دن قرار دیا۔

اس دن کا بنیادی مقصد ماؤں کی محبت، قربانی، تربیت اور معاشرے کے لیے ان کی خدمات کو سراہنا تھا۔ آج یہ دن United Kingdom، Pakistan، Canada، India، Australia اور دنیا کے متعدد ممالک میں مختلف انداز سے منایا جاتا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں ماں کا مقام نہایت بلند اور مقدس ہے۔ اسلام نے چودہ سو سال پہلے ماں کے احترام، خدمت اور اطاعت کو عبادت قرار دیا۔ قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر والدین خصوصاً ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی گئی ہے، جبکہ احادیثِ نبوی ﷺ میں ماں کے قدموں تلے جنت قرار دی گئی۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق ماں کو حاصل ہے۔ اس لیے اسلامی معاشرے میں ماں کی عزت کسی ایک دن تک محدود نہیں بلکہ پوری زندگی اس کی خدمت اور احترام کا درس دیا گیا ہے۔

مغربی معاشروں میں مدر ز ڈے ایک سماجی روایت کے طور پر مقبول ہوا کیونکہ وہاں خاندانی نظام نسبتاً کمزور ہونے کے باعث والدین اور اولاد کے درمیان فاصلے بڑھتے گئے۔ ایسے ماحول میں مخصوص دن منانے کا مقصد جذباتی وابستگی کو برقرار رکھنا تھا۔ اس کے برعکس مشرقی اور اسلامی اقدار میں والدین خاندان کا مستقل اور مرکزی حصہ ہوتے ہیں، اس لیے محض ایک دن ماں سے محبت کا اظہار کافی نہیں سمجھا جاتا۔ حقیقی خراجِ تحسین یہ ہے کہ اولاد ہر دن اپنی ماں کی عزت، خدمت اور فرمانبرداری کو اپنا شعار بنائے۔

لہٰذا مدر ز ڈے اگرچہ دنیا بھر میں ماں کی عظمت اجاگر کرنے کا ایک ذریعہ بن چکا ہے، تاہم اسلام اس تصور کو ایک دن کے بجائے پورے طرزِ زندگی میں سمو دیتا ہے۔ ایک مہذب اور اسلامی معاشرے کی پہچان یہی ہے کہ وہاں ماؤں کو بڑھاپے، کمزوری اور ہر حالت میں عزت، محبت اور سہارا دیا جائے۔ ماں صرف ایک رشتہ نہیں بلکہ انسان کی پہلی درسگاہ، بے لوث محبت کا پیکر اور خاندان کی بنیاد ہوتی ہے۔ اسی لیے اسلام میں ماں کی خدمت کو دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔



9 مئی پاکستان کی تاریخ کے حوالے سے یوم سیاہ یا ملکی سیاست کا ایک متنازع ہنگامہ خیز باب۔؟

9 مئی 2023 پاکستان کی سیاسی تاریخ کا ایک نہایت ہنگامہ خیز اور متنازع باب سمجھا جاتا ہے، جسے مختلف سیاسی و سماجی حلقے "یومِ سیاہ" کے طور پر بھی یاد کرتے ہیں۔ اس دن سابق وزیرِ اعظم اور بانی۔ تحریک انصاف کو اسلام آباد ہائی کورٹ کے احاطے سے القادر ٹرسٹ کیس میں رینجرز کی جانب سے گرفتار کیا گیا۔ گرفتاری کی خبر سامنے آتے ہی ملک کے مختلف شہروں میں احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ شروع ہو گیا، جو چند ہی گھنٹوں میں پر تشدد ہنگاموں میں تبدیل ہو گیا۔ پنجاب، خیبر پختونخوا اور دیگر علاقوں میں مشتعل مظاہرین کی جانب سے سرکاری و عسکری تنصیبات کو نشانہ بنایا گیا، جن میں لاہور میں جناح ہاؤس (کور کمانڈر ہاؤس)، راولپنڈی میں جی ایچ کیو کے مرکزی گیٹ، میانوالی ایئربیس اور پشاور میں ریڈیو پاکستان کی عمارت پر حملے نمایاں تھے۔ یہ واقعات پاکستان کی سیاسی و سکیورٹی تاریخ میں غیر معمولی نوعیت کے حامل قرار دیے گئے۔

ان ہنگامہ آرائیوں کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر مالی و جانی نقصان بھی رپورٹ ہوا۔ مختلف سرکاری اندازوں کے مطابق سرکاری اور عسکری املاک کو تقریباً 2 سے 2.5 ارب روپے تک کا نقصان پہنچا، جبکہ متعدد سرکاری عمارتیں، گاڑیاں اور حساس تنصیبات متاثر ہوئیں۔ جانی نقصان کے حوالے سے مختلف رپورٹس سامنے آئیں، تاہم حکومتی و بین الاقوامی ذرائع کے مطابق کم از کم 8 افراد جاں بحق اور 290 سے زائد زخمی ہوئے۔ ان واقعات کے بعد ملک بھر میں سخت سکیورٹی آپریشنز کیے گئے اور ہزاروں افراد کو گرفتار کیا گیا۔ بعض سرکاری رپورٹس میں تقریباً 9 ہزار افراد کی گرفتاریوں کا ذکر کیا گیا، جبکہ دیگر معتبر ذرائع کے مطابق یہ تعداد تقریباً 2 ہزار کے قریب بتائی گئی۔ مختلف شہروں میں انسدادِ دہشت گردی، توڑ پھوڑ، سرکاری املاک کو نقصان پہنچانے اور فوجی تنصیبات پر حملوں کے مقدمات درج کیے گئے، جن میں Imran Khan سمیت متعدد سیاسی رہنما اور کارکن نامزد ہوئے۔

بعد ازاں ریاستی اداروں اور حکومت نے ان واقعات کو "ریاست پر حملہ" قرار دیتے ہوئے سخت قانونی کارروائی کا آغاز کیا۔ متعدد مقدمات فوجی عدالتوں میں بھی بھیجے گئے، جہاں 9 مئی کیسز کے تحت کم از کم 105 افراد کو 2 سے 10 سال تک قید کی سزائیں سنائی گئیں۔ بعد ازاں دسمبر 2024 میں مزید 25 افراد کو بھی فوجی عدالتوں سے سزائیں دی گئیں۔ اس کے علاوہ انسدادِ دہشت گردی عدالتوں اور دیگر سول عدالتوں میں بھی مختلف مقدمات زیرِ سماعت رہے، جن میں کئی ملزمان کو سزائیں سنائی گئیں۔ فوجی عدالتوں میں شہریوں کے ٹرائل اور ان مقدمات کے قانونی پہلوؤں پر ملک میں شدید سیاسی و آئینی بحث جاری رہی۔ Supreme Court of Pakistan نے بھی اس حوالے سے مختلف اہم فیصلے دیے، جبکہ انسانی حقوق کی تنظیموں نے ان ٹرائلز اور گرفتاریوں پر تحفظات کا اظہار کیا۔

9 مئی کے واقعات کے اثرات پاکستان کی سیاست، معیشت اور قومی بیانیے پر گہرے انداز میں مرتب ہوئے۔ ان واقعات کے بعد سیاسی درجہ حرارت میں مزید اضافہ ہوا، سیاسی تقسیم گہری ہوئی اور ملکی معیشت، سرمایہ کاری اور عالمی سطح پر پاکستان کے تشخص پر بھی منفی اثرات پڑے۔ آج بھی 9 مئی 2023 کے واقعات ملکی سیاست، عدالتی مباحث اور قومی سلامتی سے متعلق گفتگو میں ایک نہایت حساس اور اہم موضوع تصور کیے جاتے ہیں۔



عالمی یومِ ریڈ کراس و ہلالِ احمر — پس منظر اور عالمی خدمات

8 مئی کو دنیا بھر میں "ورلڈ ریڈ کراس اینڈ ریڈ کریسنٹ ڈے" منایا جاتا ہے۔ یہ دن دراصل ریڈ کراس تحریک کے بانی Henry Dunant کی سالگرہ کی مناسبت سے منایا جاتا ہے، جنہوں نے 1859ء میں اٹلی کے مقام سولفیرینو کی جنگ میں زخمی فوجیوں کی المناک حالت دیکھ کر انسانیت کی خدمت کے ایک عالمی نظریے کو جنم دیا۔ بعد ازاں 1863ء میں International Committee of the Red Cross کا قیام عمل میں آیا، جبکہ جنیوا کنونشنز نے جنگی متاثرین کے تحفظ کو بین الاقوامی حیثیت دی۔ اس دن کا بنیادی مقصد انسان دوستی، غیر جانبداری، رضاکارانہ خدمت اور مصیبت زدہ انسانوں کی بلا امتیاز مدد کے جذبے کو فروغ دینا ہے۔

ریڈ کراس اور ہلالِ احمر کی عالمی تحریک نے جنگوں، قدرتی آفات، وباؤں، قحط اور انسانی بحرانوں کے دوران بے مثال خدمات انجام دی ہیں۔ دنیا کے تقریباً ہر بڑے انسانی المیے میں اس ادارے نے زخمیوں کی طبی امداد، پناہ گزینوں کی بحالی، خوراک و ادویات کی فراہمی، خون عطیہ مہمات اور لاپتہ افراد کی تلاش جیسے اہم فرائض سرانجام دیے۔ شام، فلسطین، افغانستان، افریقہ اور کورونا وبا جیسے بحرانوں میں بھی اس تنظیم کا کردار عالمی سطح پر نمایاں رہا۔ آج یہ تحریک دنیا کے سب سے بڑے انسانی فلاحی نیٹ ورک کے طور پر جانی جاتی ہے، جس سے کروڑوں رضاکار وابستہ ہیں۔

پاکستان میں ہلالِ احمر — قیام، خدمات اور پنجاب کی صورتحال

پاکستان میں قیامِ پاکستان کے فوراً بعد 1947ء میں ریڈ کراس سوسائٹی کی بنیاد رکھی گئی، تاہم بعد ازاں اسلامی ممالک کی روایات اور شناخت کے پیشِ نظر اس کا نام تبدیل کر کے Pakistan Red Crescent Society یعنی پاکستان ہلالِ احمر سوسائٹی رکھ دیا گیا۔ یہ ادارہ وفاقی سطح سے لے کر صوبائی اور ضلعی سطح تک ایک منظم نیٹ ورک کے تحت کام کرتا ہے، جس کا مرکزی دفتر اسلام آباد میں جبکہ تمام صوبوں میں اس کی شاخیں قائم ہیں۔ پاکستان میں زلزلوں، سیلابوں، دہشت گردی، وباؤں اور دیگر ہنگامی حالات میں ہلالِ احمر نے متاثرین کو امدادی سامان، طبی سہولیات، خیمے، صاف پانی اور نفسیاتی معاونت فراہم کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

خصوصاً Pakistan Red Crescent Punjab نے 2005ء کے زلزلے، 2010ء کے تباہ کن سیلاب، کورونا وبا اور حالیہ موسمی ہنگامی صورتحال میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ پنجاب میں یہ ادارہ فرسٹ ایڈ ٹریننگ، بلڈ ڈونیشن آگاہی، ڈیزاسٹر مینجمنٹ، نوجوان رضاکاروں کی تربیت اور کمیونٹی ہیلتھ پروگرامز پر بھرپور کام کر رہا ہے۔ حالیہ برسوں میں پنجاب ہلالِ احمر نے جدید ایمرجنسی رسپانس، ریسکیو تربیت اور ڈیجیٹل رضاکار نیٹ ورک کے قیام پر بھی توجہ دی ہے تاکہ کسی بھی قدرتی یا انسانی بحران میں فوری اور مؤثر امداد یقینی بنائی جا سکے۔



7 مئی (World Athletics Day) کھیلوں کا عالمی دن اور پاکستان

بالخصوص پنجاب میں کھیلوں کے فروغ کے لئے کیئے گئے اہم اقدامات

7 مئی کو منایا جانے والا "ورلڈ ایتھلیٹکس ڈے" عالمی ادارہ (World Athletics سابقہ International Association of Athletics Federations) کی ایک اہم کاوش ہے، جس کا آغاز 1996ء میں کیا گیا۔ اس دن کے قیام کا بنیادی مقصد نوجوان نسل میں ایتھلیٹکس اور عمومی کھیلوں کے رجحان کو فروغ دینا، انہیں صحت مند طرزِ زندگی کی جانب راغب کرنا اور کھیلوں کو تعلیمی نظام کا لازمی حصہ بنانا تھا۔ ابتدا میں یہ سرگرمیاں محدود پیمانے پر اسکولوں اور مقامی کلبز تک تھیں، مگر وقت کے ساتھ یہ ایک عالمی مہم میں تبدیل ہو گئیں، جس میں درجنوں ممالک بھرپور شرکت کرتے ہیں۔

اس دن کے اغراض و مقاصد نہایت جامع اور دور رس ہیں۔ اس کا بنیادی ہدف نوجوانوں کو جسمانی سرگرمیوں کی طرف مائل کرنا، چھپی ہوئی صلاحیتوں کو بروقت دریافت کرنا اور کھیلوں کے ذریعے نظم و ضبط، برداشت، قائدانہ صلاحیت اور ٹیم ورک جیسی مثبت اقدار کو فروغ دینا ہے۔ مزید برآں، یہ دن اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ صحت مند افراد ہی ایک مضبوط اور ترقی یافتہ معاشرے کی بنیاد رکھتے ہیں۔ عالمی سطح پر اس اقدام کے نتیجے میں نہ صرف ایتھلیٹکس کے کھیل کو فروغ ملا بلکہ نوجوان کھلاڑیوں کو بین الاقوامی معیار کے مطابق اپنی صلاحیتیں نکھارنے کے مواقع بھی میسر آئے، جس سے کئی نئے عالمی ستارے سامنے آئے۔

اگر اثرات کا جائزہ لیا جائے تو دنیا بھر میں اس دن کی بدولت کھیلوں کے حوالے سے شعور میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ تعلیمی اداروں میں سپورٹس ڈیز، ایتھلیٹک مقابلوں اور فٹنس پروگرامز کے انعقاد نے نوجوانوں میں صحت مند سرگرمیوں کا رجحان پیدا کیا ہے۔ پاکستان میں بھی اس دن کو مختلف سطحوں پر منایا جاتا ہے، جہاں Athletics Federation of Pakistan اور تعلیمی ادارے تقریبات کا انعقاد کرتے ہیں۔ تاہم، وسائل کی کمی، انفراسٹرکچر کی محدود دستیابی اور تسلسل کے فقدان جیسے مسائل اب بھی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں، جس کے باعث مطلوبہ نتائج پوری طرح حاصل نہیں ہو سکے۔

تاہم حالیہ برسوں میں، خصوصاً Punjab میں کھیلوں کے فروغ کے لیے نمایاں اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ "کھیلتا پنجاب" ویژن کے تحت جدید اسپورٹس انفراسٹرکچر کی تعمیر، نئے گراؤنڈز کا قیام، سپورٹس اکیڈیمیز کا اجرا اور پاکستان کی پہلی یونیورسٹی آف اسپورٹس سائنسز کے قیام جیسے منصوبے اس سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں۔ مزید برآں، بڑے پیمانے پر کھیلوں کے مقابلے، خواتین کے لیے "پنک گیمز"، اور نوجوانوں کے لیے ٹیلنٹ ہنٹ پروگرامز اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ حکومت کھیلوں کو قومی ترجیح بنا رہی ہے۔ اگر ان اقدامات کو مستقل مزاجی، شفافیت اور جدید تربیتی سہولیات کے ساتھ جاری رکھا جائے تو پاکستان نہ صرف ایک صحت مند معاشرہ تشکیل دے سکتا ہے بلکہ عالمی ایتھلیٹکس میں بھی نمایاں مقام حاصل کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔



4 مئی فائر فائٹرز کا عالمی دن اور پاکستان

4 مئی کو دنیا بھر میں انٹرنیشنل فائر فائٹرز ڈے (International Firefighters' Day) منایا جاتا ہے، جو ان بہادر افراد کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا دن ہے جو اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر دوسروں کی زندگی اور املاک کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس دن کا آغاز 1999 میں ہوا، جب لنٹن بش فائر حادثہ (Linton Bushfire) کے دوران آسٹریلیا میں پانچ فائر فائٹرز جان کی بازی ہار گئے۔ اس المناک واقعے کے بعد ایک عالمی مہم کے ذریعے یہ دن منانے کی روایت شروع ہوئی، اور یوں آسٹریلیا اس دن کے آغاز کا مرکز بنا۔

اس دن کے بنیادی اغراض و مقاصد میں فائر فائٹرز کی قربانیوں کا اعتراف، عوام میں آگ سے بچاؤ کے حوالے سے شعور اجاگر کرنا، اور دنیا بھر میں ہنگامی خدمات کے اداروں کی اہمیت کو اجاگر کرنا شامل ہیں۔ یہ دن ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ انسانی جان کی حفاظت ایک مشترکہ ذمہ داری ہے اور معاشرے کو ایسے نظام وضع کرنے چاہئیں جو آفات سے نمٹنے کی بہتر صلاحیت رکھتے ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ دن اتحاد، ایثار اور پیشہ ورانہ مہارت کی علامت بھی ہے۔

عالمی سطح پر فائر فائٹنگ کے شعبے میں نمایاں ترقی دیکھنے میں آئی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک نے جدید ٹیکنالوجی جیسے خودکار فائر الارم سسٹمز، ڈرونز، ریسکیو روبوٹس اور خصوصی تربیت یافتہ یونٹس متعارف کروائے ہیں۔ نیشنل فائر پروٹیکشن ایسوسی ایشن (NFPA) جیسے ادارے عالمی سطح پر حفاظتی معیارات طے کرتے ہیں، جبکہ مختلف ممالک میں ایمرجنسی ریسپانس سسٹمز کو مربوط اور مؤثر بنایا گیا ہے۔

پاکستان میں بھی فائر فائٹنگ کے شعبے میں کچھ پیش رفت ہوئی ہے، خاص طور پر ریسکیو 1122 کے قیام کے بعد ایمرجنسی سروسز میں بہتری آئی ہے۔ بڑے شہروں میں فائر بریگیڈ کی سہولیات موجود ہیں، لیکن مجموعی طور پر نظام ابھی بھی کئی چیلنجز کا شکار ہے۔ ان میں جدید آلات کی کمی، عملے کی ناکافی تربیت، شہری منصوبہ بندی میں فائر سیفٹی اصولوں کی عدم پاسداری، اور عوامی آگاہی کا فقدان شامل ہیں۔

ان خامیوں پر قابو پانے کے لیے ضروری ہے کہ حکومت فائر سیفٹی کے قوانین پر سختی سے عمل درآمد یقینی بنائے، جدید آلات اور ٹیکنالوجی میں سرمایہ کاری کرے، فائر فائٹرز کی پیشہ ورانہ تربیت کو عالمی معیار کے مطابق بنائے، اور عوام میں آگ سے بچاؤ کے حوالے سے شعور بیدار کرے۔ اس کے علاوہ، تعلیمی اداروں اور کمیونٹی سطح پر فائر سیفٹی پروگرامز کو فروغ دینا بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

مختصراً، انٹرنیشنل فائر فائٹرز ڈے ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ فائر فائٹرز ہماری معاشرتی حفاظت کا ایک لازمی ستون ہیں، اور ان کی خدمات کو نہ صرف سراہنا بلکہ ان کے کام کو مزید مؤثر بنانے کے لیے عملی اقدامات کرنا بھی ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے

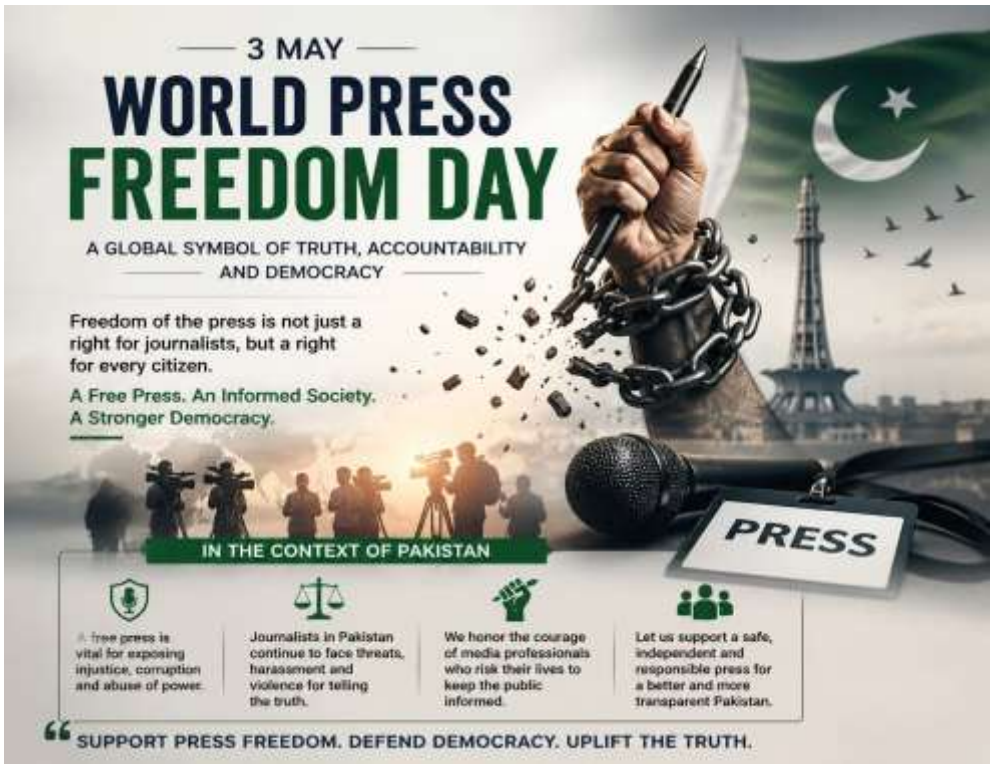

ورلڈ پریس فریڈم ڈے: آزادئ اظہار کی عالمی علامت اور پاکستان کے تناظر میں جائزہ

ہر سال **3 مئی** کو دنیا بھر میں ورلڈ پریس فریڈم ڈے منایا جاتا ہے، جو آزادئ صحافت کی اہمیت، صحافیوں کے حقوق اور اظہارِ رائے کی بنیادی انسانی قدر کو اجاگر کرنے کا ایک اہم عالمی موقع ہے۔ اس دن کے قیام کا پس منظر United Nations Educational, Scientific and Cultural Organization (یونیسکو) کی 1991ء میں Windhoek، Namibia میں منعقد ہونے والی ایک کانفرنس سے جڑا ہوا ہے، جہاں "ونڈہوک اعلامیہ" پیش کیا گیا۔ اس اعلامیے میں آزاد، خود مختار اور کثرت پسند میڈیا کو جمہوریت کے لیے ناگزیر قرار دیا گیا۔ بعد ازاں United Nations General Assembly نے 1993ء میں اس دن کو باضابطہ طور پر عالمی سطح پر منانے کی منظوری دی، یوں یہ دن آزادئ صحافت کی جدوجہد کی ایک مستقل علامت بن گیا۔

اس دن کے اغراض و مقاصد نہایت جامع اور بامعنی ہیں، جن میں سب سے نمایاں آزادئ اظہار کی اہمیت کو اجاگر کرنا، صحافیوں کو درپیش خطرات کے خلاف عالمی شعور بیدار کرنا، حکومتوں کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلانا، اور ان صحافیوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنا شامل ہے جنہوں نے سچ کی تلاش میں اپنی جانیں قربان کیں۔ درحقیقت، آزاد میڈیا کسی بھی جمہوری معاشرے کی ریڑھ کی ہڈی ہوتا ہے، کیونکہ یہی ادارہ عوام کو معلومات فراہم کرتا، ریاستی اداروں کا احتساب ممکن بناتا اور معاشرتی شعور کو جلا بخشتا ہے۔

اگر اس دن کے مقاصد کے حصول کا عالمی سطح پر جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا درست ہو گا کہ شعور اور آگاہی میں قابلِ قدر اضافہ ضرور ہوا ہے، مگر مکمل کامیابی ابھی ایک دور کی منزل ہے۔ آج بھی دنیا کے کئی ممالک میں صحافی سنسر شپ، دھمکیوں، قید و بند اور حتیٰ کہ جان لیوا حملوں کا سامنا کرتے ہیں۔ جدید ڈیجیٹل دور میں بھی آزادئ صحافت کو نئے چیلنجز درپیش ہیں، جن میں آن لائن ہراسانی، سوشل میڈیا پر قدغنیں اور سائبر قوانین کا غلط استعمال شامل ہیں۔ تاہم، اس کے باوجود عالمی سطح پر اداروں اور سول سوسائٹی کی بڑھتی ہوئی فعالیت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ آزادئ صحافت کا بیانیہ مضبوط ہو رہا ہے۔

پاکستان کے تناظر میں آزادئ صحافت ایک پیچیدہ مگر اہم موضوع ہے۔ آئینِ پاکستان کا آرٹیکل 19 اظہارِ رائے کی آزادی کی ضمانت دیتا ہے، لیکن عملی میدان میں میڈیا کو مختلف نوعیت کے دباؤ اور تحدیدات کا سامنا رہتا ہے۔ سیاسی اثر و رسوخ، معاشی دباؤ خصوصاً سرکاری اشتہارات کے ذریعے کنٹرول، حساس معاملات پر غیر اعلانیہ سنسر شپ، اور صحافیوں کو درپیش سکیورٹی خطرات اس آزادی کو محدود کرتے ہیں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں میڈیا ایک حد تک آزاد ضرور ہے، مگر اسے مکمل خود مختاری حاصل نہیں۔

حکومتی سطح پر اس شعبے کو منظم اور محفوظ بنانے کے لیے مختلف اقدامات کیے گئے ہیں، جن میں Pakistan Electronic Media Regulatory Authority (پیمرا) کا قیام شامل ہے، جو الیکٹرانک میڈیا کی نگرانی کرتا ہے۔ اسی طرح Right of Access to Information Act 2017 جیسے قوانین کے ذریعے معلومات تک رسائی کو یقینی بنانے کی کوشش کی گئی ہے، جبکہ بعض صوبوں میں صحافیوں کے تحفظ کے لیے قانون سازی بھی عمل میں لائی گئی ہے۔ تاہم، ناقدین کا مؤقف ہے کہ بعض اوقات یہی قوانین اور ضوابط میڈیا پر دباؤ ڈالنے یا اسے محدود کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں، جس سے آزادئ صحافت کے تصور پر سوالیہ نشان کھڑا ہوتا ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ ورلڈ پریس فریڈم ڈے محض ایک رسمی دن نہیں بلکہ یہ ایک عہد کی تجدید کا موقع ہے، جس میں آزادئ اظہار کے اصولوں کو زندہ رکھنے کا عزم کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کے ذریعے عالمی سطح پر شعور میں اضافہ ہوا ہے، تاہم حقیقی معنوں میں آزاد صحافت کے قیام کے لیے مسلسل جدوجہد ناگزیر ہے۔ پاکستان میں بھی اس شعبے کو درپیش چیلنجز کے باوجود امید کی کرن موجود ہے، بشرطیکہ ریاستی ادارے، میڈیا اور سول سوسائٹی مل کر ایک ایسا ماحول تشکیل دیں جہاں سچ بولنا جرم نہیں بلکہ ایک قومی فریضہ سمجھا جائے۔



مصنوعی ذہانت۔ گلوکارہ کی تخلیق۔ تفریح کا ایک نیا انداز

لوفیلولا در حقیقت کوئی حقیقی گلوکارہ یا وکی پیڈیا پر درج شدہ فنکار نہیں ہے، بلکہ یہ ایک مصنوعی ذہانت (AI) سے تخلیق کردہ تخیلی کردار (avatar) ہے جسے ایک مقبول تعلیمی سوشل میڈیا چینل کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔ یہ کردار بالخصوص Instagram اور YouTube جیسے پلیٹ فارمز پر نمایاں ہے، جہاں یہ معروف گانوں کے کور (covers) پر لب سنک (lip-sync) کرتے ہوئے ناظرین کو موسیقی کے ذریعے انگریزی سیکھنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ اس جدید طرزِ تدریس میں تفریح اور تعلیم کو یکجا کر کے سیکھنے کے عمل کو نہایت دلکش اور آسان بنا دیا گیا ہے۔ لوفیلولا کے بارے میں چند اہم نکات درج لوذیل ہیں:

اس کی اصل حیثیت ایک AI سے تیار کردہ کردار کی ہے، یعنی یہ کسی حقیقی انسان کی نمائندگی نہیں کرتا بلکہ ڈیجیٹل تخلیق ہے جسے جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے زندہ اور متحرک انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس چینل کا بنیادی مقصد "سنگ اینڈ لرن (Sing and Learn) " کے تصور کو فروغ دینا ہے، جس کے تحت ناظرین کو گانوں کے بول (lyrics)، درست تلفظ (pronunciation)، اور جملوں کی ادائیگی سکھائی جاتی ہے۔ اس طریقہ کار سے زبان سیکھنے والے افراد نہ صرف الفاظ کو بہتر طور پر سمجھتے ہیں بلکہ ان کی ادائیگی اور لہجے میں بھی بہتری آتی ہے۔ مزید برآں، اس چینل کا مواد عموماً لو-فائی (lo-fi) انداز میں تیار کیا جاتا ہے، جس میں نرم، مدھم دھنوں پر مشتمل 1980ء کی دہائی کے مشہور گانے، جدید پاپ میوزک، اور جذباتی بیلاڈز شامل ہوتے ہیں۔ یہ گانے اکثر کراوکی (karaoke) یا کورورژنز کی شکل میں پیش کیے جاتے ہیں تاکہ سیکھنے والے خود بھی ان کے ساتھ گنگنا سکیں۔ اس طرح سامعین نہ صرف زبان سیکھتے ہیں بلکہ ایک خوشگوار اور پُرسکون ماحول میں اپنی سننے اور بولنے کی مہارت کو بھی فروغ دیتے ہیں۔

یوں LoFiLulla دراصل اس بات کی ایک عمدہ مثال ہے کہ کس طرح مصنوعی ذہانت اور ڈیجیٹل میڈیا کو تعلیم کے میدان میں مؤثر انداز سے استعمال کیا جاسکتا ہے، جہاں ایک فرضی کردار حقیقی تعلیمی فوائد فراہم کرتا ہے اور عالمی سطح پر سیکھنے والوں کے لیے ایک نیا اور دلچسپ ذریعہ بن کر ابھرتا ہے

سوشل میڈیا پر ٹیکس چھوٹ کے بارے میں وائرل وڈیو اور اصل حقیقت۔۔۔

اس وقت سوشل میڈیا پر یہ وڈیو کلپ کافی وائرل ہو رہی ہے اور بہت سے گروپس کی طرف سے اسے منفی انداز میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جب کہ اس کا پس منظر مختلف ہے۔ جسے سمجھنا ضروری ہے تا کہ حکومت کے ہر کام میں نقص ڈھونڈنے کی بجائے اس کی تہ تک پہنچا جائے۔

پاکستان میں ٹیکس نظام کو سمجھنے کے لیے ایک اہم پہلو "ٹیکس چھوٹ" یا Tax Exemptions ہے، جو بظاہر پیچیدہ لگتا ہے مگر در حقیقت معیشت کی پالیسی سازی کا ایک بنیادی حصہ ہے۔ پچھلے دو مالی سالوں (2023-24 اور 2024-25) میں حکومتِ پاکستان نے انکم ٹیکس، سیلز ٹیکس اور کسٹمز ڈیوٹی کی مد میں کھربوں روپے کی چھوٹ دی، جس نے اس موضوع کو عوامی بحث کا اہم حصہ بنا دیا ہے۔

سب سے پہلے مجموعی تصویر دیکھیں تو مالی سال 2023-24 میں ٹیکس چھوٹ کی مالیت تقریباً 2.4 سے 3.8 کھرب روپے کے درمیان رہی، جبکہ 2024-25 میں یہ بڑھ کر تقریباً 5.8 کھرب روپے تک جا پہنچی۔ یہ ایک بہت بڑا اضافہ ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت معیشت کے مختلف شعبوں کو سہارا دینے کے لیے بڑی مقدار میں ریونیو چھوڑ رہی ہے۔ اگر اسے سادہ الفاظ میں سمجھا جائے تو یہ وہ ٹیکس ہے جو حکومت وصول کر سکتی تھی مگر اس نے پالیسی کے تحت معاف کر دیا۔

اگر ان چھوٹوں کی نوعیت کو دیکھا جائے تو ان میں سب سے بڑا حصہ سیلز ٹیکس کا ہے، اس کے بعد انکم ٹیکس آتا ہے۔ مثال کے طور پر سیلز ٹیکس میں سب سے بڑی رعایت پیٹرولیم مصنوعات پر دی جاتی ہے۔ حکومت اکثر عوام کو ریلیف دینے کے لیے پیٹرول پر سیلز ٹیکس کم یا ختم کر دیتی ہے، جس سے قیمتیں قابو میں رہتی ہیں مگر قومی خزانے کو بڑا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح خوردنی اشیاء جیسے گھی، دالیں اور آٹا پر بھی کم ٹیکس رکھا جاتا ہے تا کہ مہنگائی کا بوجھ عوام پر کم پڑے۔

دوسری بڑی مثال ایکسپورٹ سیکٹر کی ہے، خاص طور پر ٹیکسٹائل انڈسٹری۔ اس شعبے کو "زیرو ریٹنگ" یا کم ٹیکس کی سہولت دی جاتی ہے تا کہ پاکستان کی برآمدات عالمی منڈی میں مسابقتی رہیں۔ اگر ان صنعتوں پر مکمل ٹیکس لگا دیا جائے تو ان کی لاگت بڑھ جائے گی اور وہ بین الاقوامی سطح پر مقابلہ نہیں کر پائیں گی۔ اسی طرح درآمدی مشینری اور خام مال پر بھی کسٹمز ڈیوٹی میں رعایت دی جاتی ہے تا کہ صنعتیں ترقی کر سکیں۔

کچھ چھوٹیں سماجی نوعیت کی بھی ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر پنشن، فلاحی اداروں، اور بعض تعلیمی اداروں کو انکم ٹیکس سے استثنا دیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد کمزور طبقات کو سہارا دینا اور سماجی بہبود کو فروغ دینا ہوتا ہے۔ زراعت کے شعبے کو بھی کئی صورتوں میں ٹیکس سے مستثنیٰ رکھا جاتا ہے، حالانکہ یہ ایک متنازعہ معاملہ ہے کیونکہ اس سے ٹیکس نیٹ محدود رہتا ہے۔

یہ سوال اہم ہے کہ حکومت کو آخر یہ چھوٹ کیوں دینا پڑتی ہے؟ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ معاشی استحکام ہے—اگر ہر چیز پر مکمل ٹیکس لگا دیا جائے تو مہنگائی بہت بڑھ سکتی ہے۔ دوسری وجہ صنعتی ترقی ہے—نئی یا کمزور صنعتوں کو سہارا دینے کے لیے ٹیکس میں رعایت دی جاتی ہے۔ تیسری وجہ برآمدات کو فروغ دینا ہے، کیونکہ پاکستان کو زرمبادلہ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ چوتھی وجہ سیاسی و سماجی دباؤ بھی ہوتا ہے، جہاں بعض شعبے یا گروہ حکومت سے رعایت حاصل کر لیتے ہیں۔

تاہم اس پالیسی کا ایک منفی پہلو بھی ہے۔ جب حکومت کھربوں روپے کی ٹیکس چھوٹ دیتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اتنی ہی رقم قومی خزانے میں نہیں آتی۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے یا تو نئے ٹیکس لگانے پڑتے ہیں یا قرض لینا پڑتا ہے، جس سے عام آدمی پر بوجھ بڑھتا ہے۔ اسی لیے ماہرین اکثر کہتے ہیں کہ ٹیکس چھوٹ کو زیادہ شفاف اور محدود ہونا چاہیے تا کہ صرف واقعی ضرورت مند شعبوں کو فائدہ ملے۔

خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان میں ٹیکس چھوٹ ایک دو دھاری تلوار کی طرح ہے۔ ایک طرف یہ معیشت کو سہارا دیتی ہے، صنعتوں کو فروغ دیتی ہے اور عوام کو ریلیف فراہم کرتی ہے، جبکہ دوسری طرف یہ قومی آمدنی میں کمی اور مالی خسارے کا سبب بھی بنتی ہے۔ ایک متوازن پالیسی ہی اس مسئلے کا حل ہو سکتی ہے، جہاں نہ تو معیشت دباؤ میں آئے اور نہ ہی ریاست کا مالی نظام کمزور ہو۔



"امریکہ فرسٹ "ٹرمپ انتظامیہ کی پھڈے بازی اور عالمی امن کو لاحق خدشات۔

"امریکہ فرسٹ (America First) "خارجہ پالیسی دراصل ایک ایسی حکمتِ عملی تھی جس کے تحت امریکہ نے اپنے معاشی، تجارتی اور تزویراتی مفادات کو اولین ترجیح دی۔ اس پالیسی کے نتیجے میں نہ صرف روایتی اتحادی ممالک بلکہ حریف ریاستوں کے ساتھ بھی شدید تنازعات پیدا ہوئے۔ اس حکمتِ عملی میں سفارت کاری کے بجائے ٹیرف (محصولات)، اقتصادی دباؤ، اور عوامی سطح پر سخت بیانات کو بطور ہتھیار استعمال کیا گیا۔

2017 سے 2021 کے عرصے اور 2025 میں دوبارہ اقتدار میں آنے کے بعد، بہت سے ممالک کے ساتھ نمایاں تنازعات سامنے آئے۔ جن میں .چین (China) کے ساتھ امریکہ کے تعلقات سب سے زیادہ کشیدہ رہے۔ کیونکہ 2018 میں امریکہ نے سینکڑوں ارب ڈالر مالیت کی چینی مصنوعات پر بھاری ٹیرف عائد کیے، جس کا مقصد تجارتی خسارہ کم کرنا اور دانشورانہ املاک (Intellectual Property) کی مبینہ چوری کا تدارک تھا۔ 2025 کے بعد چینی شمسی پینلز، نایاب معدنیات (Rare Earths) اور ٹیکنالوجی شعبے پر مزید پابندیاں لگائی گئیں۔ اس تجارتی جنگ نے عالمی سپلائی چین، صنعتی پیداوار اور عالمی معیشت کو غیر یقینی صورتحال سے دوچار کیا۔

اسی طرح ایران کے بارے میں خطرناک پالیسیاں بنائی گئیں اور 2018 میں امریکہ نے JCPOA سے نکل کر سخت اقتصادی پابندیاں دوبارہ نافذ کیں۔ اور فوجی کشیدگی اور 2020 میں جنرل قاسم سلیمانی کی ہلاکت نے دونوں ممالک کو جنگ کے دہانے پر پہنچا دیا۔ 2025–2026 میں دوبارہ اقتدار میں آنے کے بعد ایران کی جوہری تنصیبات اور قیادت کو نشانہ بنایا گیا، جس سے مشرق وسطیٰ میں عدم استحکام بڑھا۔ اور عالمی تیل کی قیمتوں، علاقائی سلامتی اور عالمی سیاست پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ پاکستان کی مصالحتی کوششوں کے باوجود ابھی تک کشیدگی برقرار ہے اور فریقین اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہیں. اس جنگ کے دوران جس میں اسرائیل امریکہ کا کندھا استعمال کر رہا ہے بہت سی اہم ایرانی قیادت بشمول رہبر اعلیٰ اور سائنس دانوں کی شہادتوں نے امریکہ کے خلاف ایرانی عوام کو ذہنی و عملی طور پر اس سطح تک پہنچا دیا ہے کہ وہ کسی طور بھی دھونس کے تحت صلح پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ اور اسی جنگی کیفیت میں خلیجی ممالک سعودیہ اور ایران کے تعلقات جو پہلے ہی کشیدہ تھے۔ مزید کشیدہ ترین ہو چکے ہیں اور ابنائے ہرمز اس وقت معاشی قتل گاہ بن چکی ہے

.یورپی یونین اور نیٹو اتحادی (EU & NATO Allies) بھی ٹرمپ کے شکار ہونے سے نہیں بچ پائے اور اسٹیل اور ایلومینیم پر امریکی ٹیرف کے جواب میں یورپی ممالک نے بھی جوابی محصولات عائد کیے۔ اسی طرح امریکہ نے اتحادی ممالک پر دفاعی اخراجات کم رکھنے کا الزام لگایا، جس سے اتحاد میں دراڑیں پڑیں۔

گرین لینڈ بحران (2025–2026) بھی عالمی کشیدگی میں ایک اضافہ رہا اور امریکہ نے گرین لینڈ کے حصول کے لیے یورپی ممالک پر 25٪ تک ٹیرف کی دھمکیاں دیں، جس سے ٹرانس اٹلانٹک تعلقات شدید متاثر ہوئے۔ اور عالمی تجارتی نظام اور مغربی اتحاد کی یکجہتی کمزور ہوئی۔

میکسیکو اور کینیڈا میں غیر قانونی امیگریشن اور منشیات کے مسئلے پر میکسیکو کو ٹیرف کی دھمکیاں دی گئیں اور NAFTA کو ختم کرنے کی دھمکی دے کر نیا معاہدہ (USMCA) طے کیا گیا۔ اور 2025 میں دوبارہ اقتدار میں آ کر دونوں ممالک پر 25٪ ٹیرف عائد کیے گئے۔ جس سے شمالی امریکہ کی معیشت اور تجارتی انضمام متاثر ہوا۔

جرمنی، اٹلی اور اسپین کے ساتھ بھی ٹرمپ کی چھیڑ چھاڑ جاری رہی اور امریکہ نے ان ممالک سے فوجی انخلا کی دھمکیاں دیں، خاص طور پر اس وقت جب انہوں نے مشرق وسطیٰ میں امریکی پالیسیوں کی مکمل حمایت نہیں کی۔ اس سے نیٹو کے اندر اعتماد میں کمی اور دفاعی تعاون پر سوالات اٹھے۔

وینزویلا (Venezuela.) میں حکومت کی تبدیلی کی کوششی جاری رکھی گئی اور اپوزیشن رہنما کو تسلیم کیا گیا اور سخت پابندیاں لگائی گئیں۔ اور 2026 میں کارروائی کاراکاس میں حملہ اور صدر نکولس مادورو کے خلاف کارروائی نے صورتحال کو انتہائی سنگین بنا دیا۔ جس سے لاطینی امریکہ میں سیاسی عدم استحکام اور امریکی مداخلت پر تنقید میں اضافہ ہوا۔

بھارت پر روسی تیل خریدنے کے باعث بھاری ٹیرف (50٪ تک) لگائے گئے، جسے بھارت نے مسترد کیا۔ اسطرح امریکہ نے 2025 میں پاکستان اور بھارت میں جنگ بندی کرانے کا دعویٰ کیا، تاہم بھارت نے اس کردار کو کم اہمیت دی۔ اس سے جنوبی ایشیا میں سفارتی حساسیت اور امریکہ کے کردار پر سوالات پیدا ہوئے۔

شمالی کوریا کو ابتدا میں شدید دھمکی آمیز بیانات دیے گئے، بعد میں براہ راست سربراہی ملاقاتوں کا آغاز ہوا۔ یہ پالیسی تضاد کی بدترین مثال بنا۔ کیونکہ دھمکیاں اور سفارت کاری ساتھ ساتھ نہیں چل سکتیں۔ اس کے اس طرز عمل نے عالمی سطح پر غیر یقینی صورتحال پیدا کی۔

زیمبیا کے وسائل اور امداد کا تنازع کے تحت امریکہ نے مبینہ طور پر صحت کے پروگرامز (جیسے HIV/AIDS فنڈنگ) کو معدنی وسائل (کاپر، کوبالٹ، لیتھیم) تک رسائی سے مشروط کرنے کی کوشش کی۔ اس سے ترقی پذیر ممالک کے ساتھ تعلقات میں اعتماد کا بحران پیدا ہوا اور امریکہ کی پالیسی کو "معاشی دباؤ" کے طور پر دیکھا گیا۔

ٹرمپ حکمتِ عملی کے اہم عناصر اور ان پر مبنی تنازعات کی بنیاد جس پالیسی پر ہے عہ اس وقت بھی نافذ العمل ہے۔ ان میں قومی سلامتی کے نام پر اتحادی ممالک پر بھی محصولات عائد کیے گئے۔ اور

معاہدوں سے علیحدگی جیسے پیرس ماحولیاتی معاہدہ اور ٹرانس پیسیفک پارٹنر شپ سے نکلنا اور

معاشی دباؤ کو بطور ہتھیار تجارتی مذاکرات کو سیکیورٹی اور سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنا۔

ترمپ انتظامیہ کہ ان جارحانہ پالیسیوں کے اثرات گہرے رہے۔ تجارتی جنگوں کے باعث عالمی تجارت کی رفتار سست ہوئی، مہنگائی میں اضافہ ہوا، اور سپلائی چینز متاثر ہوئیں۔ ترقی پذیر ممالک، جو بڑی معیشتوں پر انحصار کرتے ہیں، خاص طور پر متاثر ہوئے۔ سماجی سطح پر بھی اس کے اثرات دیکھنے میں آئے، جہاں بے روزگاری، مہنگائی اور اقتصادی عدم استحکام نے عوامی بے چینی کو جنم دیا۔ عالمی سطح پر اعتماد میں کمی اور کثیر الجہتی اداروں کی کمزوری بھی انہی پالیسیوں کا نتیجہ سمجھی جاتی ہے۔

امریکی سینیٹ اور کانگریس کے اندر اس پالیسی پر مکمل اتفاق نہیں پایا گیا۔ ریپبلکن پارٹی کے کچھ حلقوں نے اسے قومی مفادات کے تحفظ کے طور پر سراہا، جبکہ ڈیموکریٹس اور بعض ماہرینِ معیشت نے اسے عالمی تنہائی اور اقتصادی نقصان کا سبب قرار دیا۔ امریکی عوام میں بھی رائے منقسم رہی—ایک طبقہ اسے مضبوط قیادت سمجھتا ہے، جبکہ دوسرا اسے غیر ضروری تنازعات اور اقتصادی دباؤ کا باعث قرار دیتا ہے۔

جہاں تک اخراجات کا تعلق ہے، تجارتی جنگوں، فوجی تیاریوں، اور عالمی سطح پر کشیدگی کے باعث امریکی اخراجات میں نمایاں اضافہ ہوا۔ صرف چین کے ساتھ تجارتی جنگ کے نتیجے میں امریکی معیشت کو اربوں ڈالر کا نقصان اٹھانا پڑا، جبکہ کسانوں اور صنعتوں کو سبسڈی دینے پر بھی بھاری رقم خرچ ہوئی۔ مجموعی طور پر یہ پالیسی قلیل مدتی سیاسی فوائد کے باوجود طویل مدتی معاشی اور سفارتی چیلنجز کو جنم دے رہی ہے، جس کے اثرات نہ صرف امریکہ بلکہ پوری دنیا پر مرتب ہو رہے ہیں مگر حیرت یہ ہے کہ ابھی تک ترمپ انتظامیہ اپنی پالیسیوں کے تحفظ پر اصرار کر رہی ہے۔ دیکھتے ہیں کہ آنے والے دنوں یہ ہٹ دھرمی اور پھڈے کیا رخ اختیار کرتے ہیں



یکم مئی۔۔عام تعطیل تو محنت کشوں کے نام پر۔۔۔۔۔مگر لطف اندوز ۔۔غیر محنت کش۔۔دوغلے پن کی انتہا؟؟

یکم مئی کو منایا جانے والا عالمی یومِ مزدور انسانی محنت، حقوق اور سماجی انصاف کی ایک تاریخی علامت ہے۔اس دن کی بنیاد Haymarket Affair سے جڑی ہے،جب Chicago میں1886 کے دوران مزدوروں نے روزانہ اوقاتِ کار کو آٹھ گھنٹے تک محدود کرنے کے لیے بھرپور احتجاج کیا۔4 مئی کو ہونے والے ایک پُر تشدد واقعے نے نہ صرف کئی جانیں لیں بلکہ عالمی سطح پر مزدور تحریک کو نئی جہت دی۔بعد ازاں1889 میں Second International نے یکم مئی کو دنیا بھر کے مزدوروں کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کے طور پر منانے کا اعلان کیا،اور یوں یہ دن عالمی سطح پر ایک علامتی حیثیت اختیار کر گیا۔

پاکستان میں یومِ مزدور کا باقاعدہ آغاز قیام کے بعد مزدور تحریکوں کے زیرِ اثر ہوا، تاہم اسے حقیقی سرکاری اہمیت1970 کی دہائی میں ملی۔ Zulfikar Ali Bhutto کے دورِ حکومت میں مزدور دوست اصلاحات متعارف کروائی گئیں اور1972 میں یکم مئی کو باضابطہ طور پر عام تعطیل قرار دیا گیا۔اس دن ملک بھر میں مزدوروں کے حقوق،منصفانہ اجرت، محفوظ کام کے ماحول اور سماجی تحفظ کے حوالے سے تقریبات، ریلیاں اور سیمینار منعقد ہوتے ہیں،جو اس دن کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔

اگرچہ دنیا کے کئی ممالک میں یکم مئی کو سرکاری تعطیل ہوتی ہے، لیکن یہ تصور درست نہیں کہ ہر جگہ اس دن چھٹی ہوتی ہے۔مثال کے طور پر امریکہ میں Labor Day ستمبر کے پہلے پیر کو منایا جاتا ہے اور یکم مئی کو عام تعطیل نہیں ہوتی، جبکہ برطانیہ میں Early May Bank Holiday مئی کے پہلے پیر کو منایا جاتا ہے، جو لازمی طور پر یکم مئی نہیں ہوتا۔اسی طرح خلیجی ممالک میں بھی عموماً اس دن سرکاری چھٹی نہیں دی جاتی، اگرچہ بعض نجی یا مزدور تنظیمیں اس کی علامتی حیثیت کو برقرار رکھتی ہیں۔

ایشیا کے تناظر میں بھی صورتحال یکساں نہیں ہے۔ چین اور کئی دیگر ممالک میں یکم مئی سرکاری تعطیل کے طور پر منایا جاتا ہے، تاہم جاپان میں اس دن باقاعدہ چھٹی نہیں ہوتی، اگرچہ یہ Golden Week کے دوران آتا ہے جس میں دیگر قومی تعطیلات شامل ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہانگ کانگ اور بعض دیگر ایشیائی خطوں میں بھی یکم مئی کی تعطیل کا اطلاق محدود یا مختلف نوعیت کا ہے، جبکہ خلیجی ایشیائی ممالک میں عموماً اس دن سرکاری سطح پر چھٹی نہیں دی جاتی۔
اس طرح عالمی یومِ مزدور ایک بین الاقوامی علامت ہونے کے باوجود مختلف ممالک میں مختلف انداز اور روایات کے ساتھ منایا جاتا ہے۔
مگر پاکستان کے پس منظر میں دیکھا جائے تو یہاں ایک واضح تضاد نظر آتا ہے جو پاکستان کے سماجی و معاشی ڈھانچے کی ایک حقیقی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ یکم مئی، جسے مزدوروں کے حقوق، ان کی قربانیوں اور جدوجہد کی علامت کے طور پر منایا جاتا ہے، عملی طور پر ایک "علامتی چھٹی" بن کر رہ گیا ہے—خاص طور پر ان طبقات کے لیے جو رسمی (formal) معیشت کا حصہ ہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں مزدوروں کی ایک بڑی تعداد غیر رسمی شعبے (informal sector) سے وابستہ ہے—جن میں دیہاڑی دار مزدور، گھریلو ملازمین، زرعی ورکرز، ریڑھی بان اور چھوٹے کاریگر شامل ہیں۔ ان کے لیے "چھٹی" کا مطلب آمدنی کا نقصان ہے۔ چونکہ ان کے روزگار کا کوئی قانونی تحفظ، کنٹریکٹ، یا سوشل سکیورٹی کا مؤثر نظام موجود نہیں، اس لیے وہ یکم مئی کو بھی کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یوں جس دن کا مقصد ان کے حقوق کو اجاگر کرنا ہے، وہی دن ان کے لیے معاشی مجبوری کی ایک اور مثال بن جاتا ہے۔
دوسری طرف، سرکاری و کارپوریٹ شعبے کے ملازمین کے لیے یہ دن واقعی ایک تعطیل کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جس میں اکثر لوگ اس کے پس منظر یا مقصد سے کٹ کر اسے محض ایک عام چھٹی کے طور پر گزارتے ہیں۔ اس سے ایک نفسیاتی و سماجی فاصلے کا احساس پیدا ہوتا ہے—جہاں "مزدوروں کا دن" مزدوروں سے زیادہ غیر مزدور طبقات کے لیے سہولت بن جاتا ہے۔
اصل مسئلہ صرف چھٹی کا نہیں بلکہ مزدوروں کے حقوق کے نفاذ کا ہے۔ اگر کم از کم اجرت، اوقاتِ کار، صحت و تحفظ، اور سوشل سکیورٹی جیسے بنیادی حقوق واقعی نافذ ہوں، تو یکم مئی ایک بامقصد دن بن سکتا ہے۔ بدقسمتی سے، پاکستان میں لیبر قوانین موجود ہونے کے باوجود ان پر عملدرآمد کمزور ہے، خاص طور پر غیر رسمی شعبے میں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دن ایک "تقریری روایت" تو بن گیا ہے، مگر عملی تبدیلی کا ذریعہ کم نظر آتا ہے
۔لہٰذا حقائق کا تقاضہ یہ ہے کہ یکم مئی کو صرف چھٹی قرار دینا کافی نہیں۔ اگر اس دن کو حقیقی معنوں میں مزدوروں کے لیے فائدہ مند بنانا ہے تو ضروری ہے کہ:

غیر رسمی شعبے کو قانونی دائرے میں لانے کی سنجیدہ کوشش ہو
کم از کم اجرت اور کام کے اوقات کی سختی سے نگرانی کی جائے
گھریلو اور زرعی مزدوروں کو بھی لیبر قوانین میں مؤثر طور پر شامل کیا جائے
اور اس دن کو شعور و آگاہی، تربیت، اور حقوق کے عملی اقدامات کے ساتھ جوڑا جائے

بصورت دیگر، یہ تنقید اپنی جگہ درست رہے گی کہ جس طبقے کے نام پر یہ دن منایا جاتا ہے، وہی اس کے ثمرات سے محروم ہے—اور یہ محض ایک علامتی تقریب بن کر رہ گیا ہے، جس میں حقیقت سے زیادہ رسم ادا کی جاتی ہے۔ حکومت کو چاہیئے کہ اس روز اس بیکار چھٹی کا خاتمہ کرے اور صحیح معنوں میں صرف حقیقی محنت کشوں تک یہ ثمرات پہنچائے اور اس دن آرام دینا ہے تو صرف اسی محروم طبقے کو دے۔



WHAT IS THE REAL DISPUTE BETWEEN - TRUMP ADMINISTRATION & ZAMBIA?

ڈونلڈ ٹرمپ کی انتظامیہ اور زیمبیا کے درمیان تنازع ایک اہم سفارتی کشمکش کی شکل اختیار کر چکا ہے جس میں انسانی امداد کو اسٹریٹجک معدنی وسائل تک رسائی سے مشروط کیا جا رہا ہے۔ امریکہ نے عندیہ دیا ہے کہ ایچ آئی وی / ایڈز پروگراموں کے لیے مالی معاونت کا تسلسل اس بات پر منحصر ہو سکتا ہے کہ زیمبیا امریکی کمپنیوں کو اپنے اہم معدنی ذخائر — خصوصاً تانبہ، کوبالٹ اور لیتھیم — تک ترجیحی رسائی دے

۔یہ حکمتِ عملی "امریکہ فرسٹ" پالیسی کا حصہ ہے جس کا مقصد جدید ٹیکنالوجی اور عالمی توانائی تبدیلی کے لیے ضروری سپلائی چینز کو محفوظ بنانا ہے۔ اس تناظر میں زیمبیا کو 30 اپریل 2026 تک امریکی شرائط قبول کرنے کا کہا گیا، بصورتِ دیگر صحت کے شعبے میں امداد میں نمایاں کمی کا خدشہ ظاہر کیا گیا، جو خاص طور پر ایچ آئی وی کے لاکھوں مریضوں کے لیے سنگین نتائج کا باعث بن سکتی ہے۔

دوسری جانب امریکہ نے پانچ سالوں میں ایک ارب ڈالر کی صحت امداد کی پیشکش بھی کی ہے، تاہم اسے زیمبیا کے معدنیاتی شعبے میں اصلاحات اور امریکی کمپنیوں کو زیادہ رسائی دینے سے مشروط کیا گیا ہے۔ یہ رجحان ظاہر کرتا ہے کہ ترقیاتی امداد کو اب معاشی اور اسٹریٹجک مفادات کے ساتھ جوڑا جا رہا ہے۔

اس تنازع میں چین کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کا عنصر بھی نمایاں ہے، جس نے افریقہ کے معدنی اور انفراسٹرکچر کے شعبوں میں اپنی موجودگی مضبوط کی ہے۔ اسی پس منظر میں امریکہ کی جانب سے امداد کو دباؤ کے آلے کے طور پر استعمال کرنے کی اطلاعات ہیں، جس کے باعث زیمبیا پر پالیسی تبدیلیوں کا دباؤ بڑھا ہے اور دونوں ممالک کے تعلقات میں تناؤ پیدا ہو گیا

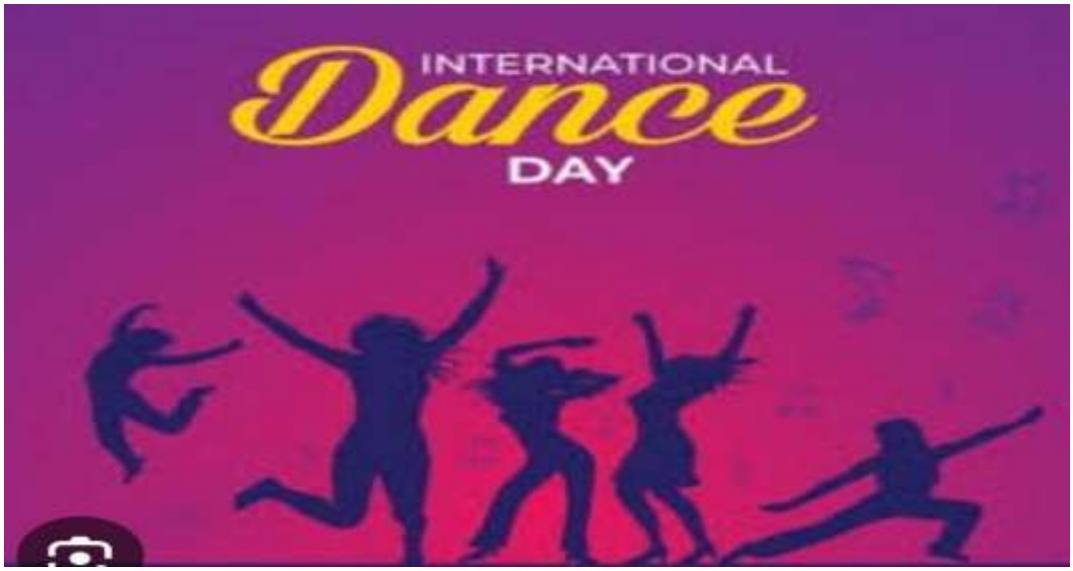

عالمی یوم رقص (اعضا کی کی شاعری)

29اپریل کو دنیا بھر میں عالمی یوم رقص (International Dance Day) منایا جاتا ہے۔ یہ دن International Dance Council (CID) کے زیر اہتمام قائم کیا گیا، جس کا مقصد رقص کو ایک عالمی فن کے طور پر فروغ دینا، مختلف ثقافتوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا اور ہر عمر کے لوگوں کو اس فن میں حصہ لینے کی ترغیب دینا ہے۔ اس دن کا انتخاب معروف فرانسیسی رقاص اور جدید بیلے کے بانی Jean-Georges Noverre کی سالگرہ کی مناسبت سے کیا گیا، جنہوں نے رقص کو ایک باقاعدہ اور بامقصد فن کی شکل دی۔

یہ دن نہ صرف رقص کی خوبصورتی اور تخلیقی اظہار کو اجاگر کرتا ہے بلکہ جسمانی صحت، ذہنی سکون اور معاشرتی ہم آہنگی میں اس کے کردار کو بھی نمایاں کرتا ہے۔ دنیا بھر میں اس موقع پر مختلف تقریبات جیسے اسٹیج پرفارمنس، ورکشاپس، سیمینارز اور تعلیمی پروگرامز منعقد کیے جاتے ہیں، جن میں کلاسیکی، لوک، اور جدید رقص کی مختلف اقسام پیش کی جاتی ہیں۔

پاکستان جیسے ثقافتی طور پر مالا مال ملک میں بھی اس دن کی اہمیت بڑھ جاتی ہے، جہاں بھنگڑا، جھومر، کتھک اور دیگر علاقائی رقص نہ صرف تفریح کا ذریعہ ہیں بلکہ ثقافتی شناخت کا اہم حصہ بھی ہیں۔ عالمی یوم رقص ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ رقص زبان، نسل اور سرحدوں سے بالاتر ہو کر انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا ذریعہ بن سکتا ہے، اور ایک صحت مند، پرامن اور تخلیقی معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے



کیا ملک کا انتظام چلانے والوں کی منزل بھی پاکستان ہے؟ دوہری شہریت کے بارے میں ایک تجزیاتی رپورٹ

حال ہی میں سامنے آنے والی ایک رپورٹ نے ریاستی نظم ونسق کے حوالے سے ایک اہم بحث کو جنم دیا ہے۔

اس رپورٹ کے مطابق سپریم کورٹ میں پیش کی گئی فہرست کے مطابق دوہری شہریت والے افسران کی تعداد 22 ہزار 380 ہے ان میں 1100 کا تعلق صرف پولیس اور بیوروکریسی سے ہے اور ان میں سے 540 کینیڈین 240 برطانوی 190 کے قریب امریکہ کے بھی شہری ہیں۔ درجنوں دیگر سرکاری ملازمین نے آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، ملائیشیا اور آئرلینڈ جیسے ملکوں کی بھی شہریت لے رکھی ہے ان میں بہت سے سرکاری افسر تو اہم ترین حکومتی عہدوں پر بھی براجمان ہیں۔ ان میں گریڈ 22 کے 6 ایم پی ون سکیل کے 11 گریڈ 21 کے 40 گریڈ 20 کے 90

گریڈ 19 کے 160 گریڈ 18 کے 220 اور گریڈ 17 کے 160 افسران شامل ہیں۔

ان میں داخلہ ڈویژن کے 20 پاور ڈویژن 44 ایوی ایشن ڈویژن 92 خزانہ ڈویژن 64 پٹرولیم ڈویژن 96 کامرس ڈویژن 10 آمدن ڈویژن 26 اطلاعات ونشریات 25 اسٹیبلشمنٹ 22 نیشنل فوڈ سکیورٹی 7 کیبینٹل ایڈمنسٹریشن 11 مواصلات ڈویژن 16 ریلوے ڈویژن 8 کبنٹ ڈویژن کے 6 افسر دہری شہریت کے حامل ہیں سب سے زیادہ دہری شہریت کے حامل افراد کا تعلق محکمہ تعلیم سے ہے ان کی تعداد 140 سے زیادہ ہے۔ قومی ایئرلائن کے 80 سے زیادہ لوکل گورنمنٹ 55 اور سپیشلائزڈ ہیلتھ کیئر 55، نیشنل بینک 30

،سائنس اور ٹیکنالوجی 60، زراعت 40 سے زیادہ سکیورٹی ایکسچینج کمیشن 20 آبپاشی 20 سوئی سدرن 30 سوئی ناردرن 20 پی ایم ایس 17 پاکستان ایڈمنسٹریٹو سروس 14 اور نادرا کے 15 ملازمین دہری شہریت کے حامل ہیں

۔یہ انکشاف محض اعداد و شمار تک محدود نہیں بلکہ اس کے اثرات قومی وفاداری، پالیسی سازی اور ریاستی ترجیحات پر بھی مرتب ہو سکتے ہیں، جس نے عوامی حلقوں میں تشویش کو بڑھا دیا ہے۔ کیونکہ

جو افسران غیر ملکی شہریت کے حامل ہیں، ان میں بڑی تعداد امریکہ، کینیڈا، برطانیہ اور آسٹریلیا سے تعلق رکھتی ہے۔ ان میں پولیس، بیوروکریسی، اور مختلف وفاقی و صوبائی محکموں کے افسران شامل ہیں۔ جو اس مسئلے کی وسعت اور گہرائی کو

واضح کرتا ہے۔

یہ رجحان مختلف سرکاری شعبوں میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے، جن میں تعلیم، صحت، خزانہ، توانائی، مواصلات اور دیگر اہم شعبے شامل ہیں۔ بعض اعلیٰ سطحی عہدوں پر فائز شخصیات بھی دوہری شہریت رکھتی ہیں، جس سے اس بحث کو مزید تقویت ملتی ہے کہ آیا ریاستی فیصلوں میں مکمل قومی وابستگی کو یقینی بنایا جا رہا ہے یا نہیں۔

تاہم اس معاملے کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ عالمی سطح پر مہارتوں کے تبادلے اور بیرون ملک تجربے کو اکثر مثبت سمجھا جاتا ہے۔ دوہری شہریت رکھنے والے افراد جدید علم، بین الاقوامی تجربہ اور پیشہ ورانہ مہارتیں ملک میں لا سکتے ہیں، جو گورننس کو بہتر بنانے میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ اس لیے اس مسئلے کو یک طرفہ انداز میں دیکھنے کے بجائے ایک متوازن اور حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر اپنانا ضروری ہے۔

بالآخر، اصل سوال دوہری شہریت نہیں بلکہ شفافیت، احتساب اور قومی مفاد کے تحفظ کا ہے۔ اگر موثر قوانین اور واضح پالیسیوں کے ذریعے مفادات کے ٹکراؤ کو روکا جائے اور ریاستی وفاداری کو یقینی بنایا جائے تو یہ مسئلہ ایک موقع میں بھی تبدیل ہو سکتا ہے۔ پاکستان کو درپیش چیلنج یہی ہے کہ وہ صلاحیت اور وفاداری کے درمیان ایک ایسا توازن قائم کرے جو قومی ترقی اور استحکام کی ضمانت بن سکے

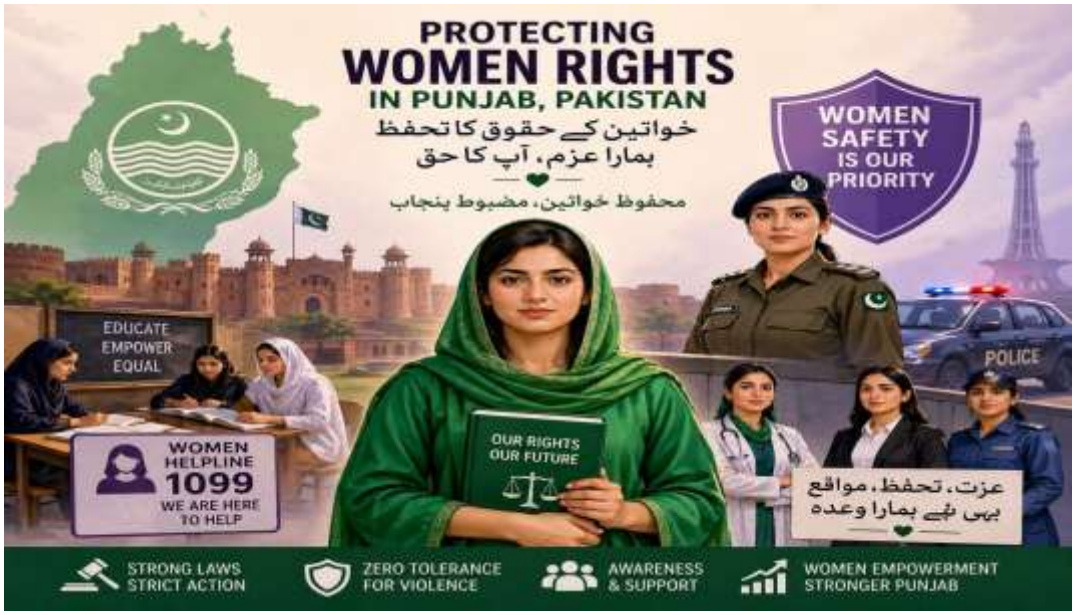

خواتین کے حقوق کا تحفظ اور حکومت پنجاب کی خواتین دوست پالیسیوں پر ایک نظر۔

حکومتِ پنجاب نے گزشتہ چند برسوں میں خواتین کے تحفظ کے لیے ایک نسبتاً جامع اور منظم نظام قائم کیا ہے جس میں قانون سازی، ادارہ جاتی ڈھانچہ، پولیس اصلاحات اور ٹیکنالوجی سب شامل ہیں۔ پنجاب پروٹیکشن آف ویمن اگینسٹ وائلنس ایکٹ 2016 کے ذریعے گھریلو، جسمانی، نفسیاتی اور معاشی تشدد کے خلاف باقاعدہ قانونی تحفظ فراہم کیا گیا، جبکہ پنجاب ویمن پروٹیکشن اتھارٹی (PWPA) کا قیام عمل میں لایا گیا جو خواتین کے لیے شیلٹر، بحالی، اور نگرانی کا پورا نظام چلاتی ہے

۔اسی طرح ورک پلیس ہراسگی کے خاتمے کے لیے 2010 کے وفاقی قانون اور 2012 کی صوبائی ترامیم کے تحت ہر ادارے میں انکوائری کمیٹیاں اور اومبڈسپرسن کا نظام قائم کیا گیا، جسے سول عدالت جیسے اختیارات حاصل ہیں

۔پنجاب میں "ون ونڈو" سہولت کے طور پر Violence Against Women Centres ، ہیلپ لائن 1737، ویمن پروٹیکشن افسران، اور خواتین پولیس ڈیسک جیسے اقدامات بھی متعارف کرائے گئے تاکہ متاثرہ خواتین کو فوری قانونی، طبی اور نفسیاتی مدد ایک ہی جگہ میسر ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ پولیس کی موبائل ایپس اور ایمرجنسی سروسز نے خواتین کے لیے فوری رابطے اور تحفظ کو مزید آسان بنایا ہے۔ جس میں Punjab Citizen Support Portal کا ذکر ضروری ہے۔

اسی طرح خواتین کو وراثت میں حصہ دینے کے لئے پلس (PULSE) پروگرام کے تحت ایک آگاہی مہم بھی چلائی جارہی ہے اور ریونیو عملہ کو اس امر کا پابند کر دیا گیا ہے کہ وہ وراثتی انتقال میں خواتین کے نہ صرف حصہ کا اندراج کریں بلکہ ان کو قبضہ بھی دلوائیں۔ اس وقت بھی پنجاب بھر میں یہ آگاہی مہم اور اس فیصلے پر عمل درآمد جاری ہے۔ پنجاب رورل سپورٹ پروگرام (PRSP) آگاہی

مہم میں حکومت کے شانہ بشانہ کام کر رہا ہے اور قصور شیخوپورہ گوجرانوالہ وزیر آباد راولپنڈی مری پاک پتن کوٹ ادو مظفر گڑھ بہاول پور اور رحیم یار خان میں اپنی خواتین سوشل آرگنائزر اور دیگر عملے کے ساتھ ہر گاؤں میں کارنر میٹنگز اور کمیونٹی اجلاس کے ذریعے آگاہی مہم جاری رکھے ہوئے ہے۔

اسی طرح جبری شادیوں اور اور کم عمر بچیوں کی شادیوں کی روک تھام کے لئے بھی قانون ہر وقت حرکت میں رہتا ہے۔ اور اغواو آبروریزی کے خاتمے کے لئے سی سی ڈی کو وسیع اختیارات دے رکھے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان جرائم میں خاطر خواہ کمی واقع ہوئی ہے

اگر دیگر صوبوں سے موازنہ کیا جائے تو پنجاب اس حوالے سے نسبتاً زیادہ منظم اور ادارہ جاتی طور پر مضبوط نظر آتا ہے، کیونکہ یہاں قوانین کے ساتھ ان پر عملدرآمد کے لیے باقاعدہ اتھارٹی، مراکز اور نگرانی کا نظام موجود ہے۔ سندھ اور خیبر پختونخوا میں بھی خواتین کے تحفظ کے قوانین اور کمیشن موجود ہیں، تاہم وہاں "ون ونڈو سینٹرز" اور مربوط رسپانس سسٹم پنجاب کی طرح وسیع پیمانے پر فعال نہیں ہیں، جبکہ بلوچستان میں یہ نظام ابھی ابتدائی یا محدود سطح پر ہے۔ اس کے باوجود پاکستان بھر میں ورک پلیس ہراسگی کے خلاف قانون یکساں طور پر نافذ ہے، جو خواتین کو شکایت درج کرانے اور انصاف حاصل کرنے کا حق دیتا ہے

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو پنجاب کا ماڈل خواتین کے لیے نسبتاً زیادہ سہل اور قابلِ استفادہ ہے کیونکہ یہاں قانون، ادارے اور عملی سہولیات ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔ خواتین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے حقوق سے آگاہ رہیں، ہراسگی یا تشدد کی صورت میں فوری طور پر ہیلپ لائن، پولیس یا متعلقہ اداروں سے رجوع کریں، اور قانونی تحفظ کے ان ذرائع سے بھرپور فائدہ اٹھائیں تاکہ ایک محفوظ اور باوقار معاشرہ تشکیل دیا جاسکے۔



چین میں مذہبی آزادی۔۔"اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں وائرل وڈیو اور حکومتی پالیسی۔

اس وائرل وڈیو کے حوالے سے درج ذیل حقائق سے بھی آگاہی ضروری ہے۔کیونکہ ہر ملک کا اپنا آئیں اور قوانین ہوتے ہیں جس پر عمل درآمد نہایت ضروری بھی ہے کہ ریاست نے تمام شہریوں کے حقوق کو سامنے رکھ کر قابل عمل پالیسی بنانا ہوتی ہے(

چین میں مذہبی آزادی کا معاملہ بظاہر آئینی سطح پر تسلیم شدہ ہے، تاہم عملی طور پر یہ ریاستی کنٹرول کے تابع ہے۔ چین کا آئین کے آرٹیکل 36 کے مطابق شہریوں کو مذہبی عقائد رکھنے اور ان پر عمل کرنے کی آزادی حاصل ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ شرط بھی عائد ہے کہ مذہب کو ریاستی نظم ونسق، تعلیم یا سماجی استحکام کے خلاف استعمال نہیں کیا جاسکتا۔اسی بنیاد پر حکومت مذہبی سرگرمیوں کو "قانونی" اور "غیر قانونی" کے دائرے میں تقسیم کرتی ہے، اور صرف سرکاری طور پر رجسٹرڈ مذاہب اور اداروں کو ہی اجازت دی جاتی ہے۔

انتظامی طور پر چین نے مذہبی امور کو کنٹرول کرنے کے لیے ایک باقاعدہ نظام قائم کیا ہے، جس میں State Administration for Religious Affairs (اب یونائیٹڈ فرنٹ ورک ڈیپارٹمنٹ کے تحت) کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔اس نظام کے تحت مساجد، مدارس اور مذہبی اجتماعات کو رجسٹریشن اور نگرانی کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔حکومت "سینیسائزیشن آف ریلیجن" (یعنی مذہب کو چینی ثقافت اور ریاستی نظریات سے ہم آہنگ کرنا) کی پالیسی پر عمل پیرا ہے، جس کے نتیجے میں مذہبی تعلیمات اور خطبات پر بھی ریاستی اثر ورسوخ بڑھا ہے۔

چین کی کل ابادی 2025–2026 کے اندازوں کے مطابق تقریباً 1.40 سے 1.41 ارب ہے، جبکہ اس میں مسلمانوں کی تعداد مختلف تحقیقی اندازوں کے مطابق تقریباً 2.3 سے 2.5 کروڑ کے درمیان ہے (یاد رہے چین مین مردم شماری کے وقت مزہب یا عقیدے کا کالم درج نہین ہوتا)، یہ غیر حتمی اندازے ہیں جن کے مطابق مسلمان مجموعی آبادی کا قریباً 1.6 فیصد سے 1.8 فیصد ہین؛ چین میں مسلمان زیادہ تر شمال مغربی علاقوں میں آباد ہیں، خصوصاً Xinjiang میں جہاں ایغور مسلمانوں کی بڑی تعداد موجود ہے، اس کے علاوہ Ningxia ، Gansu اور Qinghai میں بھی نمایاں مسلم آبادی پائی جاتی ہے، جبکہ ان میں ایغور اور ہوئی بڑی مسلم قومیں شمار ہوتی ہیں ۔اس سے قبل خصوصی طور پر مسلمانوں کے حوالے سے صورتحال پیچیدہ اور حساس رہی تھی۔ خاص طور پر صوبہ سنکیانگ میں۔ یہاں ماضی مین ایغور مسلمان سمیت دیگر مسلم اقلیتوں پر مذہبی سرگرمیوں جیسے روزہ رکھنے، داڑھی رکھنے، یا بچوں کو مذہبی تعلیم دینے پر مختلف اوقات میں پابندیاں رپورٹ ہوئی ہیں۔ حکومت کا مؤقف تھا کہ یہ اقدامات انتہا پسندی اور دہشت گردی کے سدباب کے لیے ہیں، جبکہ بین الاقوامی ادارے اور انسانی حقوق کی تنظیمیں ان پالیسیوں کو مذہبی آزادی کی خلاف ورزی قرار دیتی تھین۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو چین میں مذہبی آزادی ایک محدود اور ریاستی نگرانی کے دائرے میں موجود حق ہے۔ آئینی طور پر اس کی ضمانت دی گئی ہے، مگر انتظامی پالیسیوں اور سیکیورٹی خدشات کے باعث اس پر سخت کنٹرول رکھا جاتا ہے، خاص طور پر مسلمانوں کے معاملے میں۔ اس صورتحال کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے چین کی قومی سلامتی، سماجی استحکام، اور ثقافتی ہم آہنگی کی پالیسیوں کے تناظر میں دیکھا جائے، جہاں ریاستی مفادات کو اکثر انفرادی مذہبی آزادی پر ترجیح دی جاتی ہے۔



عالمی یومِ دانشورانہ املاک (26 اپریل): تخلیق، اختراع اور ترقی کا عالمی پیغام اور پاکستان

عالمی یومِ دانشورانہ املاک ہر سال 26 اپریل کو منایا جاتا ہے تاکہ عوام میں اس بات کا شعور اجاگر کیا جاسکے کہ پیٹنٹس، کاپی رائٹس، ٹریڈمارکس اور ڈیزائنز ہماری روزمرہ زندگی، تخلیقی صلاحیتوں اور سائنسی و تکنیکی ترقی میں کس قدر اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس دن کا آغاز سن 2000 میں عالمی ادارہ برائے دانشورانہ املاک (WIPO) نے کیا، اور اس تاریخ کا انتخاب اس لئے کیا گیا کہ اسی دن 1970 میں WIPO کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس دن کا بنیادی مقصد نہ صرف تخلیق کاروں اور موجدوں کی حوصلہ افزائی کرنا ہے بلکہ ان کے حقوق کے تحفظ کے ذریعے معاشی اور سماجی ترقی کو فروغ دینا بھی ہے۔

یہ دن اس حقیقت کو بھی اجاگر کرتا ہے کہ دانشورانہ املاک کے حقوق کسی بھی ملک میں جدت، سرمایہ کاری اور علمی معیشت کی بنیاد ہوتے ہیں۔ جدید دور میں ٹیکنالوجی، ڈیجیٹل میڈیا اور تخلیقی صنعتوں کی ترقی کے ساتھ ان حقوق کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔ اسی تناظر میں دنیا بھر میں جامعات، تحقیقی ادارے اور صنعتی شعبے اس دن کے موقع پر تقریبات اور آگاہی مہمات کا انعقاد کرتے ہیں تاکہ نئی نسل کو اختراع اور تحقیق کی طرف راغب کیا جاسکے۔

پاکستان کے حوالے سے دیکھا جائے تو حالیہ برسوں میں دانشورانہ املاک کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے اہم پیش رفت ہوئی ہے۔ حکومتِ پاکستان نے WIPO کے تعاون سے نیشنل آئی پی اسٹریٹجی (National IP Strategy) پر کام شروع کیا ہے، جس کا مقصد ملک میں اختراع، سرمایہ کاری اور کاروباری ترقی کو فروغ دینا ہے۔ مزید برآں، IPO-Pakistan کی جانب سے خلاف ورزیوں کے سدباب کے لیے جدید نظام متعارف کروایا گیا اور سینکڑوں شکایات پر کارروائی کی گئی، جو اس شعبے میں بہتری کی جانب اہم قدم ہے

۔اس دن کا پیغام یہ ہے کہ اگر تخلیق کاروں کے حقوق کا تحفظ یقینی بنایا جائے تو پاکستان نہ صرف علمی و تخلیقی میدان میں ترقی کر سکتا ہے بلکہ عالمی معیشت میں بھی مؤثر کردار ادا کر سکتا ہے



WHO SLOGAN FOR 25 APRIL-26 "UNITED AGAINST MALARIA"

ملیریا کے خلاف دنیا متحد ہو جائے

عالمی یومِ ملیریا ہر سال 25 اپریل کو منایا جاتا ہے، جس کا مقصد دنیا بھر میں ملیریا کے خلاف جاری جدوجہد کو اجاگر کرنا اور اس کے خاتمے کے لیے مؤثر اقدامات کی ضرورت کو اجاگر کرنا ہے۔ اس دن کا باقاعدہ آغاز 2008 میں World Health Organization کے تحت کیا گیا، جبکہ اس کی بنیاد افریقہ ملیریا ڈے اور 2000 کے ابوجا اعلامیہ سے جڑی ہے، جس میں افریقی ممالک نے اس بیماری سے اموات کم کرنے کا عزم کیا تھا۔ یہ دن عالمی سطح پر شعور بیدار کرنے، وسائل کو متحرک کرنے اور حکومتوں و اداروں کو عملی اقدامات کی طرف راغب کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

ملیریا ایک مہلک مگر قابلِ انسداد اور قابلِ علاج بیماری ہے، جو پلازموڈیم طفیلیے کے باعث پیدا ہوتی ہے اور مادہ اینوفیلز مچھر کے ذریعے انسانوں میں منتقل ہوتی ہے۔ اس کے باوجود ہر سال لاکھوں افراد، خصوصاً بچے، اس بیماری کا شکار ہو کر جان کی بازی ہار جاتے ہیں۔ اس کے سدباب کے لیے جراثیم کش مچھر دانیاں، بروقت تشخیص، مؤثر ادویات اور جدید ویکسینز کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔ عالمی یومِ ملیریا کا پیغام یہی ہے کہ مسلسل سرمایہ کاری، سائنسی تحقیق اور احتیاطی تدابیر کے ذریعے اس بیماری کو مکمل طور پر ختم کیا جا سکتا ہے۔

عالمی اعداد و شمار کے مطابق 2024 میں تقریباً 282 ملین افراد ملیریا سے متاثر ہوئے اور چھ لاکھ سے زائد اموات ہوئیں، جن میں اکثریت سب صحارا افریقہ سے تعلق رکھتی ہے

۔ پاکستان بھی ان ممالک میں شامل ہے جہاں ملیریا ایک سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے۔ بالخصوص 2022 کے سیلاب کے بعد اس بیماری میں نمایاں اضافہ دیکھنے میں آیا، اور اگرچہ حالیہ برسوں میں کچھ بہتری آئی ہے، تاہم یہ اب بھی صحتِ عامہ کے لیے بڑا چیلنج ہے۔

عوام کی خاصی تعداد ملیریا اور ڈینگی بخار کو ایک ہی سمجھتے ہیں کیونکہ دونوں مچھروں کے کاٹنے سے ہی پیدا ہوتی ہیں حالانکہ ڈینگی اور ملیریا ایک ہی بیماری نہیں بلکہ دو مختلف امراض ہیں۔ ملیریا ایک پیراسائٹ (Plasmodium) کے باعث ہوتا ہے اور

Anopheles مچھر سے پھیلتا ہے، جبکہ ڈینگی ایک وائرس کی وجہ سے ہوتا ہے جو Aedes aegypti مچھر کے ذریعے منتقل ہوتا ہے۔ دونوں کی علامات میں بھی فرق ہے؛ ملیریا میں کپکپی کے ساتھ بخار نمایاں ہوتا ہے جبکہ ڈینگی میں تیز بخار، جسم درد اور پلیٹ لیٹس کی کمی دیکھنے میں آتی ہے۔

پنجاب (پاکستان) میں حکومت نے ان بیماریوں کے کنٹرول کے لیے مؤثر اقدامات کیے ہیں، جن میں مچھر کی افزائش کے خاتمے، سپرے، نگرانی، عوامی آگاہی اور ہسپتالوں میں بہتر علاج کی سہولیات شامل ہیں۔ ان کوششوں کے نتیجے میں ملیریا کی شرح میں نمایاں کمی آئی ہے جبکہ ڈینگی کے کیسز میں بھی کئی علاقوں میں واضح کمی دیکھی گئی ہے، اگرچہ مکمل خاتمے کے لیے عوامی تعاون اور احتیاطی تدابیر ابھی بھی نہایت ضروری ہیں۔ پنجاب میں ڈینگی کے خلاف مہم سارا سال جاری رہتی ہے اور یہ حکومت کی ترجیحات میں شامل ہے۔ تمام تعلیمی ادارے ڈینگی ایکٹیوٹی روزانہ کی بنیاد پر کرنے کے پابند ہیں۔ اس سے بھی عوامی آگاہی میں بہت مدد ملتی ہے۔

ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن نے اس سال یہ دن منانے کے لئے ایک تھیم بھی دیا ہے کہ

. " UNITED AGAINST MALARIA "

جو اس امر کی عکاسی کرتا ہے کہ ملیریا کے خاتمے کے لیے عالمی سطح پر مشترکہ اور مربوط اقدامات ناگزیر ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ کمیونٹی کی سطح پر آگاہی بڑھائی جائے، صحت کی سہولیات تک مساوی رسائی کو یقینی بنایا جائے اور موسمیاتی تبدیلی جیسے چیلنجز کا مقابلہ کیا جائے۔ اگر عالمی برادری سنجیدگی اور تسلسل کے ساتھ اقدامات جاری رکھے تو 2030 تک ملیریا کے خاتمے کا ہدف حاصل کرنا ممکن ہو سکتا ہے



24اپریل۔ کثیر الجہتی سفارتکاری برائے امن اور خواتین بالخصوص بچیوں کی انفارمین و کمیونیکیشن ٹیکنالوجی میں شمولیت کا دن اور پاکستان میں اس حوالے سے کئے گئے اقدامات کا جائزہ

24اپریل اس لحاظ سے دنیا بھر میں اہمیت کا حامل ہے کہ اس دن دنیا بھر میں کئی اہم عالمی دن منائے جاتے ہیں جو امن، سائنسی ترقی، انسانی حقوق اور صحتِ عامہ کے فروغ سے متعلق ہیں۔ ان میں نمایاں طور پر بین الاقوامی یومِ کثیر الجہتی اور سفارتکاری برائے امن، انٹرنیشنل گرلز اِن آئی سی ٹی ڈے، یہ دن عالمی برادری کو باہمی تعاون، جدید ٹیکنالوجی میں شمولیت، کے اجتماعی اقدامات کی یاد دہانی کراتے ہیں۔

بین الاقوامی یومِ کثیر الجہتی اور سفارتکاری برائے امن اقوامِ متحدہ کے تحت منایا جاتا ہے جس کا مقصد یہ اجاگر کرنا ہے کہ عالمی تنازعات کو طاقت کے بجائے مکالمے، سفارتکاری اور مشترکہ حکمتِ عملی سے حل کیا جائے۔ موجودہ دور میں، جب دنیا کو سیاسی کشیدگی، ماحولیاتی مسائل اور معاشی چیلنجز کا سامنا ہے، یہ دن باہمی احترام اور تعاون کی اہمیت کو مزید واضح کرتا ہے

۔ مگر دیکھا گیا ہے کہ اس دن کے منانے جانے کے حوالے سے جو امیدیں دنیا نے اس سے وابستہ کرلی تھیں۔ وہ اب دم توڑ چکی ہیں۔ سفارت کاری اور باہمی مفاہمت اب دور دور تک نہیں۔ ملتی۔ جو طاقت ور ہے وہ اقوام متحدہ کے تمام ضابطے پائون تلے روندرہا ہے۔ امریکہ جو UNO کا سرپرست اعلی سمجھا جاتا تھا۔ اب اسرائیل کے عشق میں تمام دنیا خصوصا" اسلامی ممالک اور چھوٹے ممالک پر جبری جنگ مسلط کر کے ایک نیا جابرانہ نظام بنا چکا ہے۔ تو صرف دن کے منانے سے تو دنیا نہیں بہل سکتی؟؟؟ مقتدرہ عالمی قوتوں کو اس پر توجہ دینا ہو گی اور بپھرے ہوئے سانڈوں (امریکہ و اسرائیل) کو لگام دینا ہو گی تا کہ دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔

انٹرنیشنل گرلز اِن آئی سی ٹی ڈے کا مقصد لڑکیوں اور نوجوان خواتین کو انفارمیشن اینڈ کمیونیکیشن ٹیکنالوجی (ICT) کے شعبے میں تعلیم اور کیریئر اپنانے کی ترغیب دینا ہے۔ ڈیجیٹل دور میں خواتین کی شمولیت نہ صرف صنفی مساوات کو فروغ دیتی ہے بلکہ معاشی ترقی اور جدت کے نئے مواقع بھی پیدا کرتی ہے

خاص طور پر ترقی پذیر ممالک جیسے پاکستان میں ٹیکنالوجی (ICT) کے میدان میں خواتین کی شرکت اور پیشرفت میں حالیہ برسوں (خاص طور پر 2024-2025) میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ حکومت، نجی شعبے اور بین الاقوامی اداروں کی مشترکہ کوششوں سے صنفی فرق (Gender Gap) کو کم کرنے میں تاریخی کامیابی حاصل کی گئی ہے۔

پاکستان میں خواتین کی آئی ٹی (IT) کے میدان میں اہم پیشرفت بہت اہمیت کی حامل ہے مثلاً ڈیجیٹل شمولیت میں تاریخی اضافہ (2024-2025 (مین دیکھنے کو ملا اور 8 ملین نئی خواتین نے موبائل انٹرنیٹ کا استعمال شروع کیا، جس سے صنفی فرق 38 فیصد سے کم ہو کر 25 فیصد رہ گیا

۔جی ایس ایم اے (GSMA) کی رپورٹ کے مطابق، 2024 میں پاکستان نے خواتین کے موبائل انٹرنیٹ استعمال میں اضافے کے حوالے سے دنیا بھر میں سب سے زیادہ پیشرفت کی ہے۔ یہ اضافہ خاص طور پر دیہی علاقوں کی خواتین کی وجہ سے ہوا ہے کیونکہ پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی (PTA) نے خواتین کو ٹیکنالوجی میں شامل کرنے کے لیے پہلی بار یہ اسٹریٹیجی متعارف کرائی ہے۔ اس کے علاوہ حکومت نے مظفر آباد (آزاد کشمیر) میں خواتین کا پہلا سوفٹ ویئر ٹیکنالوجی پارک قائم کیا ہے، جس کا مقصد خواتین کو ڈیجیٹل معیشت میں براہ راست حصہ دار بنانا ہے۔ حکومت نے خواتین کو ٹیکنالوجی میں بااختیار بنانے کے لیے 6 ماہ کے معاوضہ دار (Paid) انٹرن شپ پروگرام شروع کیے گئے ہیں جن میں ماہانہ وظیفہ (مثلاً 30,000 روپے) دیا جاتا ہے۔ پاکستان سافٹ ویئر ہاؤسز ایسوسی ایشن (P@SHA) کے مطابق، آئی ٹی انڈسٹری میں خواتین کی شرکت 12 فیصد سے بڑھ کر 22 فیصد سے زائد ہو گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ

پاکستان میں خواتین فری لانسرز (اپ ورک، فائور وغیرہ پر) کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے، جو انہیں گھر بیٹھے باعزت روزگار فراہم کر رہا ہے۔ اور . آئی ٹی کے شعبے میں تربیتی پروگرام (Capacity Building) کو ڈگرلز (CodeGirls) اور اور "Crypto Chicks" جیسے پروگراموں کے ذریعے سینکڑوں خواتین کو کوڈنگ اور بلاک چین جیسی جدید مہارتیں سکھائی گئی ہیں۔ ای کامرس اور ڈیجیٹل مارکیٹنگ کے تحت خواتین کو ای کامرس پلیٹ فارمز پر اپنی مصنوعات بیچنے اور ڈیجیٹل مارکیٹنگ کے لیے تربیت دی جا رہی ہے۔ ان تمام تر ترقی کے باوجود، کچھ چیلنجز اب بھی موجود ہیں جن میں سماجی رکاوٹیں، انٹرنیٹ تک یکساں رسائی (خاص طور پر دیہاتوں میں)، اور سیکیورٹی کے خدشات شامل ہیں۔

مجموعی طور پر، پاکستان میں خواتین اب صرف ٹیکنالوجی کی صارف نہیں بلکہ اس کی خالق بن رہی ہیں اور آئی ٹی کے شعبے میں ان کا کردار تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ جو اس دن کی مناسبت سے ایک اہم پہلو ہے



WORLD BOOKS & COPY RIGHT DAY

کتابوں سے عشق کرنے والوں کے لئے 23اپریل ایسادن ہے جسے UNESCO نے 1995میں باقاعدہ (WORLD BOOKS AND COPY RIGHT)کے دن کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا

23اپریل کو اس دن کے منانے کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ 23اپریل1616 کو عظیم انگریز ڈرامہ نگار William Shakespeare کا انتقال ہوا۔ اسی تاریخ کو ہسپانوی ادیب Miguel de Cervantes بھی دنیا سے رخصت ہوئے، جس کی وجہ سے اس دن کو عالمی ادب کے حوالے سے بھی ایک علامتی حیثیت حاصل ہو چکی ہے

اس دن کو منانے کا بنیادی مقصد کتابوں کے مطالعے کو فروغ دینا، مصنفین کی حوصلہ افزائی کرنا اور کاپی رائٹ قوانین کے ذریعے تخلیقی حقوق کا تحفظ یقینی بنانا ہے۔ یہ دن اس بات کا پیغام دیتا ہے کہ علم، تحقیق اور فکری ترقی کے لیے کتابیں ناگزیر ہیں، اور معاشروں کی ترقی میں مطالعہ کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ جدید دور میں جہاں ڈیجیٹل میڈیا کا رجحان بڑھ رہا ہے، وہاں یہ دن کتاب اور مصنف کے رشتے کو مزید مضبوط بنانے کی یاد دہانی بھی ہے۔

جہاں تک کامیابیوں کا تعلق ہے، اس دن کے ذریعے دنیا بھر میں کتب میلوں، ادبی تقریبات، لائبریریوں کے فروغ اور مطالعہ کلچر کو تقویت ملی ہے۔ بہت سے ممالک میں بچوں اور نوجوانوں میں کتاب دوستی بڑھانے کے لیے خصوصی پروگرامز شروع کیے گئے، اور پبلشنگ انڈسٹری میں بھی کاپی رائٹ کے شعور میں اضافہ ہوا ہے

پاکستان کے تناظر میں بھی اس دن کی اہمیت تسلیم کی جا رہی ہے۔ National Book Foundation Pakistan، Pakistan Academy of Letters اور مختلف تعلیمی ادارے اس دن کے موقع پر کتاب میلے، ادبی نشستیں اور آگاہی مہمات منعقد کرتے ہیں۔ لاہور، اسلام آباد اور کراچی میں سالانہ بک فیسٹیولز اور لائبریری اقدامات مطالعے کے رجحان کو بڑھانے کی کوششوں کا حصہ ہیں۔ اگرچہ پاکستان میں ابھی بھی مطالعے کا کلچر مزید فروغ کا متقاضی ہے، تاہم اس دن کی بدولت کتاب اور علم کی اہمیت کو اجاگر کرنے میں بتدریج پیش رفت ہو رہی ہے۔

مجموعی طور پر یہ دن ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ کتابیں نہ صرف علم کا ذریعہ ہیں بلکہ تہذیب، شعور اور فکری آزادی کی بنیاد بھی ہیں، اور ان کا تحفظ اور فروغ ہر معاشرے کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ تاکہ یہ خود ساختہ تاثر ختم ہو جائے کہ یہ صدی کتابوں سے عشق کی آخری صدی ہ



22 APRIL - EARTH DAY - A GLOBAL CAMPAIGN FOR AWARENES & ROLE OF PAKISTAN ???

ارتھ ڈے — (Earth Day) شعورِ ماحولیات کی عالمی تحریک اور پاکستان کا کردار

22 اپریل کو دنیا بھر میں ارتھ ڈے منایا جاتا ہے، جو انسانی تاریخ میں ماحولیات کے تحفظ کے حوالے سے ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دن کی ابتدا 1970ء میں امریکہ سے ہوئی، جب امریکی سینیٹر گیلرڈ نیلسن نے صنعتی آلودگی اور ماحولیاتی بگاڑ کے خلاف عوامی شعور بیدار کرنے کے لیے اس دن کا آغاز کیا۔ پہلی مرتبہ تقریباً دو کروڑ امریکی شہریوں نے اس میں حصہ لیا، جو اس بات کا مظہر تھا کہ ماحولیات کا مسئلہ صرف سائنسی حلقوں تک محدود نہیں بلکہ عوامی زندگی سے جڑا ایک بنیادی مسئلہ بن چکا ہے۔

ارتھ ڈے کے بنیادی مقاصد میں ماحولیاتی آلودگی کا خاتمہ، قدرتی وسائل کا تحفظ، جنگلات اور حیاتیاتی تنوع کی بقا، اور موسمیاتی تبدیلی کے خطرات کے بارے میں آگاہی شامل تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ دن ایک عالمی تحریک کی شکل اختیار کر گیا، جس میں اب 190 سے زائد ممالک کے اربوں افراد شریک ہوتے ہیں۔ اس دن کے ذریعے حکومتوں، اداروں اور عام شہریوں کو یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ زمین محض ایک سیارہ نہیں بلکہ ہماری بقا کا واحد سہارا ہے، جس کی حفاظت ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔

اگر ارتھ ڈے کی کامیابی کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا درست ہو گا کہ اس نے ماحولیاتی شعور کو عالمی سطح پر نمایاں طور پر فروغ دیا ہے۔ متعدد ممالک میں ماحولیاتی قوانین کا نفاذ، ماحولیاتی تحفظ ایجنسی جیسے اداروں کا قیام، اور عالمی معاہدات کی تشکیل اسی شعور کا نتیجہ ہیں۔ تاہم، اس کے باوجود ماحولیاتی مسائل — جیسے گلوبل وارمنگ، جنگلات کی کٹائی، اور آلودگی — اب بھی سنگین چیلنج بنے ہوئے ہیں، جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ابھی بہت سا سفر طے کرنا باقی ہے۔

پاکستان میں ماحولیاتی تحفظ کے لیے مختلف اقدامات قومی سطح پر بھرپور انداز میں جاری ہیں، جن میں شجرکاری مہمات، صفائی مہمیں اور عالمی سرگرمیوں میں شرکت نمایاں ہیں۔ مثال کے طور پر حکومتِ پاکستان کا Green Pakistan Program ملک بھر میں درخت لگانے اور ماحولیاتی نظام کی بحالی کے لیے ایک اہم قدم ہے، جبکہ اسلام آباد اور کراچی جیسے بڑے شہروں میں صفائی مہمات کے ذریعے آلودگی کے خاتمے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسی طرح عالمی سطح کی مہم Earth Hour کے دوران غیر ضروری بجلی بند کر کے توانائی کے تحفظ اور ماحولیاتی شعور کو اجاگر کیا جاتا ہے، جس میں WWF-Pakistan بھی فعال کردار ادا کرتا ہے۔ ان اقدامات کا بنیادی مقصد ماحولیاتی توازن کو بحال کرنا، پلاسٹک آلودگی کو کم کرنا اور عوام میں ذمہ دارانہ رویوں کو فروغ دینا ہے۔

مزید برآں، مختلف سماجی و فلاحی ادارے جیسے Alkhidmat Foundation اور Ismaili CIVIC Pakistan عوامی مقامات کی صفائی اور آگاہی مہمات کے ذریعے ماحول دوست سرگرمیوں کو فروغ دے رہے ہیں۔ حکومت اور بین الاقوامی ادارے جیسے Ministry of Climate Change اور United Nations Development Programme برقی گاڑیوں (EVs) کے فروغ، پائیدار زراعت، اور ماحولیاتی تعلیم کے منصوبوں پر کام کر رہے ہیں۔ تعلیمی سیمینارز اور ورکشاپس کے ذریعے نوجوان نسل کو قدرتی وسائل کے تحفظ کی اہمیت سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ یہ تمام اقدامات اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ پاکستان عالمی سطح پر موسمیاتی تبدیلی کے خلاف جدوجہد میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے ایک صاف، سرسبز اور پائیدار مستقبل کی جانب گامزن ہے۔

ارتھ ڈے دراصل انسانیت کے لیے ایک پیغام ہے—ایک یاد دہانی کہ ہم زمین کے مالک نہیں بلکہ اس کے محافظ ہیں۔ یہ دن ہمیں اپنے طرزِ زندگی پر نظرِ ثانی کرنے، فضول خرچی سے بچنے، درخت لگانے، اور قدرت کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر جینے کی ترغیب دیتا ہے۔ اگر ہم نے آج ذمہ داری کا مظاہرہ نہ کیا تو آنے والی نسلیں ہمیں معاف نہیں کریں گی۔ لہٰذا ارتھ ڈے صرف ایک دن نہیں، بلکہ ایک عہد ہے—اپنے سیارے کی بقا کے لیے مسلسل جدوجہد کا عہد



21 اپریل۔۔ تاریخ کے تین اہم سیاسی فکری اور ثقافتی حوالہ جات کا دن

--

21 اپریل تاریخ کے اوراق میں ایک ایسے دن کے طور پر درج ہے جو سیاسی، فکری اور ثقافتی حوالوں سے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ برصغیر کی تاریخ میں پہلی جنگِ پانی پت اسی روز 1526ء میں لڑی گئی، جہاں ظہیر الدین بابر نے ابراہیم لودھی کو شکست دے کر ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس معرکے کی خاص بات بابر کی جدید جنگی حکمتِ عملی اور توپخانے کا مؤثر استعمال تھا، جس نے روایتی ہندوستانی افواج کو حیران کر دیا اور یوں مغلیہ سلطنت کے قیام کی راہ ہموار ہوئی۔

اسی دن برصغیر ایک عظیم مفکر، شاعر اور فلسفی علامہ محمد اقبال کی برسی بھی مناتا ہے، جن کا انتقال 21 اپریل 1938ء کو ہوا۔ اقبال نے اپنی شاعری اور فکر کے ذریعے مسلمانوں میں خودی، بیداری اور حریتِ فکر کا جذبہ پیدا کیا۔ ان کا تصورِ پاکستان بعد ازاں برصغیر کی سیاسی تاریخ میں سنگِ میل ثابت ہوا، اور وہ آج بھی فکری رہنمائی کا ایک روشن مینار سمجھے جاتے ہیں۔

ثقافتی اعتبار سے بھی 21 اپریل اپنی ایک منفرد پہچان رکھتا ہے، کیونکہ برطانیہ میں اسے نیشنل ٹی ڈے کے طور پر منایا جاتا ہے۔ چائے، جو برطانوی تہذیب کا ایک لازمی جزو بن چکی ہے، اس دن خصوصی طور پر سراہا جاتا ہے۔ مختلف تقاریب اور سرگرمیوں کے ذریعے چائے کی تاریخی، سماجی اور معاشرتی اہمیت کو اجاگر کیا جاتا ہے۔، قومی چائے کا دن محض ایک مشروب کا جشن نہیں ہے بلکہ اس کی تاریخی جڑوں، ثقافتی دولت اور صحت کی اہمیت کا اعتراف ہے۔ چائے ایک مشروب سے کہیں زیادہ اہم ہے-یہ تعلق، بہبود اور ثقافتی ہم آہنگی کی ایک لازوال علامت ہے

یوں 21 اپریل ایک ایسا دن ہے جو میدانِ جنگ کی تاریخ، فکری بیداری اور ثقافتی روایت—تینوں کو یکجا کرتا ہے۔ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ قوموں کی تقدیر صرف تلوار سے نہیں، بلکہ فکر و شعور اور تہذیبی اقدار سے بھی تشکیل پاتی ہے۔



CDA ANTI-ENCROACHMENT OPERATION IN MUSLIM COLONY BARI AMAM.???

اسلام سلام آباد کے مضافاتی علاقے بری امام (نور پور شاہاں) میں حالیہ دنوں Capital Development Authority (سی ڈی اے) کی جانب سے کیے گئے انسدادِ تجاوزات آپریشن نے ایک بڑے سماجی، قانونی اور انسانی مسئلے کو جنم دیا ہے۔ یہ آبادی دراصل کئی دہائیوں کے دوران غیر منصوبہ بند انداز میں آباد ہوئی جہاں مقامی لوگوں کے مطابق وہ 20 سے 30 سال بلکہ بعض صورتوں میں اس سے بھی زیادہ عرصے سے رہائش پذیر تھے. ان میں اکثریت 2005 کے زلزلے کے بعد یہاں آباد ہوئی۔ ان میں زیادہ تعداد مزدور پیشہ اور دیہاڑی دار طبقے کی ہے۔ کچھ اس میں نئے افراد بھی تھے جنہوں نے قابض لوگوں کو اپنا قبضہ ملبے کی شکل میں فروخت کر دیا تھا۔ غیر قانونی آبادیوں میں رجسٹری کی بجائے بیان حلفی پر قبضہ ہی منتقل ہوتا ہے۔ تاہم حکومت ان کچی اور ناجائز آبادیوں کو کچی آبادی قرار دے کر ریگولر کر دیتی رہی ہے۔ جیسا کہ پنجاب میں متعدد بار ہوا۔ شور کوٹ کینٹ کی ساری آبادی اس طرح وجود میں آئی اور بعد ازاں مشرف دور مین اسے باقاعدہ کچی آبادی کا سٹیٹس دے کر ریگولر کر دیا گیا) میں ان دنوں اسسٹنٹ کمشنر شور کوٹ تعینات تھا۔ اس سے قبل سروے بھی مکمل یوا اور یہ ابادی قائم دائم ہے) حکومت پنجاب میں تو باقاعدہ ڈائرکٹر جنرل کچی آبادی کا ایک مکمل محکمہ موجود ہے اور عوام کو اس امید پر کہ کل کو یہ ریگولر یو جائیں گے سرکاری اراضی پر پٹواری مافیا کی اشیر باد سے قبضہ کرنے کی مسلسل راہ بھی ہموار کرتا ہے۔۔۔

۔اگر قانون پر عمل کرنا ہے تو nip the evil in the bud پر عمل کرنا پڑے گا ورنہ یہ تو ہو گا ہی۔۔یہ کچی آبادی کیوں بنتی ہے اور پھر کیوں ریگولر ہوتی ہے۔۔۔یہ تو ہر بندے کو تحریص دینے والی بات ہوئی نا

یہ مسلم کالونی کیپیٹل ڈیویلپمنٹ اتھارٹی کے تحت آتی ہے اور ان کا مؤقف بھی یہی ہے کہ یہ تمام تعمیرات سرکاری زمین پر غیر قانونی طور پر قائم تھیں۔حالیہ آپریشن میں درجنوں سے لے کر سینکڑوں مکانات مسمار کیے گئے جبکہ گزشتہ مہینوں میں مجموعی طور پر ہزاروں ڈھانچے ہٹانے کی اطلاعات سامنے آئی ہیں۔اس کارروائی کے دوران شدید عوامی ردِ عمل دیکھنے میں آیا، مظاہرے ہوئے، جھڑپیں ہوئیں، سرکاری املاک کو نقصان پہنچا اور متعدد افراد کے خلاف مقدمات بھی درج کیے گئے، جس سے یہ معاملہ محض تجاوزات کے خاتمے تک محدود نہ رہا بلکہ امن و امان کا مسئلہ بھی بن گیا۔ سی ڈی اے کے مطابق متاثرین کو پہلے نوٹس جاری کیے گئے تھے اور چونکہ زمین غیر قانونی طور پر زیرِ استعمال تھی اس لیے معاوضہ دینا قانونی طور پر لازم نہیں، مگر متاثرہ خاندانوں کا مؤقف ہے کہ انہیں نہ تو مناسب مہلت دی گئی اور نہ ہی کسی قسم کی متبادل رہائش یا مالی مدد فراہم کی گئی، جس کے باعث وہ اچانک بے گھر ہو گئے۔

اس تمام صورتحال کا گہرا تجزیہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ تنازع دراصل ریاستی رٹ اور انسانی ہمدردی کے درمیان توازن کا امتحان ہے؛ ایک طرف دارالحکومت کے ماسٹر پلان اور سرکاری زمین کے تحفظ کا تقاضا ہے تو دوسری طرف دہائیوں سے آباد کمزور طبقات کی بحالی اور بنیادی انسانی حقوق کا سوال بھی equally اہم ہے۔اگرچہ قانون کی عملداری ناگزیر ہے، مگر پائیدار حل اسی صورت ممکن ہے جب ایسے آپریشنز کے ساتھ جامع رہیبلیٹیشن پالیسی، شفاف طریقہ کار اور انسانی وقار کا مکمل خیال رکھا جائے، بصورتِ دیگر ایسے اقدامات نہ صرف سماجی بے چینی کو جنم دیتے رہیں گے بلکہ ریاست اور عوام کے درمیان اعتماد کی خلیج کو بھی مزید گہرا کریں گے۔

جب حکومت کچی آبادیوں کو مستقل کر سکتی تھی اور ماضی مین ایسا ہوا۔تو اس میں کیا اشو تھا۔اور اب بھی اس زمین پر سی ڈی اے کے مطابق درخت لگائے جائیں گے اور شہر کی خوبصورتی میں اضافہ ہو گا۔اگر اس جگہ کو خالی کرانا ضروری تھا تو ان کے لئے متبادل انتظامات بھی cda کی ذمہ داری بنتے تھے۔کیا2005 سے جب یہ لوگ یہاں قبضے کرنے تھے ان کو روکنے والا کوئی نہیں تھا اور کیوں نہیں روکا۔۔۔؟؟اور اگر پہلے نہیں روکا تو اب یہ درختوں والا خناس کیوں ذہن میں آ گیا۔

۔اگر یہ لوگ ناجائز قابض تھے اور ہیں تو اقساط پر ان سے کچھ پیسے لے لیتے۔اور اس کو ریگولر کر دیتے۔درخت ضروری ہیں مگر کس قیمت پر؟؟؟؟۔لوگوں کو بے گھر کر کے اور ان کے مکان مسمار کر کے۔؟؟؟؟صدقے تمہاری سوچ کے۔۔بڑا ہی واہیات خیال ہے ۔درخت انسان سے بڑا ہو گیا۔۔۔لوگوں کو بے گھر کرو اور پارک بنائو۔۔۔انسان جب وہاں یوں گے نہیں تو یہ پارک یہ درخت کیا جنات کے لئے لگائے جا رہے ہیں یا ایک مخصوص۔طبقے کی تفریح کے لئے؟؟؟

۔۔۔ن لیگ کی حکومت اس پر غور کرے۔اور اس ہر سیاست نہ ہونے دے۔یہ اس کی نیک نامی کو متاثر کر رہی ہے۔اب تو چونکہ ملبے کا ڈھیر بچا ہے۔ان افراد کی اشک شوئی کر کے انسانی ہمدردی کی بنا پر انہیں معاوضہ دے اگر رہائش دینا ممکن نہی



لوگوں کی سطحی تنقید کو نظر انداز کریں

تنقید انسانی ترقی کا ایک اہم ذریعہ ہے، مگر ہر تنقید یکساں وزن نہیں رکھتی۔ در حقیقت، تنقید کا حق صرف انہی لوگوں کو زیب دیتا ہے جو آپ کے سفر کے گواہ رہے ہوں—وہ جو مشکل وقت میں آپ کے ساتھ کھڑے رہے، آپ کی جدوجہد کو قریب سے دیکھا، اور آپ کی نیت و کردار کو سمجھتے ہیں۔ ایسے افراد کی رائے محض الفاظ نہیں ہوتی بلکہ تجربے، خلوص اور خیر خواہی کا نچوڑ ہوتی ہے۔ ان کی تنقید اصلاح کا در کھولتی ہے کیونکہ وہ آپ کی کمزوریوں کی نشاندہی کسی ذاتی مفاد کے تحت نہیں بلکہ آپ کی بہتری کے لیے کرتے ہیں۔

اس کے برعکس، اجنبی یا مطلبی افراد کی تنقید اکثر سطحی مشاہدے، محدود معلومات یا ذاتی مفادات پر مبنی ہوتی ہے۔ وہ نہ تو آپ کے حالات سے آگاہ ہوتے ہیں اور نہ ہی آپ کے پس منظر یا نیت کو سمجھتے ہیں، اس لیے ان کی رائے میں وہ گہرائی اور دیانت نہیں ہوتی جو تعمیری تنقید کے لیے ضروری ہے۔ ایسی تنقید بسا اوقات حوصلہ شکنی کا سبب بنتی ہے اور انسان کو اپنی اصل راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتی ہے۔

پیشہ ورانہ اور فکری بلوغت کا تقاضا یہی ہے کہ انسان ہر آواز کو یکساں اہمیت نہ دے، بلکہ یہ پہچانے کہ کون سی رائے اصلاح کا ذریعہ ہے اور کون سی محض شور۔ اصل دانشمندی اس میں ہے کہ ہم ان لوگوں کی تنقید کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں جو ہمارے مخلص ساتھی رہے ہیں، کیونکہ انہی کی باتوں میں وہ سچائی اور خیر خواہی پوشیدہ ہوتی ہے جو ہمیں بہتر انسان بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

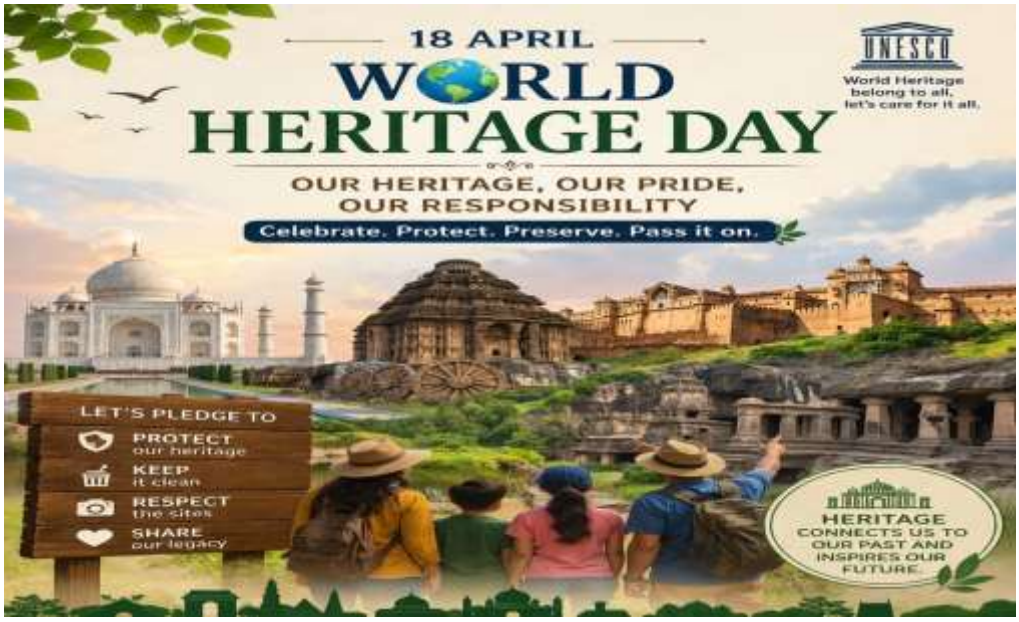

اپنے ثقافتی ورثہ کی حفاظت کریں۔۔۔یہی قوموں کی زندگی اور ان کی پہچان ہے. لاہور میں "لہر " کے تحت 20 منصوبوں پر ایک نظر)

18 اپریل کو دنیا بھر میں ثقافتی ورثہ کا عالمی دن (World Heritage Day) منایا جاتا ہے، جسے باضابطہ طور پر International Council on Monuments and Sites (ICOMOS) نے 1982 میں تجویز کیا، جبکہ 1983 میں UNESCO (یونیسکو) نے اسے عالمی سطح پر تسلیم کیا۔ اس دن کا مقصد دنیا کے ثقافتی ورثے، تاریخی عمارات، آثارِ قدیمہ اور تہذیبی شناخت کو محفوظ بنانے کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے، تاکہ آنے والی نسلیں بھی اپنے ماضی سے جڑی رہیں۔

اس دن کے بنیادی مقاصد میں عوام میں آگاہی پیدا کرنا، تاریخی مقامات کی حفاظت، غیر قانونی کھدائی اور اسمگلنگ کی روک تھام، اور ثقافتی ورثے کو درپیش خطرات (جیسے موسمیاتی تبدیلی، جنگیں اور شہری پھیلاؤ) کے بارے میں شعور بیدار کرنا شامل ہیں۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو یہ دن کافی حد تک کامیاب رہا ہے، کیونکہ اس کے ذریعے دنیا بھر میں سینکڑوں تاریخی مقامات کو ورلڈ ہیریٹیج سائٹس کا درجہ ملا، اور حکومتوں نے ان کے تحفظ کے لیے قوانین اور منصوبے بنائے۔ تاہم، اب بھی کئی ممالک میں فنڈز کی کمی، بدانتظامی اور ماحولیاتی خطرات کے باعث یہ مشن مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکا۔

پاکستان نے بھی اس عالمی تحریک سے خاصی حد تک فائدہ اٹھایا ہے۔ UNESCO کے تعاون سے ملک میں متعدد تاریخی مقامات کو عالمی ورثہ قرار دیا گیا، جیسے کہ موئن جو دڑو، ٹیکسلا، لاہور قلعہ اور شالامار باغ۔ ان کے تحفظ، بحالی اور سیاحت کے فروغ کے لیے مختلف منصوبے مکمل کیے جا چکے ہیں جبکہ کئی جاری ہیں

،اسی طرح پنجاب میں لہر پراجیکٹ Lahore Authority forHeritage Revival کے تحت Lahore کے اندرونِ شہر، Circular Road Lahore اور Mall Road Lahore کے تاریخی ورثے کی بحالی کیلئے شروع کئے گئے 22 منصوبوں میں مجموعی طور پر سست روی اور فنڈز کی کمی نمایاں ہے، جہاں صرف نیلا گنبد اور موچی گیٹ کے منصوبے مکمل فنڈنگ حاصل کر سکے جبکہ باقی 20 منصوبے جزوی فنڈنگ، کم خرچ اور تاخیر کا شکار ہیں۔ انار کلی، تاریخی ٹریل، شالیمار باغ، شاہدرہ کمپلیکس اور دہلی گیٹ تا اکبری گیٹ سپائس مارکیٹ جیسے اہم منصوبوں پر خطیر فنڈز کے باوجود پیش رفت نہایت محدود ہے، جبکہ کئی منصوبے جیسے انڈر گراؤنڈ پارکنگ، سیوریج و انفراسٹرکچر اپگریڈیشن اور تاریخی عمارتوں کی بحالی یا تو رکے ہوئے ہیں یا آغاز ہی نہ ہو سکا۔ دستاویزات کے مطابق بجٹ کا بڑا حصہ زیرِ زمین آرکیڈ اور پارکنگ منصوبوں کو دیا جا رہا ہے، جبکہ حکام کا مؤقف ہے کہ یہ تکنیکی نوعیت کے پیچیدہ منصوبے ہیں جن کی تکمیل میں وقت درکار ہوتا ہے۔ اسی طرح دیگر منصوبے جیسے ڈیجیٹل ڈاکیومنٹیشن، ریسٹوریشن پراجیکٹس اور کمیونٹی انگیجمنٹ پروگرامز بھی اس مین شامل ہین۔ اس کے باوجود بہت سے چیلنجز جیسے شہری دباؤ، آلودگی اور غیر قانونی تعمیرات اب بھی موجود ہیں۔

جہاں تک 2026 کے تھیم کا تعلق ہے، عام طور پر International Council on Monuments and Sites ہر سال ایک مخصوص تھیم جاری کرتا ہے۔ 2026 کے لیے باضابطہ عالمی تھیم ابھی وسیع سطح پر نمایاں نہیں ہوا، تاہم حالیہ برسوں کے رجحان کو دیکھتے ہوئے توجہ "ثقافتی ورثے اور ماحولیاتی پائیداری (Heritage and Climate Action)" جیسے موضوعات پر مرکوز ہے، جو اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ تاریخی ورثے کو موسمیاتی تبدیلی کے اثرات سے کیسے محفوظ رکھا جائے۔

مختصراً، ورلڈ ہیریٹیج ڈے نہ صرف ماضی کی حفاظت کا پیغام دیتا ہے بلکہ مستقبل کی تہذیبی بقا کے لیے ایک عالمی عزم کی علامت بھی ہے۔



17 APRIL- WORLD HAEMOPHILIA DAY-A REMINDER FOR SOCIETY TO SPREAD AWARENESS TO SAVE THE CHILDREN.

17 اپریل کو منایا جانے والا ورلڈ ہیموفیلیا ڈے محض ایک دن نہیں بلکہ اُن لاکھوں بچوں اور خاندانوں کی خاموش پکار ہے جو ایک موروثی بیماری کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہیموفیلیا جیسے مرض میں مبتلا افراد کے لیے معمولی سی چوٹ بھی جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے، مگر بروقت تشخیص، مناسب علاج اور معاشرتی تعاون سے ان کی زندگی کو محفوظ اور باوقار بنایا جا سکتا ہے۔

اگرچہ دنیا بھر میں آگاہی میں نمایاں اضافہ ہوا ہے اور علاج کی سہولیات بہتر ہو رہی ہیں، لیکن آج بھی بے شمار مریض — خصوصاً ترقی پذیر ممالک میں — تشخیص اور علاج سے محروم ہیں۔ یہ دن ہمیں صرف معلومات نہیں دیتا بلکہ ایک ذمہ داری بھی سونپتا ہے کہ ہم بحیثیت معاشرہ آگے بڑھیں، شعور پھیلائیں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ کوئی بھی بچہ صرف لاعلمی یا وسائل کی کمی کی وجہ سے تکلیف میں نہ رہے۔

ہیموفیلیا ایک موروثی خون کی بیماری ہے جس میں جسم میں خون جمنے کی صلاحیت متاثر ہو جاتی ہے، اور معمولی زخم بھی خطرناک صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ عالمی سطح پر World Federation of Hemophilia کے مطابق دنیا بھر میں تقریباً 2 لاکھ 40 ہزار سے زائد مریض رجسٹرڈ ہیں، جبکہ ماہرین کا اندازہ ہے کہ اصل تعداد 8 لاکھ سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے، کیونکہ بہت سے افراد تشخیص سے محروم رہتے ہیں۔ یہ صورتحال اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ہیموفیلیا صرف ایک طبی مسئلہ نہیں بلکہ ایک عالمی آگاہی کا چیلنج بھی ہے۔

پاکستان میں ہیموفیلیا اور دیگر بلیڈنگ ڈس آرڈرز کے مریضوں کی اندازاً تعداد 25 ہزار کے قریب ہے، تاہم افسوسناک امر یہ ہے کہ ان میں سے صرف 2 سے 3 ہزار مریض ہی باقاعدہ طور پر رجسٹرڈ ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک بڑی تعداد یا تو اس بیماری سے لاعلم ہے یا مناسب طبی سہولیات تک رسائی نہیں رکھتی۔ اس صورتحال کی ایک بڑی وجہ تشخیص کے محدود وسائل، آگاہی کی کمی، اور دیہی علاقوں میں صحت کی ناکافی سہولیات ہیں، جبکہ قریبی رشتہ داروں میں شادیوں کا رجحان بھی اس مرض کے پھیلاؤ میں اضافہ کرتا ہے۔

پاکستان میں اگرچہ مکمل طور پر ہیموفیلیا کے لیے مخصوص ہسپتال کم ہیں، تاہم چند اہم ادارے اس مرض کے علاج اور آگاہی میں کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان میں Hemophilia Foundation of Pakistan نمایاں ہے، جو مختلف شہروں میں اپنے مراکز کے ذریعے مریضوں کی رجسٹریشن، رہنمائی اور محدود علاج کی سہولیات فراہم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بڑے طبی مراکز جیسے Aga Khan University Hospital، Jinnah Hospital، اور Pakistan Institute of Medical Sciences میں ہیماٹولوجی کے شعبوں کے تحت اس بیماری کا علاج کیا جاتا ہے، جہاں خون جمنے والے فیکٹرز اور تشخیصی سہولیات دستیاب ہوتی ہیں۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ہیموفیلیا ایک قابلِ توجہ مگر نظر انداز شدہ بیماری ہے، جس کے مؤثر کنٹرول کے لیے آگاہی، بروقت تشخیص، اور سستی و معیاری علاج کی فراہمی نہایت ضروری ہے۔ اگر حکومتی اور نجی سطح پر مربوط اقدامات کیے جائیں تو نہ صرف مریضوں کی زندگی کا معیار بہتر بنایا جا سکتا ہے بلکہ اس بیماری کے اثرات کو بھی کافی حد تک کم کیا جا سکت



16 APRIL ----WORLD VOICE DAY

آواز کے عالمی دن کا ایک ہی پیغام۔ اپنی آواز کا تحفظ کریں۔ یہ آپکی شناخت ہے

ورلڈ وائس ڈے ہر سال 16 اپریل کو دنیا بھر میں اس شعور کے ساتھ منایا جاتا ہے کہ انسانی آواز محض بولنے کا ذریعہ نہیں بلکہ شخصیت، احساسات اور مؤثر ابلاغ کی پہچان ہے۔ یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ جس طرح ہم اپنے جسم کے دیگر اعضا کی حفاظت کرتے ہیں، اسی طرح آواز کی صحت بھی ہماری خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ پیشہ ورانہ زندگی میں—چاہے وہ تدریس ہو، گائیکی، خطابت یا ابلاغ کے دیگر شعبے—آواز ایک طاقتور سرمایہ ہے جو کامیابی کی بنیاد رکھتا ہے۔

اس دن کی ابتدا 1999ء کے قریب برازیل سے ہوئی، جہاں اسے "نیشنل وائس ڈے" کے طور پر منایا گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ ایک عالمی تحریک میں تبدیل ہو گیا جسے مختلف بین الاقوامی طبی اور سائنسی اداروں نے فروغ دیا۔ اس کا بنیادی مقصد عوام میں آواز کی اہمیت کو اجاگر کرنا، اس کی درست دیکھ بھال کے اصول سکھانا اور آواز سے متعلق بیماریوں کی بروقت تشخیص کی اہمیت کو نمایاں کرنا ہے۔ خاص طور پر ان افراد کے لیے جو اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں میں آواز کا زیادہ استعمال کرتے ہیں، یہ دن رہنمائی اور احتیاط کا پیغام لے کر آتا ہے۔

ورلڈ وائس ڈے دراصل ایک بامعنی یاددہانی ہے کہ ہماری آواز ہماری شناخت اور اثر انگیزی کا اہم ذریعہ ہے۔ بلند آواز میں چیخنا، غیر محتاط انداز میں بولنا یا آواز کو آرام نہ دینا اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس کے برعکس مناسب پانی کا استعمال، متوازن طرزِ زندگی اور بروقت طبی مشورہ آواز کو مضبوط اور مؤثر بناتے ہیں۔ یوں یہ دن ہمیں ترغیب دیتا ہے کہ ہم اپنی آواز کی حفاظت کر کے نہ صرف اپنی صحت کو بہتر بنائیں بلکہ اپنے اظہار کو بھی زیادہ پُراثر اور باوقار بنائیں۔ یہی اس دن کا خصوصی پیغام ہے جسے ہر فرد تک پہچانا ہماری سماجی ذمہ داری ہے



15 اپریل—جب "ناقابلِ غرق "ٹائٹینک فطرت کے سامنے ٹھہر نہ سکا۔(ترقی جب عاجزی سے خالی ہو تو کمزوری بن جاتی ہے)

15 اپریل 1912 کی وہ سرد اور تاریک رات تاریخ کے اوراق پر ایک ایسے المیے کی صورت ثبت ہے جس نے انسانی غرور اور فطرت کی بے پناہ طاقت کے درمیان حدِ فاصل کو ہمیشہ کے لیے واضح کر دیا۔ آر ایم ایس ٹائٹینک—جسے جدید انجینئرنگ کا شاہکار اور "ناقابلِ غرق" قرار دیا جاتا تھا—جب 10 اپریل کو ساؤتھمپٹن سے نیویارک کے لیے روانہ ہوا تو اس کے عرش پر اعتماد کی روشنی تھی۔ 882 فٹ طویل، جدید ترین سہولیات سے مزین، اور تین درجوں میں تقسیم یہ جہاز نہ صرف ایک سفری وسیلہ بلکہ انسانی ترقی کا علامتی اعلان تھا۔

مگر قسمت کے افق پر ایک خاموش خطرہ منڈلا رہا تھا—برفانی تودے، جن کی وارننگز کو یا تو نظر انداز کیا گیا یا ان کی سنگینی کو پوری طرح محسوس نہ کیا گیا۔

14 اپریل کی رات، جب بحرِ اوقیانوس غیر معمولی طور پر پر سکون تھا، ٹائٹینک ایک دیو ہیکل آئس برگ سے ٹکرا گیا۔ یہ ٹکراؤ محض چند سیکنڈز کا تھا، مگر اس کے اثرات صدیوں پر محیط ہو گئے۔ جہاز کے نچلے حصے میں شگاف پڑا، اور پانی خاموشی سے اس کے مختلف حصوں میں داخل ہونے لگا۔ "واٹر ٹائٹ کمپارٹمنٹس" کا تصور، جسے ناقابلِ شکست سمجھا گیا تھا، ایک کے بعد ایک ناکام ہونے لگا۔ اسی دوران

جہاز کا بینڈ—والیس ہارٹلی کی قیادت میں—آخری لمحات تک موسیقی بجاتا رہا، گویا موت کے سائے میں بھی حوصلے کی ایک دھن قائم رکھنا چاہتا ہو۔

15 اپریل کی ابتدائی ساعتوں میں، جب سرد پانیوں نے اس عظیم جہاز کو اپنی آغوش میں لے لیا، تو 1,500 سے زائد زندگیاں بھی اس کے ساتھ ڈوب گئیں۔ المیہ صرف تصادم نہیں تھا، بلکہ انسانی کوتاہیوں کا مجموعہ بھی تھا—لائف بوٹس کی ناکافی تعداد (جو مکمل گنجائش کے باوجود بھی پوری طرح استعمال نہ ہو سکیں)، "خواتین اور بچوں کو پہلے" کا اصول، اور طبقاتی تقسیم جس نے نچلے درجے کے مسافروں کے لیے بچ نکلنے کے راستے مزید محدود کر دیے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ قریب ہی موجود جہاز "کیلیفورنین" ریڈیو خاموشی کے باعث مدد کے سگنلز نہ سن سکا، جبکہ "کارپیتھیا" نے کئی گھنٹوں کی مسافت طے کر کے صرف زندہ بچ جانے والوں کو سمیٹا—یہ تاخیر بھی اس سانحے کی شدت کو بڑھا گئی۔

اس دل دہلا دینے والے واقعے نے دنیا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس کے بعد 1914 میں "سیفٹی آف لائف ایٹ سی" (SOLAS) معاہدہ وجود میں آیا، ہر جہاز پر لائف بوٹس کی مناسب تعداد لازمی قرار دی گئی، اور "انٹرنیشنل آئس پیٹرول" قائم کیا گیا تاکہ آئندہ ایسے خطرات کی بروقت نشاندہی ہو سکے۔ آج بھی بحر اوقیانوس کی گہرائیوں میں 12,500 فٹ نیچے ٹائٹینک کا ملبہ خاموشی سے ایک سبق دہرا رہا ہے۔

یہ کہانی محض ایک حادثہ نہیں—یہ ایک استعارہ ہے۔ یہ ہمیں یاد دلاتی ہے کہ ترقی جب عاجزی سے خالی ہو جائے تو وہ خود اپنی کمزوری بن جاتی ہے۔ ٹائٹینک ڈوبا ضرور، مگر اس نے انسانیت کو ایک لازوال پیغام دیا: فطرت کے سامنے کوئی طاقت حتمی نہیں، اور اصل عظمت احتیاط، انکساری اور بصیرت میں پوشیدہ ہے۔

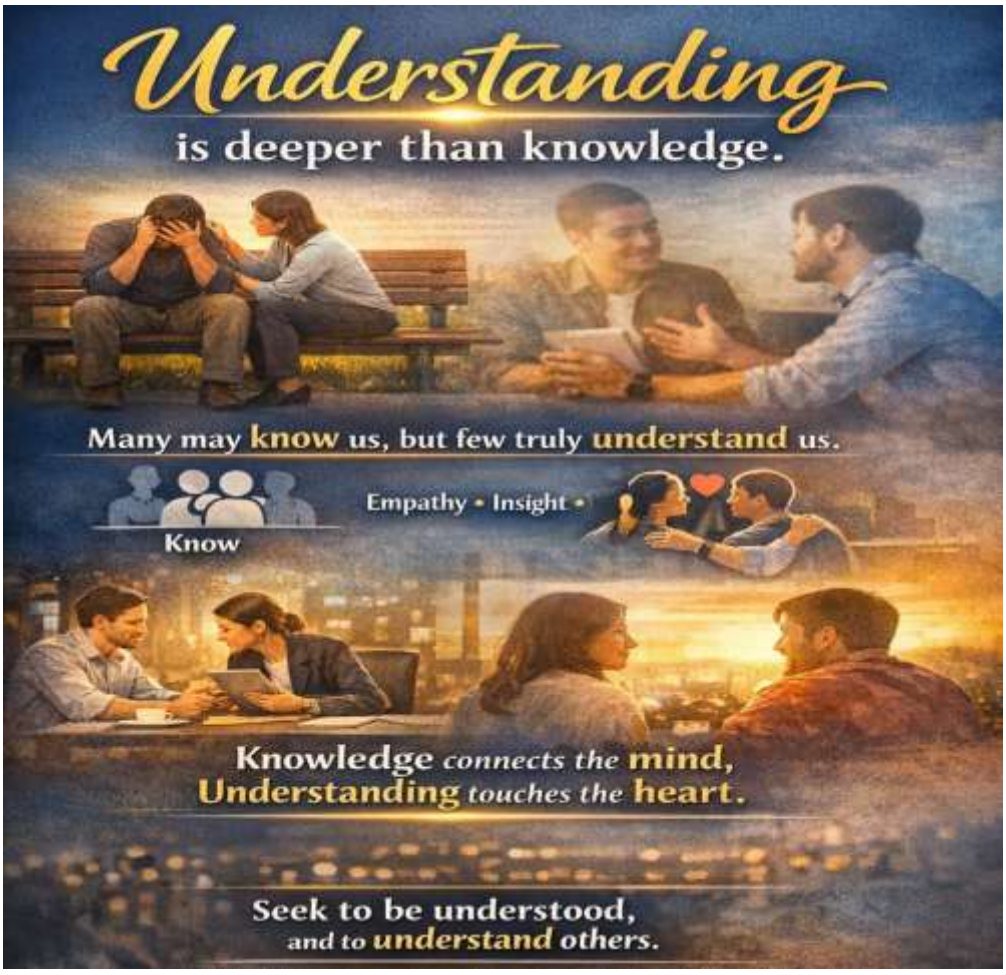

اپنے پیاروں کے بارے میں جاننے کی بجائے انہیں سمجھنے کی کوشش کریں

فہم محض علم سے کہیں زیادہ گہرا اور بامعنی تصور ہے۔ علم ہمیں لوگوں کے بارے میں ظاہری معلومات فراہم کرتا ہے—جیسے ان کی شناخت، کامیابیاں یا عادات—مگر حقیقی فہم اس سے آگے بڑھ کر انسان کے جذبات، ارادوں اور اندرونی کیفیات کو سمجھنے کا نام ہے۔ یہ وہ صلاحیت ہے جو خاموشیوں کے پیچھے چھپے درد، فیصلوں کے پس منظر میں موجود اقدار اور رویّوں کے اصل محرکات کو پہچانتی ہے۔ آج کے معلوماتی اور سطحی روابط کے دور میں، سچی فہم ایک نایاب مگر بے حد قیمتی انسانی خوبی ہے۔

بہت سے لوگ ہمیں جانتے ہیں، لیکن بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو ہمیں حقیقت میں سمجھتے ہیں۔ حقیقی تعلقات معلومات کے تبادلے سے نہیں بلکہ احساس، توجہ اور خلوصِ نیت سے جنم لیتے ہیں۔

فہم صبر، وقت اور گہرائی سے دیکھنے کی صلاحیت کا تقاضا کرتی ہے، اور یہی چیز تعلقات کو رسمی لین دین سے نکال کر اعتماد اور احترام پر مبنی مضبوط رشتوں میں بدل دیتی ہے۔ اس لیے زندگی میں صرف پہچانے جانے کی نہیں، بلکہ سمجھنے اور سمجھے جانے کی کوشش کریں—کیونکہ یہی فہم دلوں کو جوڑتی، زخموں کو بھرتی اور انسان کو حقیقی معنوں میں متاثر کن بناتی ہے

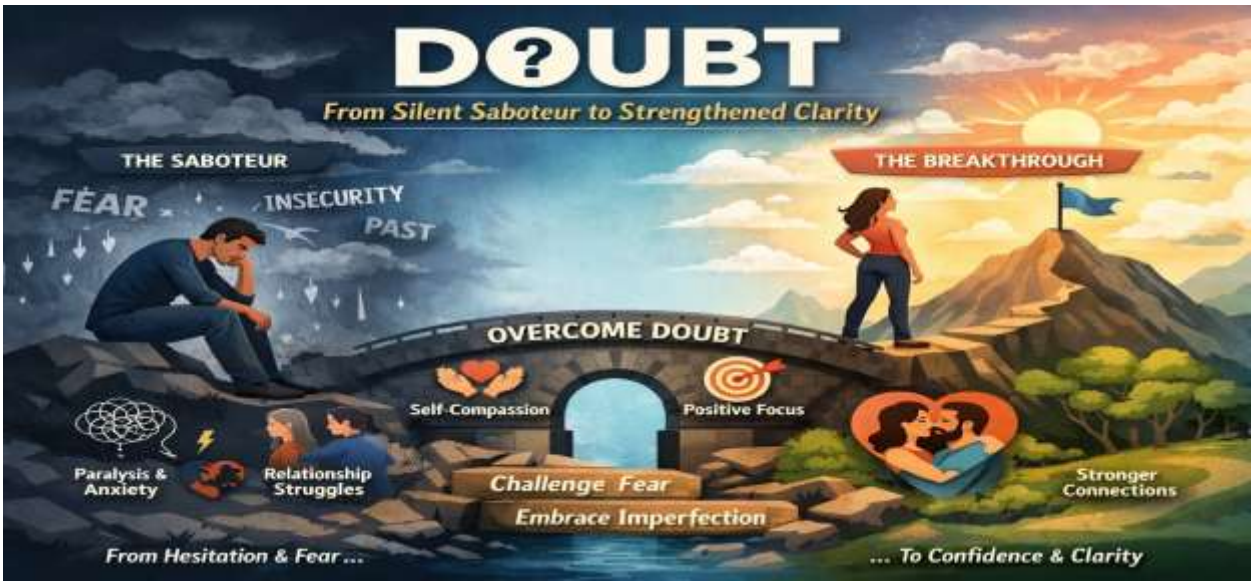

DOUBT---- FROM SILENT T SABOTEUR TO STRENGTHENED CLARITY?

شک خاموش تخریب کاری سے مضبوط شفافیت کی طرف۔۔۔شک کے ناگ کے زہر سے بچیں

شک ایک نہایت باریک مگر طاقتور ذہنی کیفیت ہے جو انسان کو یقین اور انکار کے درمیان ایک غیر واضح کیفیت میں رکھتی ہے۔یہ بظاہر احتیاط اور تنقیدی سوچ کو جنم دیتا ہے، لیکن جب حد سے بڑھ جائے تو خود اعتمادی کو کمزور، فیصلوں کو مؤخر اور ترقی کے راستے کو محدود کر دیتا ہے۔یہ کیفیت اکثر تذبذب، ٹال مٹول اور منفی خود کلامی کی صورت میں ظاہر ہو کر اضطراب اور مواقع کے ضیاع کا سبب بنتی ہے۔اسی طرح تعلقات میں بھی شک عدم تحفظ، ماضی کے تجربات اور ناقص ابلاغ کے باعث جنم لے کر اعتماد کو مجروح اور تعلق کو کمزور کر دیتا ہے۔

تاہم شک کوئی ناقابلِ عبور رکاوٹ نہیں بلکہ اسے مثبت قوت میں بدلا جا سکتا ہے۔اصل کامیابی اس میں ہے کہ انسان غیر یقینی کے باوجود عمل کرے، منفی خیالات کو چیلنج کرے اور خود پر مہربانی اختیار کرے۔حال پر توجہ، مدد کا حصول اور خامیوں کو قبول کرنا اس کیفیت سے نجات کا مؤثر ذریعہ بنتے ہیں۔جب شک کو رہنمائی تک محدود رکھا جائے نہ کہ حاکم بنایا جائے، تو یہی کیفیت انسان میں مضبوطی، بہتر تعلقات اور واضح خود اعتمادی کے ساتھ اپنے مقاصد کے حصول کا حوصلہ پیدا کرتی ہے

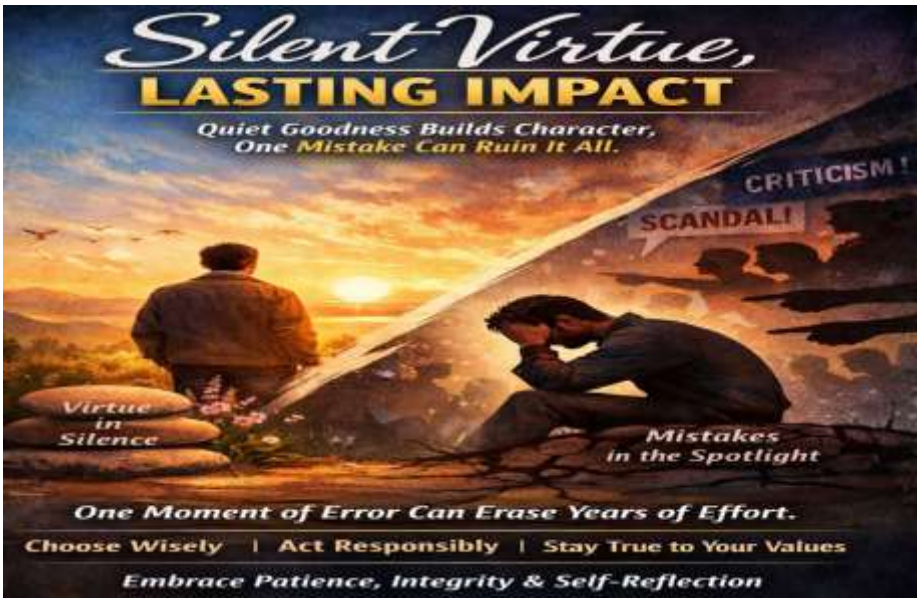

SILENT VIRTUE, LASTING IMPACT

نیکی خاموشی سے پروان چڑھتی ہے اور معمولی غلطی پہاڑ بن کر سامنے اسکتی ہے

دنیا کا مزاج اکثر ایسا ہے کہ نیکی خاموشی میں پروان چڑھتی ہے اور بغیر کسی صلے یا اعتراف کے آگے بڑھ جاتی ہے، جبکہ ایک معمولی سی لغزش بھی نمایاں ہو کر نہ صرف تنقید بلکہ بدنامی کا سبب بن سکتی ہے۔ لوگ اکثر خوبیوں کو معمول سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں، مگر خامیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے میں دیر نہیں لگاتے۔ یہی انسانی رویہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ کردار کی اصل مضبوطی اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب انسان بغیر کسی تعریف کی توقع کے بھی اچھائی پر قائم رہے۔

لہٰذا دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہر عمل سے پہلے اس کے نتائج پر سنجیدگی سے غور کرے، خصوصاً برائی کے معاملے میں، کیونکہ اس کے اثرات وقتی نہیں بلکہ دیرپا اور وسیع ہو سکتے ہیں۔ ایک لمحے کی غلطی برسوں کی محنت کو ماند کر سکتی ہے، اس لیے خود احتسابی، صبر اور اخلاقی شعور کو اپنا شعار بنانا ہی کامیابی اور عزت کا حقیقی راستہ ہے

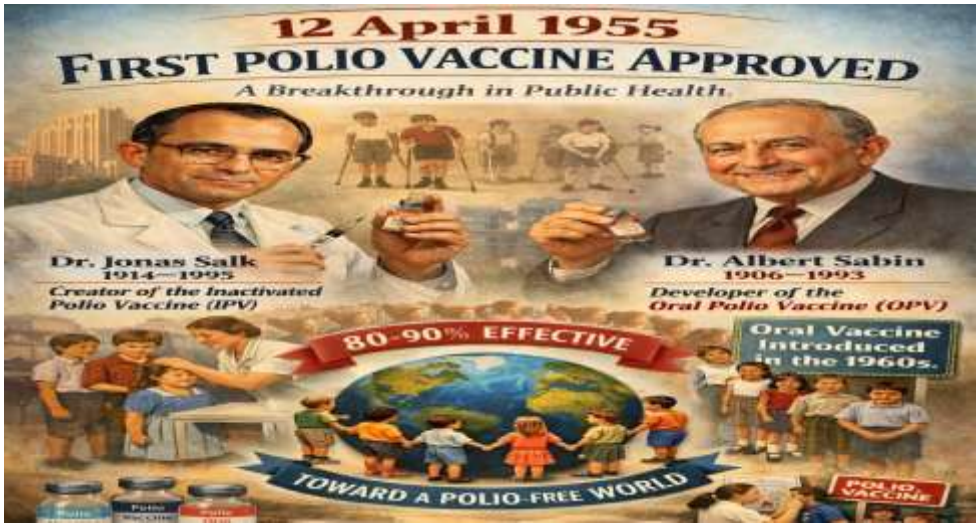

12 اپریل — طبّی تاریخ کا ایک عظیم سنگِ میل (پولیو ویکسین کی منظوری)

12 اپریل 1955 کو طبّی تاریخ میں ایک انقلابی پیش رفت اس وقت سامنے آئی جب ڈاکٹر جوناس سالک (1914–1995) کی تیار کردہ پہلی مؤثر پولیو ویکسین کو بچوں کے لیے باقاعدہ طور پر منظور کر لیا گیا۔ یونیورسٹی آف پٹسبرگ میں تیار کی گئی یہ "ان ایکٹیویٹڈ پولیو ویکسین" (IPV) مردہ وائرس پر مبنی تھی اور فالج کا سبب بننے والے پولیو سے بچاؤ میں 80 سے 90 فیصد تک مؤثر ثابت ہوئی۔ اس دور میں جب پولیو بچوں کے لیے خوف، معذوری اور موت کی علامت بن چکا تھا، یہ دریافت انسانیت کے لیے امید کی روشن کرن بن کر ابھری۔ قابلِ تحسین بات یہ ہے کہ ڈاکٹر سالک نے اس ویکسین کا پیٹنٹ حاصل کرنے سے انکار کرتے ہوئے اسے "انسانیت کی مشترکہ ملکیت" قرار دیا، جس سے دنیا بھر میں اس کی تیز رفتار فراہمی اور وسیع پیمانے پر حفاظتی مہمات ممکن ہو سکیں۔

اس کامیابی نے ویکسین سازی کے میدان میں مزید تحقیق اور جدّت کو فروغ دیا۔ جلد ہی ڈاکٹر البرٹ سیبن (1906–1993) نے اورل پولیو ویکسین (OPV) متعارف کروائی، جو استعمال میں آسان اور بڑے پیمانے پر مہمات کے لیے زیادہ موزوں تھی۔ 1960 کی دہائی کے آغاز تک یہ ویکسین کئی ممالک میں عام ہو چکی تھی، اور اس نے اجتماعی سطح پر مدافعت پیدا کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ یہ دونوں ویکسینز نہ صرف سائنسی کامیابی کی عظیم مثال ہیں بلکہ انسانیت کی خدمت، ایثار اور عزم کی روشن علامت بھی ہیں۔ انہی بے لوث کوششوں کی بدولت پولیو، جو کبھی ایک مہلک وبا تھا، آج بڑی حد تک قابلِ انسداد بیماری بن چکا ہے۔ یہ دن ہمیں اُن عظیم محسنوں کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے جن کی محنت اور وژن نے لاکھوں زندگیاں بچائیں اور دنیا کو ایک محفوظ مستقبل کی راہ دکھائی

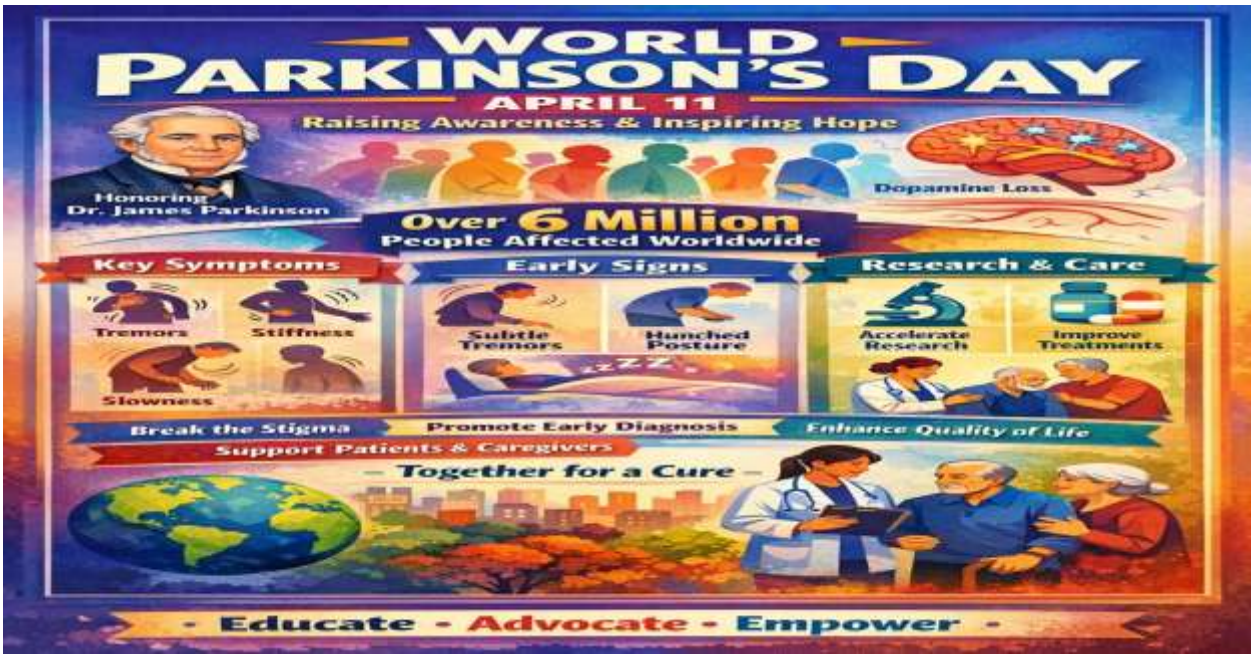

11 APRIL- WORLD PARKINSON'S DAY

رعشہ کی بیماری کی آگاہی کا عالمی دن

ورلڈ پارکنسن ڈے، جو ہر سال 11 اپریل کو ڈاکٹر جیمز پارکنسن کے اعزاز میں منایا جاتا ہے، پارکنسن (رعشہ کی بیماری) کے بارے میں عالمی سطح پر آگاہی بڑھانے کا ایک اہم موقع ہے۔ یہ دن صحت کے ماہرین، محققین، مریضوں اور دیکھ بھال کرنے والوں کو یکجا کر کے بیماری کے خاتمے، بروقت تشخیص کے فروغ اور تحقیق کی رفتار تیز کرنے پر زور دیتا ہے۔

دنیا بھر میں 60 لاکھ سے زائد افراد اس تیزی سے پھیلنے والے اعصابی عارضے سے متاثر ہیں، اور بڑھتی عمر کی آبادی کے باعث اس میں مزید اضافہ متوقع ہے، جو مؤثر علاج، مضبوط صحت کے نظام اور مسلسل سائنسی تحقیق کی فوری ضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔

پارکنسنز (رعشہ) ایک ترقی پذیر نیوروڈیجینریٹو بیماری ہے جو دماغ میں ڈوپامائن پیدا کرنے والے خلیات کی کمی کے باعث ہوتی ہے، جس سے جھٹکے، پٹھوں کی سختی اور حرکات میں سستی جیسی علامات پیدا ہوتی ہیں، جبکہ نیند کی خرابی اور ذہنی تبدیلیاں بھی اس کا حصہ ہو سکتی ہیں۔ ابتدائی علامات کی بروقت پہچان بیماری کی رفتار کو کم کرنے اور معیارِ زندگی بہتر بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے

۔ یہ دن نہ صرف آگاہی بلکہ اجتماعی عمل کی بھی دعوت دیتا ہے، تاکہ ایک ہمدرد اور جامع معاشرہ تشکیل دیا جا سکے جہاں مریضوں کو معیاری دیکھ بھال، بحالی کی سہولیات اور سماجی قبولیت میسر ہو۔



IS MOTIVATION THE ONLY KEY TO SUCCESS?

کیا کامیابی کی واحد کنجی صرف حوصلہ افزائی یا موٹیویشن ہے؟

حوصلہ افزائی یا موٹیویشن ایک طاقتور محرک ہے جو انسان کے اندر عمل کی چنگاری روشن کرتا ہے اور اسے بلند کارکردگی اور کامیابی کی جانب گامزن کرتا ہے۔ یہ خوابوں کو اہداف میں بدلتی ہے، مقصد کا شعور پیدا کرتی ہے اور مشکلات کے سامنے ثابت قدمی عطا کرتی ہے۔ باحوصلہ افراد زیادہ مرکوز، فعال اور ثابت قدم ہوتے ہیں، جس کے باعث وہ تعلیم، کھیل اور پیشہ ورانہ زندگی میں اپنی حدود سے آگے بڑھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ یوں حوصلہ افزائی وہ ابتدائی توانائی ہے جو سفر کامیابی کا آغاز کرتی ہے۔

تاہم، صرف حوصلہ افزائی دیرپا کامیابی کی ضمانت نہیں دیتی، کیونکہ یہ عارضی ہوتی ہے اور وقت کے ساتھ مدھم پڑ سکتی ہے۔ اصل کامیابی نظم وضبط اور تسلسل میں پوشیدہ ہے، جو انسان کو اُس وقت بھی آگے بڑھنے پر آمادہ رکھتے ہیں جب جذبہ کمزور پڑ جائے۔ محنت، مؤثر منصوبہ بندی، حالات کے مطابق خود کو ڈھالنا، مسلسل سیکھنا اور مثبت ماحول بھی نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ درحقیقت، کامیابی کا راز خواہش اور استقامت کے متوازن امتزاج میں ہے—جہاں "چار" "D خواہش، لگن، عزم، نظم) اور "چار" "P مقصد، جذبہ، مشق، مہارت) انسان کو ایک مضبوط، پائیدار اور بامعنی کامیابی کی راہ پر گامزن رکھتے ہیں۔



تربوز کا جوس کیسے تیار ہوتا ہے؟ پاکستان تربوز کی وافر پیداوار ہونے کے باوجود کیا ایسا نہیں کر سکتا؟؟؟

اگر ایسا ہو جائے تو یہ کسانوں کے لئے زائد امدنی کا زریعہ بننے کے علاوہ عوام کی کولا کلچر (پیپسی کوکا کولا وغیرہ) سے بھی توجہ ہٹا سکتا ہے اور بہتر صحت مند جوس کی طرف مائل کر سکتا ہے. ابھی تک تربوز مارکیٹ میں سٹریٹ فوڈ کے طور پر تو فروخت ہو رہا ہے جہاں اسے کاٹ کر اور برف میں ٹھنڈا کر کے گاہکوں کو فراہم کیا جاتا ہے مگر اس کو ٹیٹرا پیک میں مینگو اورنج۔ گاوہ جوس کی طرح بکتے نہیں دیکھا گیا حالانکہ

تربوز گرمیوں کا ایک نہایت مفید، کم کیلوریز اور غذائیت سے بھرپور پھل ہے جو تقریباً 92 فیصد پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ جسم میں پانی کی کمی دور کر کے گرمی کی شدت سے بچاتا ہے، جبکہ اس میں موجود سیٹرولائن، پوٹاشیم اور میگنیشیم خون کی گردش بہتر بنا کر دل کی صحت اور بلڈ پریشر کو متوازن رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ مزید برآں، فائبر اور پانی کی موجودگی نظامِ ہاضمہ کو بہتر بناتی ہے، جبکہ لائیکوپین جیسے اینٹی آکسیڈنٹس کینسر کے خطرات کم کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ تربوز میں موجود وٹامن A اور C جلد اور بالوں کی صحت کو بہتر بناتے ہیں اور اس کا جوس جسمانی تھکن اور پٹھوں کے درد میں افاقہ دیتا ہے۔ یہ گردوں کی کارکردگی بہتر بنا کر جسم سے فاسد مادوں کے اخراج میں بھی مددگار ہے۔ تاہم، ذیابیطس کے مریضوں کو اسے اعتدال میں استعمال کرنا چاہیے، کیونکہ زیادہ مقدار میں اس کا استعمال معدے کی خرابی یا دیگر مسائل کا سبب بن سکتا ہے۔



AVOID THE COMPANY OF SADISTS

اذیت پسند یا ساڈیسٹ کو پہچانیں اور دور رہیں

سادیسٹ یا اذیت پسند وہ شخص ہوتا ہے جو دوسروں کو جسمانی یا جذباتی تکلیف، ذلت یا اذیت پہنچا کر نفسیاتی اور بعض اوقات جنسی تسکین حاصل کرتا ہے۔ اس رویّے کی بنیاد ہمدردی کے فقدان میں ہوتی ہے اور یہ عموماً غلبہ، خوف پیدا کرنے اور کنٹرول کے اظہار کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے افراد طاقت کے حصول کے لیے ظلم، تضحیک، یا جوڑ توڑ جیسے طریقے اختیار کرتے ہیں، اور بعض اوقات دوسروں کی ناکامی پر خوشی محسوس کرنا یا جذباتی بے حسی بھی ان کی شخصیت کا حصہ بن جاتی ہے۔

یہ رجحانات معمولی رویّوں سے لے کر سنگین استحصالی اور جابرانہ تعلقات تک پھیل سکتے ہیں، جو معاشرتی توازن کو متاثر کرتے ہیں۔ اگرچہ جدید نفسیاتی درجہ بندی میں اسے الگ بیماری کے طور پر شامل نہیں کیا جاتا، تاہم سادیسٹک خصوصیات کو ایک ایسے رویّہ جاتی پیٹرن کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے جو وقت کے ساتھ پروان چڑھ سکتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ سادیسٹ، ماسوسٹ اور نرگسیت پسند شخصیت میں فرق ہوتا ہے؛ جہاں ماسوسٹ خود تکلیف میں لذت پاتا ہے اور نرگسیت پسند اپنی انا کی تسکین چاہتا ہے، وہیں سادیسٹ کی تحریک دوسروں کی اذیت سے جڑی ہوتی ہے۔ اس شعور کے ذریعے ہم یہ سیکھ سکتے ہیں کہ صحت مند انسانی تعلقات کے لیے ہمدردی، خود آگاہی اور اخلاقی ذمہ داری کس قدر بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔

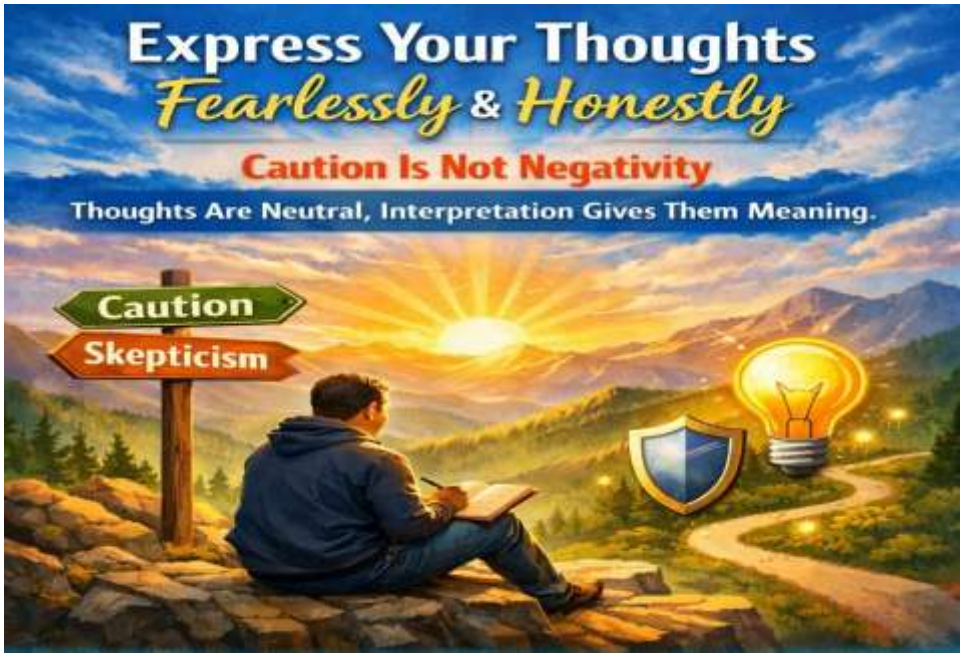

EXPRESS YOUR THOUGHTS WITHOUT FEAR OF OTHER'S **REACTION.NO** THOUGHT IS NEGATIVE INDEED.

اپنے خیالات کو جرات اور وضاحت کے ساتھ بیان کریں، اس خوف کے بغیر کہ لوگ انہیں کس نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ جسے بعض افراد "منفی" قرار دیتے ہیں، وہ در حقیقت سوچ کی خامی نہیں بلکہ زاویہ نظر کا فرق ہوتا ہے۔ خیالات اپنی اصل میں غیر جانبدار ہوتے ہیں؛ معنی اور رنگ انسان کی سوچ انہیں دیتی ہے۔ بسا اوقات احتیاط، شک یا فکر مندی — جنہیں غلطی سے منفی سمجھ لیا جاتا ہے — در حقیقت تعمیری قوتیں ہوتی ہیں جو ہمیں محفوظ رکھتی، بہتر تیاری سکھاتی اور دانشمندانہ فیصلوں کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ اس لیے اپنے خیالات کو دبانا یا اپنی آواز کو خاموش کرنا درست نہیں؛ سچی اور بے باک اظہار کمزوری نہیں بلکہ ذہنی اور جذباتی مضبوطی کی علامت ہے۔

نفسیاتی نقطۂ نظر سے اصل چیلنج خیالات کا وجود نہیں بلکہ ان کے ساتھ ہمارا رویہ ہے۔ ذہن فطری طور پر مختلف نوعیت کے خیالات پیدا کرتا ہے، اور انہیں دبانے یا ختم کرنے کی کوشش اکثر انہیں مزید طاقتور بنا دیتی ہے۔ اس کے برعکس، جب ہم اپنے خیالات کو تسلیم کرتے اور انہیں غور و فکر، مکالمے یا تحریر کے ذریعے اظہار دیتے ہیں تو وضاحت پیدا ہوتی ہے، ذہنی بوجھ کم ہوتا ہے اور سمجھ بوجھ میں گہرائی آتی ہے۔ حقیقی ترقی — چاہے ذاتی ہو یا پیشہ ورانہ — اسی متوازن طرزِ فکر سے جنم لیتی ہے۔ جب آپ آزادانہ سوچتے اور دیانت داری سے اظہار کرتے ہیں تو نہ صرف اپنی بصیرت کو مضبوط بناتے ہیں بلکہ تعلق، فہم اور ترقی کے نئے راستے بھی کھولتے ہیں۔



5 اپریل — یومِ شعور: بیداری کی ایک پکار

یومِ شعور ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ حقیقی ترقی کا آغاز بیرونی دنیا سے نہیں بلکہ انسان کے باطن سے ہوتا ہے۔ شعور وہ روشنی ہے جو ہمارے افکار کی رہنمائی کرتی، ہمارے اعمال کو سنوارتی اور ہماری شخصیت کو تشکیل دیتی ہے۔ Carl Jung جیسے مفکرین کے افکار سے متاثر ہو کر یہ دن ہمیں معمولاتِ زندگی سے اوپر اٹھ کر اپنے وجود اور مقصدِ حیات کو گہرائی سے سمجھنے کی دعوت دیتا ہے۔

یہ دن انسانیت کو ہوش مندی، ہمدردی اور ذمہ داری اپنانے کا پیغام دیتا ہے۔ ایک ایسی دنیا میں جہاں جلد بازی اور غفلت غالب ہے، شعور ہمیں ٹھہر کر سوچنے، غور کرنے اور حکمت و احساس کے ساتھ عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ یہ ایک یاد دہانی ہے کہ ایک پُرامن اور منصفانہ معاشرہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان اپنے باطن سے آگاہ ہو کر اپنے اثرات کو پہچانے۔ آیئے اس دن کو ایک نئے آغاز کے طور پر اپنائیں — ایک باشعور، بیدار اور زیادہ انسان دوست معاشرے کی طرف پہلا قدم



RECENT HIKE IN PETROLEUM PRICE- WHY PAKISTAN DOES NOT GO FOR PURCHASE OF CHEAPER OIL FROM IRAN OR RUSSIA- THE ARGUMENTS OF OPPOSITION?

The recent sharp increase in petrol and diesel prices in Pakistan is largely a consequence of global oil market disruptions, particularly due to escalating conflict in the Middle East affecting supply routes such as the Strait of Hormuz. As a country that imports around 90% of its petroleum needs, Pakistan is highly vulnerable to international price shocks. The surge in global crude prices, combined with increased shipping risks and a depreciating local currency, translated directly into higher domestic fuel prices.

Fuel pricing in Pakistan is determined through a composite formula that includes international crude prices, refining and transportation costs, exchange rate fluctuations, government taxes (such as petroleum levy), and margins for oil marketing companies and dealers. The recent price hike was amplified by multiple concurrent

factors: rising global prices, rupee depreciation, and fiscal pressures that limited the government's ability to provide subsidies. Consequently, the increase reflects external shocks and internal economic constraints rather than a single isolated cause.

Pakistan's inability to officially import oil from Iran is primarily driven by geopolitical and financial constraints rather than technical limitations. Iran is subject to stringent U.S. and international sanctions, and any formal oil trade could expose Pakistan to secondary sanctions, disrupt access to global banking systems like SWIFT, and jeopardize critical support from institutions such as the IMF and partners like Saudi Arabia and the UAE. Additionally, payment mechanisms for sanctioned Iranian oil are highly restricted, and Pakistan's fragile foreign exchange position further limits its ability to engage in such arrangements safely. While informal smuggling of Iranian fuel occurs due to price differentials, state-level imports remain highly risky.

The opposition's argument that Pakistan should import cheaper oil from Iran or Russia is only partially valid. While Iranian oil may be geographically convenient and discounted, the sanctions regime and diplomatic repercussions make it impractical at a national policy level. Russian oil presents a more feasible alternative and Pakistan has experimented with limited imports; however, logistical challenges, higher freight costs, and refinery compatibility issues constrain its scalability. Therefore, although cheaper oil sources exist, structural, diplomatic, and economic realities limit Pakistan's ability to fully capitalize on them.

پاکستان میں پٹرولیم مصنوعات کی حالیہ قیمتوں میں نمایاں اضافہ دراصل عالمی منڈی میں تیل کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ، بالخصوص مشرقِ وسطیٰ میں کشیدگی اور سپلائی روٹس (جیسے آبنائے ہرمز) میں خطرات کے باعث ہوا ہے۔ چونکہ پاکستان اپنی تقریباً 90 فیصد تیل کی ضروریات درآمد کرتا ہے، اس لیے عالمی قیمتوں میں اضافہ، روپے کی قدر میں کمی، اور ترسیل کے بڑھتے اخراجات براہِ راست مقامی قیمتوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ملک میں پٹرول کی قیمت کا تعین ایک جامع فارمولے کے تحت کیا جاتا ہے جس میں عالمی قیمتیں، ریفائننگ و ٹرانسپورٹ اخراجات، ٹیکسز، اور آئل مارکیٹنگ کمپنیوں کے منافع شامل ہوتے ہیں، جبکہ مالی دباؤ کے باعث حکومت کے لیے سبسڈی دینا بھی محدود ہو جاتا ہے۔

ایران یا روس سے سستا تیل درآمد نہ کرنے کی بنیادی وجہ تکنیکی نہیں بلکہ سیاسی و معاشی پابندیاں ہیں۔ ایران پر عائد امریکی و عالمی پابندیاں پاکستان کے لیے براہِ راست تجارت کو خطرناک بناتی ہیں، کیونکہ اس سے عالمی مالیاتی نظام، آئی ایم ایف، اور خلیجی ممالک سے تعلقات متاثر ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ روسی تیل نسبتاً قابلِ عمل متبادل ہے اور اس پر محدود تجربات بھی کیے گئے ہیں، تاہم ترسیلی مسائل، زیادہ لاگت اور ریفائنری کی مطابقت جیسے عوامل اس کی وسیع پیمانے پر درآمد میں رکاوٹ ہیں۔ اس تناظر میں اپوزیشن کا مؤقف جزوی طور پر درست ہونے کے باوجود، عملی سطح پر پاکستان کے لیے ان متبادلات سے مکمل فائدہ اٹھانا فی الحال ممکن نہیں

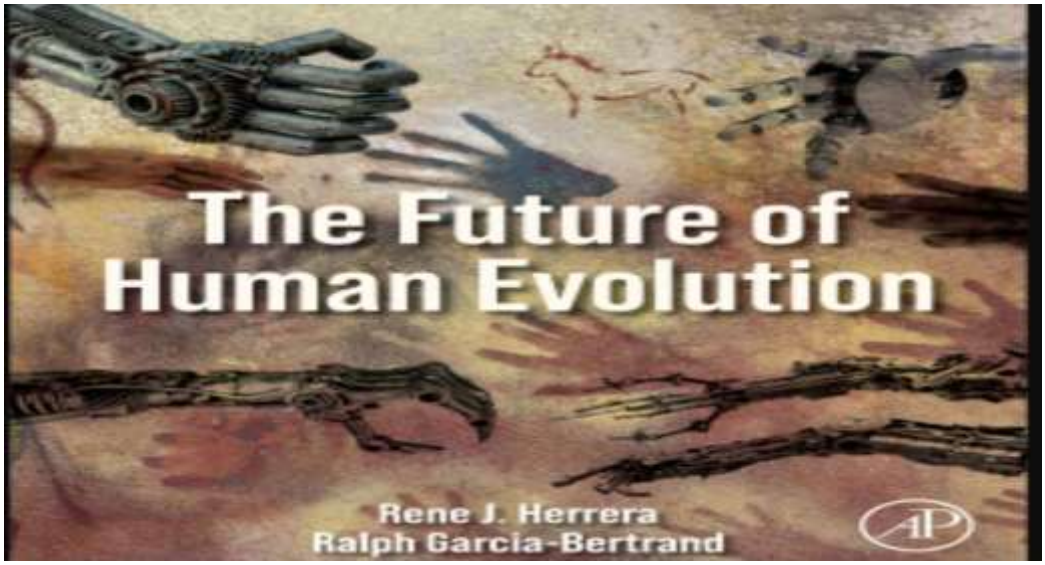

FOR BOOK LOVERS....MUST READ
The Future of Human Evolution

It presents a comprehensive and forward-looking exploration of the forces shaping humanity's biological and cultural destiny. The book systematically examines how microevolutionary mechanisms—such as genetic drift, natural selection, and mutation—interact with cultural dynamics to influence the future trajectory of our species. Organized into twelve well-structured chapters, it begins with the foundations of evolutionary forecasting and gene–culture coevolution, then progresses to key themes including life expectancy, population growth, mutation rates, climate change, and dietary evolution. It further ventures into contemporary and speculative domains such as artificial selection and "designer babies," transhumanism, artificial intelligence and human–machine symbiosis, global inequality, and the prospects of space colonization.

Written in a clear, accessible, and engaging style, the book is designed to reach a wide audience—from academic researchers and students of human evolution and population genetics to general readers with a curiosity about humanity's future. Its interdisciplinary approach integrates insights from evolution, anthropology, biology, environmental science, computer science, and genetics. Each chapter is

enriched with a dedicated "Future Studies" section and examination questions, enhancing its value as both a learning tool and a teaching resource.

The intellectual depth of the book is grounded in the expertise of its authors. Dr. Rene Herrera, an accomplished scholar in molecular biology and human genetics, brings extensive academic and research experience from prestigious institutions, along with a distinguished record in mentoring and scientific contribution. His work spans gene expression, human evolution, and forensic DNA analysis, complemented by decades of teaching and advisory roles. Similarly, Dr. Ralph Garcia-Bertrand, a noted expert in human population genetics and evolution, contributes rich academic leadership and research insight. With a strong background in genetics and a commitment to education, he has led major academic programs and earned recognition for excellence in teaching and mentorship.

Together, the authors offer a rigorously informed yet accessible narrative that not only explains the scientific foundations of human evolution but also challenges readers to critically reflect on the ethical, technological, and societal dimensions of our shared future.

The Future of Human Evolution ایک جامع اور بصیرت افروز تصنیف ہے جو انسانی ارتقا کے حیاتیاتی اور ثقافتی مستقبل کا ہمہ جہت جائزہ پیش کرتی ہے۔ کتاب نہایت منظم انداز میں اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ مائیکرو ارتقائی عوامل — جیسے جینیاتی بہاؤ، قدرتی انتخاب اور تغیرات — کس طرح ثقافتی اثرات کے ساتھ مل کر انسانیت کی آئندہ سمت کا تعین کرتے ہیں۔ بارہ ابواب پر مشتمل یہ کتاب ارتقائی پیش گوئی اور جین و ثقافت کے باہمی تعلق سے آغاز کرتی ہے اور آگے چل کر متوقع عمر، آبادی میں اضافہ، موسمیاتی تبدیلی، خوراکی ارتقا اور جینیاتی تبدیلیوں جیسے اہم موضوعات کا احاطہ کرتی ہے، جبکہ مصنوعی انتخاب، "ڈیزائنر بے بیز"، ٹرانس ہیومینزم، مصنوعی ذہانت اور خلائی آبادکاری جیسے جدید و تصوراتی پہلوؤں کو بھی زیرِ بحث لاتی ہے۔

یہ کتاب سادہ مگر مؤثر اسلوب میں تحریر کی گئی ہے تاکہ ماہرینِ علمِ ارتقا، طلبہ اور عام قارئین سبھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ اس کا بین الشعبہ جاتی انداز حیاتیات، بشریات، ماحولیاتی سائنس، جینیات اور کمپیوٹر سائنس جیسے مختلف علوم کو یکجا کرتا ہے، جبکہ ہر باب میں شامل "مستقبل کے مطالعات" اور امتحانی سوالات اسے تدریسی و تعلیمی حوالے سے بھی نہایت مفید بناتے ہیں۔

مصنفین کی علمی مہارت اس کتاب کی فکری گہرائی کو مزید مستحکم بناتی ہے۔ ڈاکٹر رینے ہریرا اور ڈاکٹر رالف گارشیا برٹرینڈ، جو جینیات اور انسانی ارتقا کے ممتاز ماہرین ہیں، اپنی تحقیق، تدریسی تجربے اور علمی بصیرت کے ذریعے ایک ایسا بیانیہ پیش کرتے ہیں جو نہ صرف سائنسی بنیادوں کو واضح کرتا ہے بلکہ قاری کو انسانی مستقبل کے اخلاقی، تکنیکی اور سماجی پہلوؤں پر سنجیدہ غور و فکر کی دعوت بھی دیتا ہے



02 APRIL- WORLD AUTISM ACCEPTANCE DAY

April 2 – World Autism Acceptance Day highlights that human diversity is a strength, not a weakness, and calls for understanding, inclusion, and equal opportunities for individuals with autism. Autism Spectrum Disorder (ASD) is a lifelong neurodevelopmental condition affecting communication, behavior, and social interaction, but it is not a disease—it is a different way the brain works. As a spectrum, it varies among individuals, with some needing more support while others live independently. Importantly, people with autism often possess unique strengths such as creativity, strong

memory, and deep focus, reminding us that true progress lies in acceptance, respect, and empowerment rather than mere awareness.

عالمی یومِ قبولیت اوٹزم، جو ہر سال 2 اپریل کو منایا جاتا ہے، اس حقیقت کی بھرپور یاد دہانی ہے کہ انسانی تنوع کوئی کمزوری نہیں بلکہ ایک طاقت ہے

آٹزم (Autism) یا آٹزم سپیکٹرم ڈس آرڈر (ASD) پیدائشی طور پر بچپن میں شروع ہونے والی ایک اعصابی اور ذہنی حالت ہے، جسے اردو میں "خود پسندی"، "ذہنی عارضہ" یا "ترقیاتی معذوری" کہا جاسکتا ہے۔ یہ شخصیت، سماجی تعلقات، بات چیت (Communication) اور رویوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ایسے افراد کو دوسروں سے بات چیت کرنے اور جذبات سمجھنے میں دشواری ہو سکتی ہے۔ ایک ہی کام بار بار کرنا، خاص معمولات پر اصرار کرنا، آواز، روشنی یا چھونے کے احساس کے بارے میں بہت حساس ہونا۔ اس کی چند علامات ہیں۔ یہ ایک طویل مدتی معذوری ہے، لیکن مناسب تھراپی اور تعاون سے بہتری آسکتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک اعصابی و نشوونمائی کیفیت ہے جو انسان کے سیکھنے، بات چیت کرنے اور سماجی تعلقات بنانے کے انداز کو متاثر کرتی ہے۔ یہ کوئی بیماری نہیں بلکہ دماغ کے

کام کرنے کا ایک مختلف طریقہ ہے۔

اوٹزم ہر فرد میں مختلف انداز میں ظاہر ہوتا ہے، اسی لیے اسے "اسپیکٹرم" کہا جاتا ہے۔ بعض افراد کو زیادہ مدد درکار ہوتی ہے جبکہ کچھ اپنی زندگی خود مختاری سے گزار لیتے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ اوٹزم کو کمزوری نہیں بلکہ ایک مختلف صلاحیت سمجھا جائے، کیونکہ ایسے افراد میں تخلیقی سوچ، مضبوط یادداشت اور غیر معمولی توجہ جیسی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

۔اقوامِ متحدہ کی جانب سے 2007 میں اس کا آغاز اور 2008 میں پہلی بار اس کا انعقاد اس بات کی علامت ہے کہ دنیا نے اوٹزم کو محض ایک طبی کیفیت نہیں، بلکہ ایک سماجی حقیقت کے طور پر تسلیم کرنا شروع کر دیا ہے—ایسی حقیقت جو فہم، وقار اور شمولیت کی متقاضی ہے۔

وقت کے ساتھ اس دن کا پیغام صرف آگاہی سے آگے بڑھ کر حقیقی قبولیت تک پہنچ چکا ہے۔ اب توجہ فرق کو نمایاں کرنے کے بجائے اسے اپنانے پر ہے۔ یہ دن معاشروں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ تعصبات کو ختم کریں، منفی رویّوں کو توڑیں، اور ایسے مواقع پیدا کریں جہاں اوٹزم سے وابستہ افراد کو صرف جگہ نہ دی جائے بلکہ ان کی قدر بھی کی جائے۔ تعلیم، روزگار اور سماجی زندگی میں شمولیت کسی احسان کا نہیں بلکہ بنیادی انسانی حق اور انصاف کا تقاضا ہے۔

اس دن کا بنیادی پیغام نہایت بامعنی اور انقلابی ہے: حقیقی ترقی قبولیت، بااختیار بنانے اور باہمی احترام میں مضمر ہے۔ اوٹزم کے حامل افراد اپنی منفرد سوچ، صلاحیتوں اور دنیا کو دیکھنے کے الگ انداز کے ذریعے معاشرے کو مالامال کرتے ہیں۔ جب ہم تنقید کے بجائے فہم، اور اخراج کے بجائے شمولیت کا راستہ اختیار کرتے ہیں، تو ہم ایک ایسے معاشرے کی طرف بڑھتے ہیں جو صرف ہمدرد نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں مکمل بھی ہوتا

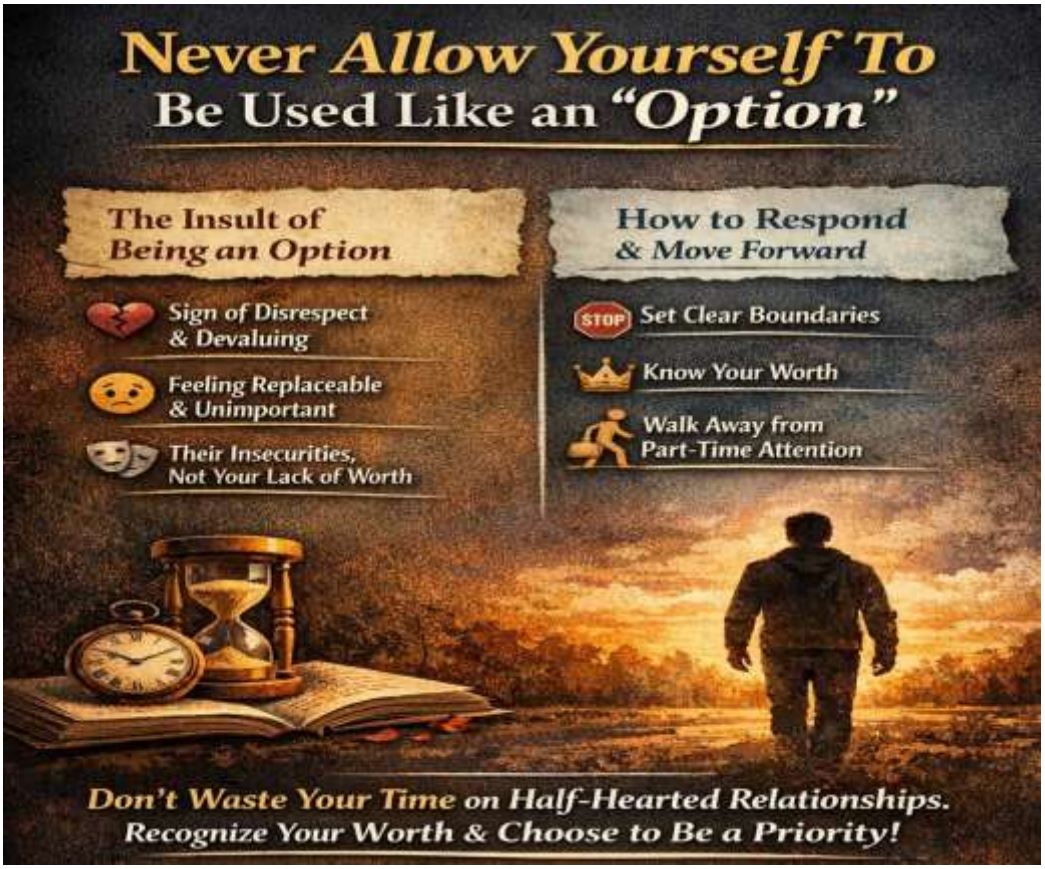

کبھی بھی کسی کے لئے آپشن (سٹپنی) نہ بنیں؟ بلکہ پہلی ترجیح بنیں۔۔۔یہی خود داری ہے۔۔

انسانی خودداری کا تقاضا ہے کہ وہ خود کو کبھی بھی کسی کے لیے محض "آپشن" یا "سٹپنی" نہ بننے دے۔ کسی بھی تعلق میں ترجیح کے بجائے وقتی سہولت سمجھا جانا دراصل آپ کی قدر کی نفی ہے، جو انسان کے اعتماد اور سکون کو متاثر کرتا ہے۔

اکثر ایسا رویہ آپ کی کمی نہیں بلکہ دوسرے کی کمزوری کا اظہار ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود ضروری ہے کہ انسان اپنی قدر پہچانے اور واضح حدود قائم کرے۔ جہاں عزت نہ ملے، وہاں ٹھہرنا دانشمندی نہیں۔

بہتر یہی ہے کہ اپنی توانائی ان تعلقات پر صرف کی جائے جہاں آپ کو حقیقی اہمیت دی جاتی ہو، کیونکہ اصل کامیابی خود کو ترجیح دینا اور اپنی قدر پہچاننا ہے



Theme and Message of “Hey America! .Hey Israel!” The viral song on social media,produced by Deepak Dev .its writer is Joel David Weir.

“Hey America! Hey Israel!” is a bold and thought-provoking protest song that captures the spirit of resistance and self-empowerment. Rooted in the Songs Against Empire movement, it challenges foreign intervention and emphasizes the importance of national sovereignty and dignity.

At its core, the song delivers a clear motivational message: true freedom cannot be imposed from outside—it must be earned from within. It rejects the idea of external powers as saviors and instead encourages people to take ownership of their destiny, highlighting unity, resilience, and self-determination.

With themes of anti-imperialism, anti-war, and resistance, the song goes beyond criticism—it inspires a mindset of responsibility and courage. It reminds listeners that lasting change begins when nations and individuals believe in their own strength and stand firm for their rights.

"Hey America! Hey Israel!" ایک جرات مندانہ اور فکر انگیز احتجاجی نغمہ ہے جو مزاحمت، خود اختیاری اور باوقار آزادی کے جذبے کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ گانا ایک "تحریک سے جڑا ہوا ہے اور بیرونی مداخلت کو چیلنج کرتے ہوئے قومی خود مختاری کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔

گانے کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ حقیقی آزادی باہر سے مسلط نہیں کی جا سکتی بلکہ یہ اندرونی شعور، محنت اور خود انحصاری سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ اس تصور کو رد کرتا ہے کہ بیرونی طاقتیں نجات دہندہ ہیں، اور لوگوں کو اپنی تقدیر خود سنوارنے، اتحاد پیدا کرنے اور اپنے فیصلوں میں خود مختار ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔

یہ نغمہ جنگ مخالف اور سامراج مخالف جذبات کے ساتھ ساتھ حوصلہ، ذمہ داری اور حریتِ فکر کا پیغام بھی دیتا ہے۔ یہ یاد دلاتا ہے کہ حقیقی اور پائیدار تبدیلی تبھی ممکن ہے جب قومیں اور افراد اپنی طاقت پر یقین رکھتے ہوئے اپنے حقوق کے لیے مضبوطی سے کھڑے ہوں۔



"حسد کا ناگ حاسد کو ہی ڈس لیتا ہے"

انسانی باطن میں جن جذبات کا بسیرا ہے، ان میں حسد ایک ایسا منفی اور تباہ کن جذبہ ہے جو نہ صرف فرد کے داخلی سکون کو متاثر کرتا ہے بلکہ معاشرتی تعلقات میں بھی دراڑیں ڈال دیتا ہے۔ حسد دراصل اس کیفیت کا نام ہے جب انسان کسی دوسرے کی خوشحالی، کامیابی یا نعمت کو دیکھ کر دل میں تنگی محسوس کرے اور یہ خواہش رکھے کہ وہ نعمت اس سے چھن جائے۔ یوں یہ جذبہ محض محرومی کا احساس نہیں بلکہ دوسروں کی بھلائی پر ناگواری کا اظہار ہے۔۔۔۔۔ جبکہ اس کے برعکس رشک ایک مثبت رویہ ہے کہ انسان ان خوبیوں کو اپنانے کے لئے مثبت ذرائع استعمال کرتا ہے اور انسانی ترقی کے لئے یہی ایک بہترین مہمیز ہے

حسد کے اسباب کا جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اس کی جڑیں انسانی کمزوریوں میں پیوست ہوتی ہیں۔ احساسِ کمتری، خود اعتمادی کی کمی، اور مسلسل موازنہ کرنے کی عادت انسان کو اس کیفیت کی طرف مائل کرتی ہے۔ جب فرد اپنی صلاحیتوں پر یقین کھو بیٹھتا ہے اور دوسروں کی کامیابی کو اپنے لیے خطرہ سمجھنے لگتا ہے تو حسد جنم لیتا ہے۔ مزید برآں، ناشکری بھی اس جذبے کو تقویت دیتی ہے، کیونکہ جو شخص اپنی نعمتوں کو نظر انداز کرتا ہے وہ دوسروں کی خوشیوں کو برداشت نہیں کر پاتا۔

یہ امر قابلِ غور ہے کہ حسد کا اظہار اکثر قریبی رشتوں میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ بہن بھائیوں، عزیز و اقارب اور قریبی دوستوں کے درمیان موازنہ آسان ہوتا ہے اور توقعات بھی زیادہ وابستہ ہوتی ہیں۔ جب کسی ایک فرد کو کامیابی یا فوقیت حاصل ہوتی ہے تو دوسرا لاشعوری طور پر خود کو پیچھے محسوس کرتا ہے، جو حسد کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قریبی تعلقات میں یہ جذبہ زیادہ شدت اختیار کر لیتا ہے۔

حسد کا اظہار ہمیشہ واضح اور براہِ راست نہیں ہوتا بلکہ یہ مختلف لطیف انداز میں سامنے آتا ہے۔ کبھی طنز و تنقید کی صورت میں، کبھی دوسروں کی کامیابی کو کم تر دکھانے میں، اور کبھی خاموش بے دلی کے ذریعے۔ بعض اوقات یہ پیٹھ پیچھے برائی یا منفی گفتگو کی شکل اختیار کر لیتا ہے، جو تعلقات میں بدگمانی اور فاصلے پیدا کرتی ہے۔

تاہم، حسد ایک ایسا مرض ہے جس کا علاج ممکن ہے، بشرطیکہ انسان شعوری طور پر اپنی اصلاح کا ارادہ کرے۔ اس کے لیے سب سے مؤثر طریقہ شکر گزاری کو اپنانا ہے، کیونکہ جب انسان اپنی نعمتوں پر نظر رکھتا ہے تو دوسروں کی خوشیوں سے دل تنگ نہیں ہوتا۔ مزید یہ کہ مثبت سوچ کو فروغ دینا اور دوسروں کی کامیابی کو اپنی تحریک بنانا اس جذبے کو کمزور کرتا ہے۔ موازنہ ترک کر کے اپنی انفرادی راہ پر توجہ دینا اور دل کی صفائی کے لیے خیر خواہی کے جذبات کو پروان چڑھانا بھی نہایت ضروری ہے۔

آخر کار، یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ حسد سب سے پہلے خود انسان کے سکون کو تباہ کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی اندرونی آگ ہے جو دل کو جلاتی رہتی ہے اور انسان کو ذہنی و روحانی اضطراب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ لہٰذا دانشمندی اسی میں ہے کہ انسان اپنے باطن کا جائزہ لے، اس منفی جذبے کو پہچانے، اور اسے مثبت طرزِ فکر اور عملی اصلاح کے ذریعے قابو میں لائے۔ یہی طرزِ عمل فرد کو حقیقی سکون اور صحت مند تعلقات کی جانب لے جاتا ہے



SEVEN SELF DEFEATING HABITS THAT UNDERMINE GROWTH AND SUCCESS

Success is rarely destroyed by a single failure—it is quietly eroded by repeated patterns of ineffective behavior. Highly ineffective individuals often become obstacles in their own path, not due to lack of ability, but because of habits that weaken discipline, clarity, and purpose.At the core lies a victim mindset—a tendency to blame circumstances rather than assume responsibility. This is often accompanied by procrastination and inaction, where opportunities are delayed until they disappear.Many also suffer from a lack of purpose, drifting through life without clear goals, which leads to wasted energy and diminished motivation.

Compounding this is poor prioritization, focusing on trivial tasks while neglecting what truly matters.

Equally damaging are habits that affect personal stability and relationships. Emotional reactivity, especially anger, clouds judgment and fractures connections. Constant negativity and complaining replace solution-oriented thinking, while resistance to change prevents growth and adaptation in an evolving world.

Ineffective individuals may also engage in excessive escapism—whether through entertainment or distractions—to avoid facing reality.Beyond mindset, practical areas of life also suffer.

Neglecting physical health through poor diet and inactivity drains both energy and mental clarity. Poor financial management creates long-term stress and limits freedom. Meanwhile, weak communication and lack of consideration in relationships erode trust, reflecting a deeper absence of self-awareness and respect.

Ultimately, these habits form a cycle—reinforcing stagnation, frustration, and unrealized potential. Breaking free requires self-awareness, accountability, and intentional action.

When individuals replace blame with responsibility, distraction with discipline, and fear with growth, they transform not only their habits—but the trajectory of their lives.

کامیابی ایک ہی ناکامی سے ختم نہیں ہوتی، بلکہ غلط رویّوں کی مسلسل تکرار اسے خاموشی سے کھوکھلا کر دیتی ہے۔ اکثر انسان اپنی صلاحیت کی کمی نہیں بلکہ اپنی کمزور عادتوں کے باعث خود اپنی راہ کی رکاوٹ بن جاتا ہے۔

سب سے بڑی کمزوری مظلومانہ ذہنیت ہے — جہاں انسان حالات کو قصوروار ٹھہراتا ہے اور ذمہ داری سے بچتا ہے۔ اس کے ساتھ سستی، ٹال مٹول، مقصد کی کمی اور غلط ترجیحات انسان کی توانائی کو ضائع کر دیتی ہیں۔ جذباتی بے قابو پن، منفی سوچ، شکایت اور تبدیلی سے گریز ترقی کی راہیں مسدود کر دیتے ہیں، جبکہ حقیقت سے فرار انسان کو مزید پیچھے دھکیل دیتا ہے۔

جسمانی صحت کی غفلت، مالی بے ترتیبی اور کمزور تعلقات زندگی میں بے سکونی پیدا کرتے ہیں۔ یہ تمام عادتیں مل کر انسان کو جمود اور ناکامی کے چکر میں قید کر دیتی ہیں۔ نجات کا راستہ خود آگاہی، ذمہ داری اور عملی اقدام میں ہے — جب انسان الزام کو ذمہ داری، بکھراؤ کو نظم، اور خوف کو ترقی میں بدل دیتا ہے، تو وہ اپنی زندگی کا رخ بدل دیتا ہے۔



IS THE IRAN-US-ISRAEL CONFLICT PART OF A STRATEGY TO CONTAIN CHINA ??? (An Analysis by Fatima Mghni)

Fatima Mghni, a respected journalist and media presenter known for her work with Radio Sfax and the program Dairat al-Daw' ("In the Spotlight"), has drawn widespread attention for her sharp geopolitical insights. Her analysis of tensions between the United States and Iran—originally written in Arabic and later translated into Urdu—gained significant traction across Pakistani social media for its balanced and strategic perspective.

Overview of the Analysis

While global discourse remains focused on figures like Ali Khamenei and the role of Israel, Mghni presents a broader, less obvious narrative. She argues that the real strategic contest may not be confined to the Middle East, but instead revolves around a larger geopolitical objective.

Two Key Events, One Strategic Pattern

Mghni highlights two seemingly unrelated developments:

In Venezuela, a U.S.-backed operation led to the removal of Nicolás Maduro. While debates centered on legality and governance, a crucial economic detail was overlooked: Venezuela had been a major oil supplier to China, exporting approximately 800,000 barrels per day.

In Iran, military escalation involving the United States and Israel disrupted another critical oil supply chain. Iran had been exporting nearly 1.5 million barrels per day to China.

Despite differences in geography and justification, both events share a common consequence: disruption of China's energy imports.

Strategic Interpretation

According to the theory often associated with Ray Dalio, history shows that when a rising power approaches the dominance of an established one, conflict becomes increasingly likely. Examples include past rivalries that led to global wars and prolonged geopolitical tensions.

Today, China represents that rising power. With roughly 28% of global industrial output and projections suggesting it could surpass the United States economically by 2030, it poses a significant strategic challenge.

China's Vulnerability: Energy Dependence

A central point in Mghni's analysis is China's reliance on imported energy—approximately 73% of its oil consumption comes from abroad. Key suppliers include:

Venezuela

Iran

Russia

Saudi Arabia

Recent geopolitical developments have affected all four sources through political change, conflict, sanctions, or instability. The implication is that rather than confronting China directly, weakening its energy supply chain could slow its economic momentum.

Beyond Oil: Trade and Technology

Mghni also connects this strategy to broader economic initiatives like China's Belt and Road Initiative, designed to link Asia with Europe through infrastructure and trade. Instability in regions such as Iran can disrupt these routes, limiting China's access to key markets.

Another critical flashpoint is Taiwan, which produces around 90% of the world's most advanced semiconductor chips. The United States supports Taiwan's autonomy, while China claims it as its territory—creating a high-stakes geopolitical tension.

Additional Considerations

The analysis further notes that regional conflicts tend to increase global arms demand, often benefiting U.S. defense industries as countries expand military spending amid rising insecurity.

Conclusion

Mghni's perspective suggests that what appear to be isolated conflicts—in Venezuela, Iran, Russia, and beyond—may, in fact, form part of a broader strategic framework. Rather than multiple independent crises, she frames them as interconnected elements of a larger geopolitical competition, with one central focus: the containment and strategic balancing of China.

فاطمہ مقنی کے تجزیے کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ ایران، امریکہ اور اسرائیل کے درمیان کشیدگی کو محض مشرقِ وسطیٰ کی ایک محدود جنگ سمجھنا حقیقت کا ادھورا عکس ہے۔ ان کے مطابق یہ تنازع دراصل ایک وسیع تر عالمی حکمتِ عملی کا حصہ ہو سکتا ہے، جس کا ہدف چین کی بڑھتی ہوئی معاشی اور تزویراتی طاقت کو متوازن کرنا ہے۔ وہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ وینزویلا اور ایران جیسے ممالک، جو چین کو بڑی مقدار میں تیل فراہم کرتے تھے، وہاں پیدا ہونے والے بحرانوں نے براہِ راست چین کی توانائی سپلائی کو متاثر کیا—اور یہی پہلو اس پوری تصویر کا اصل مرکز ہے۔

مزید برآں، تجزیہ یہ واضح کرتا ہے کہ چین کی سب سے بڑی کمزوری اس کا بیرونی توانائی پر انحصار ہے۔ جب اس کے اہم تیل فراہم کرنے والے ممالک سیاسی عدم استحکام، پابندیوں یا جنگ کا شکار ہوتے ہیں تو اس کی معیشت کی رفتار متاثر ہو سکتی ہے

۔اسی تناظر میں، ایران میں کشیدگی نہ صرف توانائی کی ترسیل کو متاثر کرتی ہے بلکہ چین کے "بیلٹ اینڈ روڈ" جیسے عالمی منصوبوں کے راستوں کو بھی غیر یقینی بنا دیتی ہے۔ عالمی سیاست کے ماہرین بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ بڑی طاقتوں کے درمیان مسابقت اکثر بالواسطہ محاذوں پر لڑی جاتی ہے ۔

فاطمہ مغنی کا نقطۂ نظر یہ پیش کرتا ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں میں بظاہر الگ الگ نظر آنے والے تنازعات دراصل ایک بڑی عالمی شطرنج کے مہرے ہو سکتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ سب واقعات ایک مربوط حکمتِ عملی کا حصہ ہو سکتے ہیں، جس کا مقصد چین کی ابھرتی ہوئی قوت کو براہِ راست جنگ کے بغیر محدود کرنا ہے—یعنی طاقت کا وہ کھیل جو سامنے نہیں بلکہ پسِ پردہ کھیلا جا رہا ہے

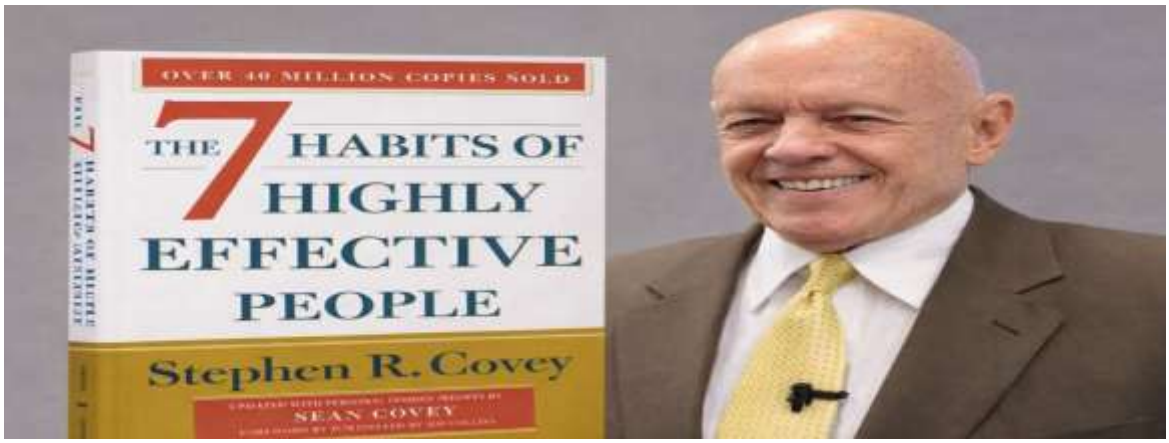

SEVEN HABITS OF HIGHLY EFFECTIVE PEOPE (موثر ترین افراد کی سات اہم عادات)

موثر ترین افراد کی سات اہم عادات جو انہیں دوسروں سے نمایاں کرتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔

اسٹیفن آر۔ کووی (24 اکتوبر 1932ء – 16 جولائی 2012ء) ایک ممتاز امریکی معلم، مصنف، کاروباری رہنما اور محرک مقرر تھے۔ اُن کی شہرۂ آفاق تصنیف "دی سیون میتھس آف ہائیلی ایفیکٹو پیپل" نے عالمی سطح پر بے مثال مقبولیت حاصل کی اور آج بھی ذاتی و پیشہ ورانہ ترقی کے میدان میں رہنمائی کا ایک مضبوط ذریعہ سمجھی جاتی ہے۔ 1996ء میں ٹائم میگزین نے انہیں دنیا کی 25 بااثر ترین شخصیات میں شمار کیا۔ اپنی وفات کے وقت وہ یوٹاہ اسٹیٹ یونیورسٹی کے جون ایم۔ ہنٹس مین اسکول آف بزنس میں پروفیسر کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

دی سیون میتھس آف ہائیلی ایفیکٹو پیپل — ایک نکھرا ہوا زاویۂ نظر پیش کرتی ہے

1۔ فعال بنیں (Be Proactive)

اپنی زندگی کی باگ ڈور خود سنبھالیں۔ اپنی توانائی اُن امور پر مرکوز کریں جو آپ کے اختیار میں ہیں — یعنی آپ کے فیصلے اور ردِ عمل — نہ کہ بیرونی حالات پر۔

2۔ انجام کو پیشِ نظر رکھ کر آغاز کریں (Begin with the End in Mind)

اپنے مقصد کو واضح کریں۔ اپنی منزل کا واضح تصور قائم کریں اور اپنے اعمال کو اپنی بنیادی اقدار اور طویل مدتی اہداف کے مطابق ڈھالیں۔

اہم کو مقدم رکھیں (Put First Things First)

حقیقی اہمیت کے حامل کاموں کو ترجیح دیں۔ خود کو اس نظم و ضبط کا پابند بنائیں کہ فوری مگر غیر ضروری مصروفیات کے بجائے اہم ذمہ داریوں پر توجہ دیں۔

3۔جیت–جیت کا سوچ اپنائیں(Think Win-Win)

ایسے تعلقات استوار کریں جو باہمی فائدے پر مبنی ہوں۔ ایسے نتائج کے لیے کوشاں رہیں جن میں سب کی کامیابی شامل ہو، تاکہ اعتماد اور دیرپا تعاون کو فروغ ملے۔

4۔پہلے سمجھیں، پھر سمجھائے جائیں(Seek First to Understand, Then to Be Understood)

ہمدردانہ انداز میں سننے کی عادت اپنائیں۔ دوسروں کو گہرائی سے سمجھنے کے بعد ہی اپنا نقطۂ نظر پیش کریں، تاکہ بامعنی اور باوقار ابلاغ ممکن ہو۔

5۔اشتراک سے قوت پیدا کریں(Synergize)

تنوع اور باہمی تعاون کو قبول کریں۔ مختلف زاویہ ہائے نظر کی قدر کرتے ہوئے ایسے حل پیدا کریں جو انفرادی کوششوں سے کہیں زیادہ مؤثر اور اختراعی ہوں۔

6۔اپنی صلاحیتوں کو تازہ رکھیں(Sharpen the Saw)

7۔ مسلسل خود احتسابی اور تجدیدِ ذات کو اپنا شعار بنائیں—جسمانی، ذہنی، سماجی اور روحانی سطح پر—تاکہ کارکردگی برقرار رہے اور زندگی میں توازن قائم رہے۔

یہ سات عادات انسان کو بامقصد، منظم اور بامعنی کامیابی کی طرف رہنمائی فراہم کرتی ہیں—ایسی کامیابی جو صرف حاصل کردہ نتائج تک محدود نہیں رہتی بلکہ انسان کی شخصیت کو بھی سنوار دیتی ہ



کامیابی کسی پبلسٹی کی محتاج نہیں ہوتی۔ خاموشی سے محنت کریں، یکسوئی کے ساتھ اپنے مقصد پر قائم رہیں، اور اپنی کامیابیوں کو خود بولنے دیں۔ حقیقی کامیابی کو کسی اعلان کی ضرورت نہیں ہوتی—وہ خود اپنی موجودگی کا احساس دلا دیتی ہے

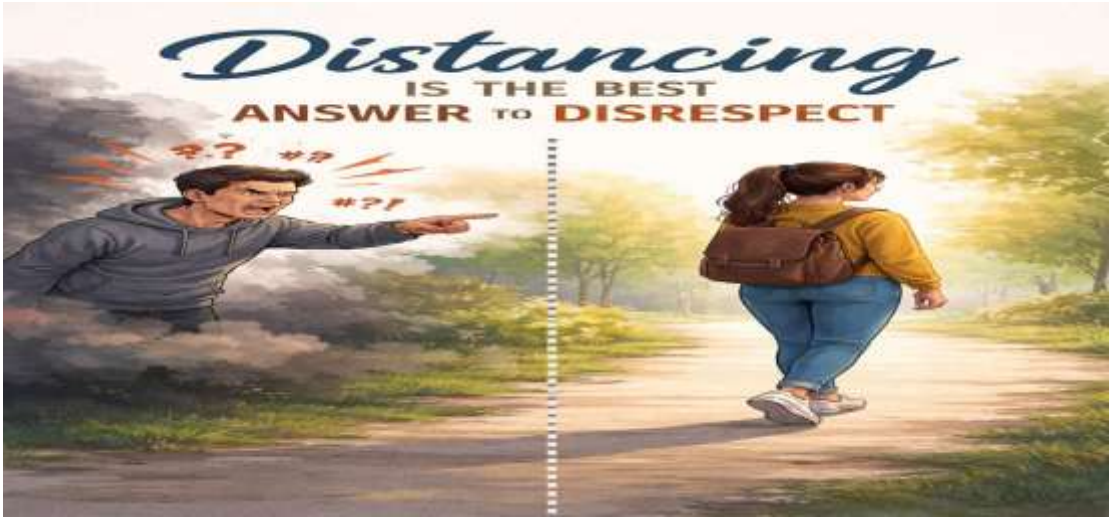

Distance is the most powerful response to disrespect.

بے احترامی کا موثر جواب۔۔۔ دوری اور فاصلہ

When respect is absent, silence and space speak louder than arguments. Choosing not to react isn't weakness—it's control. It's the discipline to protect your energy instead of wasting it on negativity.

Stepping away prevents unnecessary conflict, preserves your peace, and sets a clear standard: disrespect will not be entertained. You don't need to explain, justify, or engage in drama.

Your absence delivers the message.

Sometimes, distance also creates awareness—people only recognize your value when your presence is no longer available.

Don't react. Don't argue. Don't chase closure.

Just remove yourself—and let your silence define your worth.

بے احترامی کا سب سے طاقتور جواب فاصلہ ہے۔

جب احترام ختم ہو جائے تو خاموشی اور دوری، بحث و تکرار سے کہیں زیادہ اثر رکھتی ہیں۔ ردِ عمل نہ دینا کمزوری نہیں بلکہ اپنے جذبات پر مضبوط کنٹرول اور خودداری کی علامت ہے۔ یہ وہ شعور ہے جو انسان کو اپنی توانائی کو منفی رویّوں پر ضائع کرنے سے بچاتا ہے۔

خود کو الگ کر لینا نہ صرف غیر ضروری تنازعات سے محفوظ رکھتا ہے بلکہ ذہنی سکون کو برقرار رکھتے ہوئے یہ واضح پیغام دیتا ہے کہ بے احترامی ہرگز قابلِ قبول نہیں۔ آپ کو نہ وضاحت کی ضرورت ہے، نہ جواز دینے کی، اور نہ ہی کسی ڈرامے کا حصہ بننے کی — آپ کی غیر موجودگی ہی سب کچھ بیان کر دیتی ہے۔

بعض اوقات فاصلے ہی لوگوں کو احساس دلاتے ہیں کہ آپ کی قدر کیا تھی، کیونکہ اکثر قدر اُس وقت سمجھ آتی ہے جب موجودگی میسر نہ رہے۔

لہٰذا نہ ردِ عمل دیں، نہ بحث کریں، نہ کسی انجام کے پیچھے بھاگیں — بس خود کو الگ کر لیں، اور اپنی خاموشی کو اپنی قدر کا معیار بنائیں۔ ویسے بھی کسی نے خوب کہا ہے کہ

تعارف روگ ہو جائے تو اسے بھولنا بہتر

تعلق بوجھ بن جائے تو اس کو توڑنا اچھا

وہ افسانہ جسے انجام تک پہچانا نہ ہو ممکن

اسے اک خوبصورت موڑ دے کر چھوڑنا اچھا

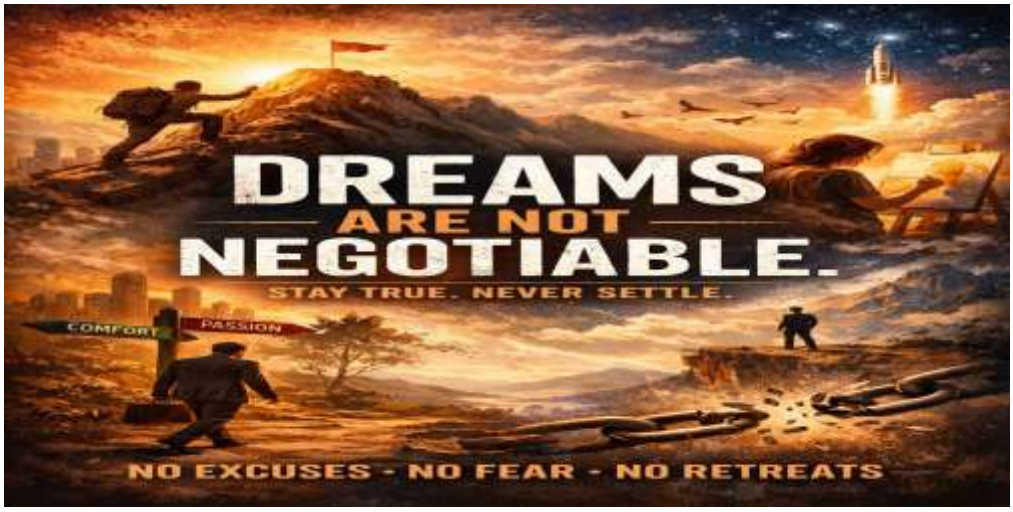

“DREAMS ARE NOT NEGOTIABLE (PAULO COELHO)

(خوابوں پر سودے بازی نہیں ہوتی)

Your true aspirations are not something you trade away for comfort, fear, or pressure from others. They are a commitment you make to yourself.

This perspective, encourages you to treat your dreams not as optional desires but as a personal mission. It calls for persistence—continuing forward despite challenges, and seeing obstacles as temporary rather than final.At its core, it is about staying true to your purpose. Compromising your dreams may bring short-term ease, but it limits your long-term potential. Whether in career, personal growth, or creative pursuits, it reminds you to choose passion and purpose over mere convenience.In essence, while your methods and plans may evolve over time, your vision should remain firm and non-negotiable.

"خوابوں پر سودے بازی نہیں ہوتی اور نہ ہونا چاہیئے کیونکہ

آپ کے اصل خواب اور حقیقی تمنائیں وہ چیز نہیں جنہیں آپ آرام، خوف یا دوسروں کے دباؤ کے بدلے چھوڑ دیں۔ یہ دراصل وہ عہد ہے جو آپ اپنے آپ سے کرتے ہیں۔

یہ سوچ ہمیں سکھاتی ہے کہ خواب محض خواہش نہیں بلکہ ایک مشن ہیں۔ اس راستے میں مشکلات آئیں تو ثابت قدم رہنا ہے، اور رکاوٹوں کو انجام نہیں بلکہ عارضی امتحان سمجھنا ہے۔

اصل بات اپنے مقصد سے وفادار رہنے کی ہے۔ خوابوں پر سمجھوتہ وقتی طور پر اپ کو آسانی تو دے سکتا ہے، مگر یہ آپ کی صلاحیتوں کی وسعت کو محدود کر دیتا ہے۔ چاہے معاملہ پیشہ ورانہ زندگی کا ہو، ذاتی ترقی کا یا تخلیقی سفر کا— ہمیشہ سہولت پر نہیں بلکہ جذبے اور مقصد پر انتخاب کریں۔ المختصر یہ کہ طریقے بدل سکتے ہیں، راستے نئے ہو سکتے ہیں، مگر آپ کا وژن مضبوط، واضح اور ناقابلِ سمجھوتہ رہنا چاہیے



تلسی گیبرڈ کی Threat Assessment Report اور پاکستان کے

خدشات؟

امریکہ کی انٹیلیجنس کمیونٹی کی جانب سے ہر سال پیش کی جانے والی "تھریٹ اسیسمنٹ رپورٹ" عالمی سلامتی کے تناظر میں اہم سمجھی جاتی ہے۔ حالیہ رپورٹ (جو ڈائریکٹر آف نیشنل انٹیلیجنس Tulsi Gabbard نے امریکی سینیٹ کی انٹیلیجنس کمیٹی میں پیش کی) نے ایک بار پھر پاکستان کو مستقبل کے ممکنہ خطرات کی فہرست میں شامل کر کے بحث کو جنم دیا ہے۔۔

ہمارے ساتھی بیوروکریٹ عرفان خالد کے مطابق تلسی کا عہدہ ہمارے پیکٹا کے گریڈ انیس کے افسر کے برابر ہے اور اس رپورٹ میں دیئے گئے کسی دوسرے ملک نے اسے خاص اہمیت نہیں دی۔ مگر ہمارے میڈیا نے اس پر ٹاک شو کروا کر اسے ایک اہم ایشو کے طور پر اس حد تک اجاگر کیا کہ حکومت اپنا موقف دینے پر مجبور ہو گئی اور رہی کسر نہلے دہلے سفارتکاروں نے پوری کر دی۔ جنہوں نے اس پر اپنی زاتی رائے دے کر معاملات کو پڑوسی ملک کے میڈیا اور ساست دانوں کو پاکستان کے پیچھے لگا دیا۔

رپورٹ کے مطابق امریکہ کو درپیش بڑے خطرات میں چین، روس، ایران اور شمالی کوریا کے ساتھ پاکستان کا نام بھی شامل کیا گیا ہے۔ خاص طور پر پاکستان کے میزائل پروگرام کے حوالے سے خدشہ ظاہر کیا گیا کہ مستقبل میں یہ پروگرام بین البراعظمی بیلسٹک میزائل (ICBM) صلاحیت حاصل کر سکتا ہے، جو نظریاتی طور پر امریکی سرزمین تک رسائی ممکن بنا سکتا ہے۔ تاہم یہ نکتہ اہم ہے کہ رپورٹ میں پاکستان کو فوری یا موجودہ خطرہ قرار نہیں دیا گیا بلکہ اسے ایک ممکنہ مستقبل کے خدشے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

اس قسم کی سرگرمیاں تمام ممالک کرتے ہیں۔ پاکستان کی نظر بھارت کی اسلحہ کی خریداری ترسیل پروڈکشن سے لے کر تمام امور پر مرتکز رہتی ہے اور خطے کے دوسرے ممالک پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہے اور اسی کے مطابق پیش بندی اور منصوبہ بندی کی جاتی ہے اور یہ ایک مسلسل اور فطری اور ضرورت پر مبنی امر ہے۔

تاہم پاکستان نے اس رپورٹ کو فوری طور پر مسترد کرتے ہوئے واضح کیا کہ اس کا جوہری اور میزائل پروگرام مکمل طور پر دفاعی نوعیت کا حامل ہے۔ دفتر خارجہ کے مطابق پاکستان کی اسٹریٹجک پالیسی کا بنیادی مقصد خطے میں توازن برقرار رکھنا اور کسی بھی جارحیت کے خلاف مؤثر دفاع کو یقینی بنانا ہے۔ پاکستان کا مؤقف یہ بھی ہے کہ اس کے سیکیورٹی خدشات کا مرکز جنوبی ایشیا ہے، جہاں اس کا اصل حریف بھارت ہے، نہ کہ امریکہ۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی موجودہ میزائل صلاحیت زیادہ تر علاقائی حدود تک محدود ہے اور اس کا بنیادی مقصد ڈیٹرنس (Deterrence) یعنی دشمن کو حملے سے باز رکھنا ہے

۔ دفاعی ماہرین کے مطابق پاکستان کے پاس فی الوقت ایسی عملی صلاحیت موجود نہیں جو امریکہ کے لیے براہ راست خطرہ بن سکے۔ لہٰذا امریکی رپورٹ میں پیش کیے گئے خدشات زیادہ تر مستقبل کی ممکنہ پیش رفتوں پر مبنی ہیں، نہ کہ موجودہ زمینی حقیقت پر۔

یہ سوال بھی اہم ہے کہ امریکہ اس نوعیت کے خدشات کیوں ظاہر کرتا ہے؟ اس کی ایک بڑی وجہ امریکی پالیسی کا طویل مدتی نقطہ نظر ہے، جس کے تحت وہ آئندہ 10 سے 20 سال کے ممکنہ خطرات کا جائزہ لیتا ہے۔ مزید برآں، جوہری ہتھیار رکھنے والے ممالک کے حوالے سے امریکہ ہمیشہ محتاط رویہ اختیار کرتا ہے، خاص طور پر وہ ممالک جو اس کے قریبی اتحادی نہیں ہیں۔

دوسری جانب، اس رپورٹ کو مکمل طور پر نظر انداز کرنا بھی دانشمندی نہیں ہوگی۔ عالمی سیاست میں بیانیہ (Narrative) ایک اہم کردار ادا کرتا ہے، اور اگر کسی ملک کو بار بار ممکنہ خطرے کے طور پر پیش کیا جائے تو اس کے سفارتی اور معاشی اثرات بھی مرتب ہو سکتے ہیں۔ اس لیے پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف اپنے دفاعی پروگرام کی شفافیت کو یقینی بنائے بلکہ عالمی سطح پر مؤثر سفارت کاری کے ذریعے اپنے مؤقف کو بہتر انداز میں پیش کرے۔

مزید برآں، پاکستان کو چاہیے کہ وہ اپنی پالیسی میں اس بات پر زور دے کہ اس کا اسٹریٹجک پروگرام مکمل طور پر ذمہ دارانہ اور عالمی اصولوں کے مطابق ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ علاقائی امن، اسلحہ کے کنٹرول اور اعتماد سازی کے اقدامات کو فروغ دینا بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

آخر میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ امریکی رپورٹ میں پاکستان کے حوالے سے جو خدشات ظاہر کیے گئے ہیں، وہ زیادہ تر مفروضوں اور مستقبل کے امکانات پر مبنی ہیں۔ تاہم، بدلتی ہوئی عالمی سیاست میں ایسے بیانیے کو سنجیدگی سے لینا اور اس کا مؤثر جواب دینا پاکستان کی خارجہ پالیسی کا اہم تقاضا ہے۔ کیونکہ آج کی دنیا میں طاقت صرف ہتھیاروں سے نہیں بلکہ مؤثر سفارت کاری اور مثبت عالمی تشخص سے بھی حاصل کی جاتی ہے۔

ا



پاکستان کا ایٹمی پروگرام: دفاع، نہ کہ جارحیت

سابق سفارتکار عبد الباسط کے حالیہ انٹرویو میں پیش کیے گئے خیالات ایک انتہائی غیر معمولی اور فرضی صورتحال سے متعلق تھے، جس میں انہوں نے کہا کہ اگر امریکہ یا اسرائیل پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو نشانہ بنائیں تو ردعمل بھارت تک محدود ہو سکتا ہے۔ تاہم خود عبد الباسط نے بھی اس امکان کو "انتہائی غیر ممکن" قرار دیا۔ مگر انڈین حلقوں میں اسے ایک غلط انداز سے پیش کیا جا رہا ہے کہ شاید سابقہ سفیر کا بیان پاکستان کی پالیسی کا ترجمان ہے۔ حالانکہ یہ ان کی ذاتی رائے تھی اور میرے خیال میں ایسے حساس موضوعات پر سابقہ سفارتکاروں کو بات ہی نہیں کرنی چاہیے جس سے خطہ میں بلاوجہ ٹینشن بڑھے۔۔ کیونکہ ان کا یہ بیان پاکستان کی خارجہ پالیسی کے بالکل برعکس عکس ہے۔۔۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی ایٹمی پالیسی "کم از کم قابلِ اعتماد دفاع (Credible Minimum Deterrence)" اور "فل اسپیکٹرم ڈیٹرنس (Full Spectrum Deterrence)" پر مبنی ہے، جس کا مقصد جنگ چھیڑنا نہیں بلکہ دشمن کو روکنا ہے۔

پاکستان ایک ذمہ دار ایٹمی ریاست ہے، جہاں نیشنل کمانڈ اتھارٹی (NCA) کے تحت سخت کنٹرول اور عالمی اصولوں کے مطابق نظام موجود ہے۔

پاکستان کی دفاعی حکمت عملی خطے میں توازن اور امن برقرار رکھنے پر مرکوز ہے، نہ کہ شہری آبادیوں کو نشانہ بنانے یا کشیدگی بڑھانے پر۔ ایسے بیانات کو سرکاری پالیسی نہیں بلکہ ذاتی اور نظریاتی رائے کے طور پر دیکھا جانا چاہیے۔۔ حکومت کو بھی اس قسم کے بیانات دینے پر پابندی لگانی چاہیے اور فارن پالیسی پر صرف حکومت کا موقف سامنے آئے۔ ہر سابقہ سفارتکار کو اپنی اس رائے زنی سے پرہیز کرنا چاہیے جو حکومت کی پالیسی کا حصہ نہیں۔۔۔ وہ ریٹائر ہو کر آرام کریں اور اس وقت جو حاضر سورس سفارتکار موجود ہیں انہیں اپنا کرم کرنے دیں آور اپنی چونچ بند رکھیں۔ میڈیا پر ان ہونے کے اور بھی طریقے ہیں۔



اپنے ذہنی سکون کی حفاظت کریں—ہر شخص ہمدردی کے لائق نہیں ہوتا۔

ایسے لوگوں سے دور رہیں جو اُن مسائل میں خود کو مظلوم ظاہر کرتے ہیں جو انہوں نے خود پیدا کیے ہوتے ہیں۔ ایسے افراد جو ابدہی سے گھبراتے ہیں کیونکہ وہ ہمدردی پر زندہ رہتے ہیں۔ وہ حقیقت کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں، اپنی غلطی کم دکھاتے ہیں اور خود کو زخمی ثابت کر کے نتائج سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا ایک ہی پیٹرن ہوتا ہے: ہمیشہ غلط سمجھے جانے کا شکوہ، ہمیشہ خود کو مظلوم سمجھنا، اور دوسروں کو "زہریلا" قرار دینا—مگر خود کو کبھی نہیں بدلنا۔

مظلومیت کا لبادہ اکثر ایک پوشیدہ چال ہوتا ہے جو آپ کی توانائی کو ختم کرتا اور حقیقت کو مسخ کر دیتا ہے۔ مضبوط اور متوازن لوگ اپنی ذمہ داری قبول کرتے ہیں، اپنی غلطیوں پر غور کرتے ہیں اور خود کو بہتر بناتے ہیں۔ اگر کوئی آپ سے ہمدردی تو چاہے مگر جوابدہی سے انکار کرے، تو اس سے فاصلہ اختیار کرنا سختی نہیں بلکہ خودداری ہے۔ اپنی سکون کو ترجیح دیں— کبھی کبھی دور ہو جانا ہی سب سے دانشمندانہ فیصلہ ہوتا ہے۔



پاکستان کی معیشت میں آورسیز پاکستانیوں کا کردار اور ایران اسرائیل جنگ سے جڑے خدشات

پاکستان کی معیشت ایک عرصے سے بیرونی مالی معاونت اور زرِ مبادلہ کے محدود ذرائع پر انحصار کرتی چلی آ رہی ہے، اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ International Monetary Fund آئی ایم ایف) اور بیرونِ ملک مقیم پاکستانی اس معیشت کے دو بڑے سہارا بن چکے ہیں

۔1958 سے اب تک پاکستان بیس سے زائد مرتبہ آئی ایم ایف کے پروگرامز میں شامل ہو چکا ہے اور مجموعی طور پر تقریباً 30 سے 35 ارب ڈالر سے زائد قرض حاصل کر چکا ہے۔ حالیہ برسوں میں بھی یہی رجحان برقرار ہے؛ 2023 میں 3 ارب ڈالر کا اسٹینڈ بائی معاہدہ کیا گیا جبکہ 2024 میں تقریباً 7 ارب ڈالر کا ایک نیا پروگرام منظور ہوا، جس کے تحت مالی سال 2025–26 میں مزید 1 سے 2 ارب ڈالر قسطوں کی صورت میں ملنے کی توقع ہے۔ اس کے ساتھ کلائمیٹ فنانسنگ کی مد میں تقریباً 1.3 ارب ڈالر بھی شامل ہیں، جو اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ پاکستان اب بھی اپنے مالی استحکام کے لیے بیرونی سہاروں کا محتاج ہے۔

دوسری جانب اگر پاکستان کی معیشت میں کوئی عنصر سب سے زیادہ مضبوط اور قابلِ اعتماد ثابت ہوا ہے تو وہ بیرونِ ملک پاکستانیوں کی ترسیلاتِ زر ہیں۔ مالی سال 2024–25 میں یہ ترسیلات 38.3 ارب ڈالر کی ریکارڈ سطح تک پہنچ گئیں، جبکہ مالی سال 2025–26 میں ان کے 42 سے 43 ارب ڈالر تک جانے کی توقع ظاہر کی جا رہی ہے۔ صرف جولائی سے فروری 2026 کے دوران ہی 26.49 ارب ڈالر موصول ہو چکے ہیں، جو اس رجحان کی مضبوطی کا واضح ثبوت ہیں۔ ان ترسیلات میں خلیجی ممالک کا کردار سب سے نمایاں ہے، جہاں سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور دیگر ریاستوں میں کام کرنے والے پاکستانی کل ترسیلات کا 50 سے 60 فیصد حصہ پاکستان

بھیجتے ہیں۔ اندازاً 1 کروڑ 40 لاکھ پاکستانی بیرون ملک مقیم ہیں جن میں سے تقریباً 45 لاکھ مشرقِ وسطیٰ میں کام کر رہے ہیں، یوں پاکستان کی معیشت کا ایک بڑا حصہ براہِ راست خلیجی خطے سے جڑا ہوا ہے۔

تاہم حالیہ عالمی حالات، خصوصاً United States ، Iran اور Israel کے درمیان بڑھتی ہوئی کشیدگی، اس انحصار کو ایک نئے خطرے سے دوچار کر رہی ہے۔ اگرچہ موجودہ صورتحال میں پاکستان نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ اس کشیدگی کا اثر ابھی محدود ہے اور ترسیلاتِ زر میں کوئی نمایاں کمی دیکھنے میں نہیں آئی، لیکن یہ استحکام عارضی بھی ہو سکتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں کسی بھی بڑے تنازع کے اثرات نہ صرف علاقائی بلکہ عالمی معیشت پر بھی مرتب ہوتے ہیں، اور پاکستان جیسی معیشتیں ان سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔

اگر یہ کشیدگی طویل جنگ کی شکل اختیار کر لیتی ہے تو اس کے اثرات کئی جہتوں میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ سب سے پہلے خلیجی ممالک کی معیشت متاثر ہو سکتی ہے، جہاں تعمیرات اور خدمات کے شعبے سست روی کا شکار ہو جائیں گے، جس کا براہِ راست اثر وہاں کام کرنے والے پاکستانی مزدوروں پر پڑے گا۔ ایسی صورت میں ترسیلاتِ زر میں 5 سے 20 فیصد تک کمی واقع ہو سکتی ہے، جو موجودہ اندازوں کے مطابق 2 سے 8 ارب ڈالر تک کے نقصان کے برابر ہو گی۔ مزید برآں، پاکستان کی تقریباً 90 فیصد تجارت سمندری راستوں سے ہوتی ہے، اور اگر آبنائے ہرمز جیسے اہم تجارتی راستے متاثر ہوتے ہیں تو نہ صرف درآمدی لاگت میں اضافہ ہو گا بلکہ زرِ مبادلہ کے ذخائر پر بھی دباؤ بڑھے گا۔

اس کے نتیجے میں ملکی کرنسی پر دباؤ بڑھنا ناگزیر ہو گا، روپے کی قدر میں کمی آئے گی اور مہنگائی میں اضافہ ہو گا، جو پہلے ہی عام آدمی کے لیے ایک سنگین مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ یوں ایک طرف زرِ مبادلہ کی آمد میں کمی اور دوسری طرف درآمدی اخراجات میں اضافہ، معیشت کو دوہری مشکل میں مبتلا کر سکتا ہے۔ ان حالات میں یہ حقیقت مزید واضح ہو جاتی ہے کہ پاکستان کی معیشت دو بنیادی ستونوں، یعنی آئی ایم ایف کی مالی معاونت اور ترسیلاتِ زر، پر کھڑی ہے، اور ان میں سے کسی ایک میں بھی خلل پورے نظام کو ہلا کر رکھ سکتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان وقتی سہارا دینے والے بیرونی ذرائع پر انحصار کم کرتے ہوئے اپنی برآمدات بڑھانے، صنعتی پیداوار کو فروغ دینے اور مقامی وسائل کو مؤثر انداز میں استعمال کرنے کی جانب توجہ دے۔ کیونکہ اگر مشرقِ وسطیٰ کی صورتحال مزید بگڑتی ہے تو سب سے بڑا نقصان پاکستان کے زرِ مبادلہ کو ہو گا، اور یہی وہ شعبہ ہے جو اس وقت ملکی معاشی استحکام کی بنیاد بنا ہوا ہے



سعودی عرب میں بھیک مانگنے کی ممانعت اور پاکستانی بھکاریوں کا مسئلہ

سعودی عرب میں بھیک مانگنا ایک سنگین قانونی جرم ہے جس پر سخت پابندی عائد ہے۔ وہاں کے قوانین کے تحت بھیک مانگنے والوں کو جرمانے اور قید کی سزائیں دی جاتی ہیں، جبکہ غیر ملکی افراد کو سزا کے بعد ملک بدر بھی کر دیا جاتا ہے۔ حالیہ برسوں میں سعودی حکومت نے پیشہ ور بھکاریوں اور ان کے منظم نیٹ ورکس کے خلاف بڑے پیمانے پر کریک ڈاؤن کیا ہے، جس کا مقصد اس سماجی برائی کا مکمل خاتمہ ہے۔

حالیہ رپورٹس اور سرکاری بیانات کے مطابق سعودی عرب میں پاکستانی شہریوں پر مشتمل منظم بھکاری نیٹ ورکس کے خلاف بڑے پیمانے پر کریک ڈاؤن کیا گیا ہے۔ اس کارروائی کے نتیجے میں تقریباً 56 ہزار پاکستانیوں کو بھیک مانگنے اور ویزا خلاف ورزیوں پر ڈی پورٹ کیا گیا۔ سینیٹ کی قائمہ کمیٹی کے مطابق گرفتار ہونے والے بھکاریوں میں تقریباً 90 فیصد کا تعلق پاکستان سے ہے۔ یہ بھی انکشاف ہوا کہ کئی افراد عمرہ یا حج ویزے پر جا کر مکہ اور مدینہ جیسے شہروں میں پیشہ ورانہ بھیک مانگنے میں ملوث پائے گئے، جبکہ مدینہ پولیس نے مسجد نبویؐ کے قریب متعدد افراد کو گرفتار کیا۔

مزید برآں، پاکستانی حکام نے بھی اس رجحان کو روکنے کے لیے سخت اقدامات کیے ہیں۔ تقریباً 4 ہزار افراد کے پاسپورٹ سات سال کے لیے بلاک کیے گئے جبکہ 66 ہزار سے زائد مشتبہ مسافروں کو ایئرپورٹس پر بیرون ملک جانے سے روک دیا گیا۔ ملتان ایئرپورٹ پر بھی کچھ خواتین کو اس وقت گرفتار کیا گیا جب وہ سفر کے لیے مالی وسائل ثابت نہ کر سکیں۔ اس کے علاوہ 2025 میں نئی قانون سازی کے ذریعے ایسے نیٹ ورکس چلانے والے عناصر کے خلاف سخت سزائیں متعارف کروائی گئی ہیں۔

سعودی عرب اور پاکستان دونوں نے منظم بھکاری مافیا کے خلاف سخت کارروائیاں تیز کر دی ہیں، جن میں بڑے پیمانے پر گرفتاریاں، ڈی پورٹیشن، سفری پابندیاں اور نئی قانون سازی شامل ہیں، تاکہ اس مسئلے پر قابو پایا جا سکے اور ملک کی بین الاقوامی ساکھ کو بہتر بنایا جا سکے۔۔ علاوہ ازیں یہ مسئلہ محض قانونی نہیں بلکہ سماجی اور بین الاقوامی نوعیت کا حامل ہے۔ اس کے مؤثر حل کے لیے دونوں ممالک کے درمیان تعاون، سخت نگرانی، اور عوامی شعور کی بیداری ناگزیر ہے تاکہ اس منظم برائی کا خاتمہ ہو اور پاکستان کی عالمی ساکھ کو بہتر بنایا جا سکے



National Child Exploitation Awareness Day – 18 March

National Child Exploitation Awareness Day, observed annually on 18th March, is dedicated to raising awareness about the alarming issue of child exploitation in all its forms, including child labor, trafficking, abuse, online exploitation, and forced marriage. The day serves as a reminder of society's collective responsibility to safeguard children's rights and ensure their protection, dignity, and well-being.

The background of this observance is rooted in growing global concern over increasing cases of child exploitation, particularly with the expansion of digital platforms and socio-economic vulnerabilities. Governments, international organizations, and civil society—including bodies like UNICEF and International Labour Organization—have consistently emphasized the need for awareness campaigns to educate communities about recognizing, preventing, and reporting exploitation. This day aligns with broader international frameworks such as the United

Nations Convention on the Rights of the Child, which guarantees children protection from all forms of abuse and exploitation.

The primary purpose of National Child Exploitation Awareness Day is to educate, prevent, and mobilize action. It aims to inform parents, educators, and communities about warning signs, promote child protection policies, and encourage reporting mechanisms. It also seeks to empower children by promoting safe environments and awareness of their rights. Through seminars, media campaigns, school programs, and policy dialogues, the day reinforces a unified message: every child deserves a safe and secure childhood free from exploitation.In essence, this observance is not merely symbolic but a call to sustained action—urging governments, institutions, and individuals to strengthen legal frameworks, enhance vigilance, and foster a culture where the protection of children remains a top priority.

قومی یومِ آگاہی برائے استحصالِ اطفال– 18 مارچ ہر سال اس عزم کے ساتھ منایا جاتا ہے کہ بچوں کے استحصال کی سنگین صورتوں—جیسے چائلڈ لیبر، انسانی اسمگلنگ، جسمانی و ذہنی زیادتی، آن لائن استحصال اور جبری شادی—کے خلاف شعور اجاگر کیا جائے۔ یہ دن معاشرے کو یاد دلاتا ہے کہ بچوں کے حقوق کا تحفظ، ان کی عزتِ نفس اور فلاح و بہبود یقینی بنانا ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔

اس دن کے پس منظر میں عالمی سطح پر بڑھتے ہوئے استحصال کے واقعات اور خاص طور پر ڈیجیٹل پلیٹ فارمز کے پھیلاؤ کے باعث نئے خطرات شامل ہیں۔ حکومتیں، بین الاقوامی ادارے اور سماجی تنظیمیں—جیسے یونیسف اور انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن— مسلسل اس بات پر زور دیتے ہیں کہ عوام میں آگاہی پیدا کی جائے تاکہ استحصال کی نشاندہی، روک تھام اور بروقت رپورٹنگ ممکن ہو۔ یہ دن اقوامِ متحدہ کے بچوں کے حقوق کے کنونشن کے اصولوں سے بھی ہم آہنگ ہے، جو ہر بچے کو ہر قسم کے استحصال سے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔

اس دن کا بنیادی مقصد آگاہی، روک تھام اور عملی اقدام کو فروغ دینا ہے۔ اس کے تحت والدین، اساتذہ اور معاشرے کو خطرے کی علامات سے آگاہ کیا جاتا ہے، بچوں کے تحفظ سے متعلق پالیسیوں کو تقویت دی جاتی ہے، اور رپورٹنگ کے مؤثر نظام کو فروغ دیا جاتا ہے۔ سیمینارز، تعلیمی پروگرامز اور میڈیا مہمات کے ذریعے یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ ہر بچے کو محفوظ اور باعزت بچپن کا حق حاصل ہے، اور اس کے تحفظ کے لیے مسلسل اور مشترکہ کوششیں ناگزیر ہیں۔



GO ON SMILING TO DEFEAT THE WORRIES IN LIFE

اپنی مسکراہٹ کو ثابت قدمی اور وقار کے ساتھ برقرار رکھیں — کیونکہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا

جب زندگی خود آپ کی قوت، استقامت اور حوصلے کو آزما کر تھک جائے گی۔ اور تمام تکالیف اور مصائب کو شکست ہو گی۔



GOOD NEWS FOR PAKISTANI NET USERS

پاکستان میں دوروزہ 5 G اسپیکٹرم نیلامی کے دوران تین بڑی ٹیلی کمیونیکیشن کمپنیوں نے حصہ لیا جن میں Jazz ، Ufone اور Zong شامل ہیں۔ نیلامی میں مجموعی طور پر تقریباً 480 میگاہرٹز اسپیکٹرم فروخت ہوا جس سے حکومت کو تقریباً 507 ملین ڈالر کی آمدن حاصل ہوئی۔ اس نیلامی میں Jazz سب سے بڑا خریدار رہا جس نے 190 میگاہرٹز اسپیکٹرم حاصل کیا، جبکہ Ufone نے 180 میگاہرٹز اور Zong نے 110 میگاہرٹز اسپیکٹرم خریدا۔

۔5 G سروس تیز رفتار انٹرنیٹ 4G کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ رفتار فراہم کرتی ہے اور اس کے ذریعے اسمارٹ سٹیز، خودکار ٹرانسپورٹ، ٹیلی میڈیسن، صنعتی خودکاری اور انٹرنیٹ آف تھنگز (IoT) جیسی جدید سہولیات کو فروغ ملتا ہے، جو ڈیجیٹل معیشت کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

پاکستان میں 5 G خدمات کے آغاز میں کئی سال تاخیر رہی جس کی بنیادی وجوہات ٹیلی کام شعبے کی مالی مشکلات، اسپیکٹرم کی بلند قیمتیں، ریگولیٹری پیچیدگیاں اور معاشی چیلنجز تھے۔ تاہم

یہ پیش رفت پاکستان کی ڈیجیٹل معیشت کے لیے ایک اہم سنگ میل سمجھی جا رہی ہے۔ تیز رفتار انٹرنیٹ آئی ٹی انڈسٹری، فری لانسنگ، ای کامرس اور ڈیجیٹل گورننس کو فروغ دے سکتا ہے اور غیر ملکی سرمایہ کاری کو بھی متوجہ کر سکتا ہے۔ تاہم مکمل 5 G نظام کے قیام کے لیے ٹیلی کام کمپنیوں کو نیٹ ورک اپ گریڈ، فائبر آپٹک توسیع اور نئے ٹاورز کی تنصیب پر اربوں ڈالر خرچ کرنا ہوں گے، جبکہ سستے 5 G موبائل فون اور مستحکم حکومتی پالیسی بھی اس ٹیکنالوجی کے وسیع استعمال کے لیے ضروری ہو گی۔ مجموعی طور پر 5 G کا آغاز پاکستان کے تکنیکی اور معاشی مستقبل کے لیے ایک اہم قدم قر

IS PAKISTAN ADOPTING "SECURTIZATION" IN RAISING LOAN FROM SAUDI ARABIA ON THE REMITTANCE OF OVERSEAS EMPLOYEES ??

A hard talk is going on in TV channels that Pakistan is going to take loan from Saudi Arabia on the future remittances of overseas workers under Secrutization policy.

The concept of Securitization has recently become a subject of debate in economic circles in Pakistan, particularly in the context of the country's efforts to manage external financing needs and strengthen foreign exchange reserves. Securitization generally refers to a financial mechanism in which future revenue streams—such as remittances, toll revenues, or other predictable cash flows—are used as collateral to raise immediate funds from investors. Some policymakers and economists have discussed the possibility of Pakistan using future remittance inflows or revenues from public infrastructure as part of such financing arrangements to obtain quick foreign currency.

However, it is important to note that Pakistan's current financial cooperation with Saudi Arabia does not primarily take the form of securitized financing. Instead, Saudi support has largely been provided through central bank deposits in the State Bank of Pakistan, oil supply on deferred payment facilities, and broader investment initiatives.

At the same time, the government has explored policies such as asset monetization and the establishment of the Pakistan Sovereign Wealth Fund to attract foreign investment in sectors like mining, energy, and infrastructure—projects that may involve partnerships in areas such as Reko Diq and Gwadar Port.

Within Pakistan's policy debate, supporters argue that structured financing and asset monetization can provide quick liquidity, lower borrowing costs, and attract long-term foreign investment. Critics, however, caution that excessive reliance on such mechanisms could tie up future national revenues and increase financial vulnerability. Consequently, the discussion around securitization reflects a broader

question in Pakistan's economic policy: how to balance immediate financial stabilization with long-term economic sovereignty and sustainable growth.

پاکستان میں یہ بحث زور پکڑ رہی ہے کہ کیا سعودی عرب سے قرضہ حاصل کرنے کے لیے پاکستان "سیکورٹائزیشن" کے طریقہ کار کو اپنا رہا ہے۔ ٹی وی چینلز پر اس موضوع پر سخت گفت وشنید ہو رہی ہے کہ مستقبل میں بیرون ملک پاکستانی ورکروں کی ترسیلاتِ زر کو بطور ضمانت استعمال کرتے ہوئے قرضہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

سیکورٹائزیشن ایک مالیاتی تصور ہے جس کے تحت مستقبل کے متوقع آمدنی کے ذرائع ــــ جیسا کہ ترسیلات، ٹول محصولات یا دیگر متوقع نقد بہاؤ ــــ کو سرمایہ کاروں سے فوری فنڈز حاصل کرنے کے لیے ضمانت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ پاکستان کے بعض پالیسی ساز اور ماہرینِ معیشت نے یہ امکان زیرِ غور لایا ہے کہ مستقبل کی ترسیلات یا عوامی انفراسٹرکچر سے حاصل ہونے والی آمدنی کو اس قسم کے مالیاتی انتظامات کے لیے استعمال کر کے فوری غیر ملکی کرنسی حاصل کی جاسکتی ہے۔

تاہم یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ سعودی عرب کے ساتھ موجودہ مالی تعاون بنیادی طور پر سیکورٹائزڈ قرض کی شکل میں نہیں ہے۔ سعودی مدد زیادہ تر اسٹیٹ بینک آف پاکستان میں ڈپازٹس، تیل کی فراہمی برائے مؤخر الادائیگی، اور دیگر سرمایہ کاری اقدامات کے ذریعے فراہم کی گئی ہے۔ حکومت نے اثاثوں کی مالیت کو سرمایہ کاری میں بدلنے اور پاکستان سوورین ویلتھ فنڈ کے قیام جیسے اقدامات بھی زیرِ غور رکھے ہیں تاکہ معدنیات، توانائی اور انفراسٹرکچر جیسے شعبوں میں غیر ملکی سرمایہ کاری کو راغب کیا جاسکے، جیسے کہ ریکو ڈیک اور گوادر پورٹ میں ممکنہ شراکت داری۔

معاشی حلقوں میں اس پالیسی پر بحث جاری ہے؛ حمایتی کہتے ہیں کہ منظم مالیاتی انتظام اور اثاثوں کی مالیت سے فوری لیکویڈیٹی، کم سود کی لاگت اور طویل مدتی غیر ملکی سرمایہ کاری حاصل کی جاسکتی ہے۔ جبکہ ناقدین خبردار کرتے ہیں کہ اس پر زیادہ انحصار مستقبل کی قومی آمدنی کو محدود کر سکتا ہے اور مالی کمزوری بڑھا سکتا ہے۔ یوں سیکورٹائزیشن پر گفتگو پاکستان کی اقتصادی پالیسی میں ایک وسیع سوال کو اجاگر کرتی ہے: فوری مالی استحکام کو طویل مدتی اقتصادی خود مختاری اور پائیدار ترقی کے ساتھ کس طرح متوازن کیا جائے۔



ایران کے بارے میں سابق سفیر نائلہ چوہان کے خیالات اور پاکستان کی خارجہ پالیسی۔

سابق پاکستانی سفیر نائلہ چوہان نے مختلف ٹی وی پروگراموں اور تجزیاتی نشستوں میں مشرقِ وسطیٰ کی سیاست اور خصوصاً ایران کے کردار پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان کے بیانات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ ایران کو خطے کی ایک اہم اور بااثر طاقت سمجھتی ہیں جو کئی دہائیوں سے بین الاقوامی دباؤ اور علاقائی کشیدگی کا سامنا کر رہی ہے۔ ان کے مطابق ایران نے معاشی پابندیوں اور سیاسی دباؤ کے باوجود اپنی دفاعی اور سفارتی صلاحیت کو برقرار رکھا ہے اور وہ اپنے قومی مفادات اور خود مختاری کے تحفظ کے لیے مضبوط مؤقف اختیار کرتا ہے۔

نائلہ چوہان کے مطابق ایران اور اسرائیل کے درمیان کشیدگی دراصل مشرقِ وسطیٰ میں طاقت کے توازن کی جدوجہد کا حصہ ہے۔ ان کے خیال میں اسرائیل ایران کے بڑھتے ہوئے علاقائی اثر و رسوخ کو اپنے لیے خطرہ سمجھتا ہے، جبکہ ایران خود کو خطے میں ایک مزاحمتی قوت کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اسی تناظر میں وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ امریکہ کی مشرقِ وسطیٰ کی پالیسیوں نے بھی اس کشیدگی کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے، کیونکہ بڑی طاقتوں کی جغرافیائی سیاست اکثر خطے کے تنازعات کو پیچیدہ بنا دیتی ہے۔

تاہم نائلہ چوہان کے بیانات کو بعض حلقوں نے اس لیے متنازع قرار دیا کہ ان میں بعض اوقات ایران کے مؤقف کو نسبتاً ہمدردی کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ ناقدین کے مطابق پاکستان کی خارجہ پالیسی عموماً زیادہ محتاط اور متوازن ہوتی ہے، کیونکہ پاکستان کو ایک طرف ایران کے ساتھ ہمسایہ ہونے کے ناطے قریبی تعلقات برقرار رکھنے ہوتے ہیں اور دوسری طرف خلیجی ممالک اور مغربی دنیا کے ساتھ بھی اہم سفارتی اور اقتصادی روابط قائم رکھنے ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی سرکاری خارجہ پالیسی عمومی طور پر توازن، سفارت کاری اور خطے میں کشیدگی کم کرنے پر مبنی ہے۔ پاکستان ایران کے ساتھ سرحدی تعاون، تجارت اور توانائی کے شعبوں میں تعلقات کو فروغ دینا چاہتا ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ خطے کے دیگر اتحادیوں کے ساتھ بھی اپنے تعلقات کو برقرار رکھنا ضروری سمجھتا ہے۔ اسی وجہ سے پاکستان کسی ایک فریق کی کھلی حمایت کے بجائے مذاکرات اور سفارتی حل پر زور دیتا ہے۔

آخر میں یہ بات بھی اہم ہے کہ نائلہ چوہان اس وقت سرکاری عہدے پر فائز نہیں بلکہ ایک سابق سفارتکار اور تجزیہ کار کے طور پر اپنی آراء پیش کرتی ہیں۔ اس لیے ان کے بیانات کو پاکستان کی سرکاری پالیسی کے بجائے ایک تجربہ کار سفارتکار کے تجزیے اور ذاتی نقطۂ نظر کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ تاہم ان کی آراء خطے کی سیاست کو سمجھنے میں ایک اہم سفارتی زاویہ ضرور فراہم کرتی ہیں۔

دوسری طرف پاکستانی وزیر قانون اعظم نذیر تارڑ نے موجودہ خلیجی اور ایرانی کشیدگی کے تناظر میں کہا ہے کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی کے بارے میں غیر ضروری قیاس آرائیوں سے گریز کیا جانا چاہیے۔ ان کے مطابق مشرقِ وسطیٰ کی صورتحال نہایت حساس ہے اور پاکستان کے ایران، سعودی عرب اور دیگر خلیجی ممالک کے ساتھ قریبی سفارتی تعلقات ہیں، اس لیے ایسے معاملات پر محتاط اور ذمہ دارانہ انداز میں بات کرنا ضروری ہے۔

انہوں نے واضح کیا کہ اظہارِ رائے کی آزادی ہر شہری کا حق ہے، تاہم یہ حق آئین اور قومی مفادات کی حدود کے اندر رہ کر استعمال ہونا چاہیے۔ وزیر قانون کے مطابق خارجہ پالیسی سے متعلق حتمی فیصلے ریاست اور حکومت کی سطح پر کیے جاتے ہیں، جبکہ پاکستان خطے میں کشیدگی کم کرنے اور مسائل کو سفارتی ذرائع سے حل کرنے کی حمایت کرتا



بین الاقوامی یومِ خواتین (8 مارچ)

بین الاقوامی یومِ خواتین ہر سال 8 مارچ کو دنیا بھر میں منایا جاتا ہے۔ اس دن کا مقصد خواتین کی سماجی، معاشی، ثقافتی اور سیاسی کامیابیوں کو تسلیم کرنا اور مرد و زن کے درمیان مساوی حقوق کے فروغ کے لیے آواز بلند کرنا ہے۔

اس دن کی ابتدا بیسویں صدی کے آغاز میں ہوئی جب یورپ اور شمالی امریکہ میں خواتین نے بہتر کام کے حالات، مناسب اجرت اور حقِ رائے دہی کے لیے تحریکیں شروع کیں۔ 1908ء میں نیویارک میں تقریباً پندرہ ہزار خواتین نے کم اوقاتِ کار، بہتر تنخواہ اور ووٹ کے حق کے لیے مارچ کیا۔ اسی تحریک سے متاثر ہو کر جرمن سماجی کارکن کلارا زیٹکن نے 1910ء میں کوپن ہیگن میں منعقدہ بین الاقوامی سوشلسٹ خواتین کانفرنس میں عالمی یومِ خواتین منانے کی تجویز پیش کی، جسے منظور کر لیا گیا۔ اس کے بعد پہلی مرتبہ 1911ء میں چند یورپی ممالک میں یہ دن منایا گیا۔

بعد ازاں 1975ء میں اقوامِ متحدہ نے بین الاقوامی سالِ خواتین کے موقع پر اس دن کو باضابطہ طور پر عالمی سطح پر منانا شروع کیا، جس کے بعد اس کی اہمیت مزید بڑھ گئی۔

بین الاقوامی یومِ خواتین کے بنیادی مقاصد میں خواتین کی مختلف شعبوں میں خدمات کو سراہنا، صنفی مساوات کو فروغ دینا، خواتین کو درپیش مسائل جیسے امتیازی سلوک، اجرت میں فرق، تشدد اور تعلیم و صحت تک محدود رسائی کے بارے میں آگاہی پیدا کرنا شامل ہے۔

آج یہ دن دنیا بھر میں کانفرنسوں، آگاہی مہمات، تعلیمی پروگراموں اور سماجی سرگرمیوں کے ذریعے منایا جاتا ہے۔ یہ نہ صرف خواتین کی کامیابیوں کا اعتراف ہے بلکہ اس بات کی یاد دہانی بھی ہے کہ صنفی مساوات کے حصول کی جدوجہد ابھی جاری ہے



پاکستان میں تیل کی قیمتیں کیسے طے ہوتی ہیں اور بین الاقوامی منڈی سے یہ کیوں زیادہ ہوتی ہیں؟؟

پاکستان میں پیٹرولیم مصنوعات خصوصاً پیٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں کا تعین ایک باقاعدہ طریقہ کار کے تحت کیا جاتا ہے، جس میں بین الاقوامی مارکیٹ کی صورتحال، درآمدی اخراجات، حکومتی محصولات اور ترسیلی اخراجات سب شامل ہوتے ہیں۔ چونکہ پاکستان اپنی توانائی کی ضروریات کا بڑا حصہ بیرونِ ملک سے درآمد کرتا ہے، اس لیے عالمی منڈی میں تیل کی قیمتوں میں ہونے والی معمولی تبدیلی بھی براہِ راست ملک کی معیشت اور عوامی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی لیے پیٹرول کی قیمت کا تعین محض عالمی قیمت پر نہیں بلکہ کئی مختلف عوامل کو مدنظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں پیٹرولیم مصنوعات کی قیمت مقرر کرنے کا بنیادی فریم ورک پیٹرولیم مصنوعات رولز 1967 کے تحت قائم ہے۔ اس کے مطابق حکومت، متعلقہ اداروں کی سفارشات کی بنیاد پر ہر پندرہ روز بعد قیمتوں کا جائزہ لیتی ہے۔ اس عمل میں بنیادی حوالہ عالمی منڈی میں موجود تیل کی قیمت ہوتی ہے جسے Platts FOB کے پندرہ روزہ اوسط سے ناپا جاتا ہے۔ چونکہ پاکستان اپنی ضروریات کا تقریباً 80 سے 85 فیصد خام تیل اور ریفائن شدہ مصنوعات بیرونِ ملک سے حاصل کرتا ہے، اس لیے عالمی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ مقامی قیمتوں میں براہِ راست منتقل ہو جاتا ہے۔

پیٹرول کی قیمت کا پہلا اور بنیادی جزو عالمی منڈی میں تیل کی قیمت یا ایکس ریفائنری لاگت ہوتی ہے۔ یہ وہ قیمت ہے جس پر پاکستان پیٹرولیم مصنوعات عالمی مارکیٹ سے خریدتا ہے۔ اس کے بعد درآمدی اخراجات شامل کیے جاتے ہیں جن میں شپنگ، انشورنس، بندرگاہی اخراجات اور ہینڈلنگ شامل ہوتے ہیں۔ یہ وہ لاگت ہے جو تیل کو خلیجی ممالک یا دیگر سپلائر ممالک سے پاکستان کی بندرگاہوں تک لانے میں صرف ہوتی ہے۔

اس کے بعد حکومت کی طرف سے عائد کردہ محصولات شامل کیے جاتے ہیں جن میں سب سے اہم پیٹرولیم لیوی ہے۔ یہ فی لیٹر کے حساب سے وصول کی جاتی ہے اور حکومت کے لیے ایک بڑی مالی آمدنی کا ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات کسٹم ڈیوٹی یا ریگولیٹری ڈیوٹی اور ماحولیاتی تحفظ کے لیے کلائمیٹ یا کاربن لیوی بھی شامل کی جاتی ہے۔ ان محصولات سے حاصل ہونے والی آمدنی حکومت ترقیاتی منصوبوں، بجٹ خسارے کے انتظام اور دیگر مالیاتی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے استعمال کرتی ہے۔

قیمت کے تعین میں ایک اہم عنصر ان لینڈ فریٹ ایکولائزیشن مارجن (IFEM) بھی ہے۔ چونکہ پاکستان میں کچھ علاقے بندرگاہوں یا ریفائنریوں سے بہت دور واقع ہیں، اس لیے وہاں تک پیٹرولیم مصنوعات پہنچانے کی لاگت زیادہ ہوتی ہے۔ IFEM کے ذریعے ان اخراجات کو متوازن رکھا جاتا ہے تاکہ ملک کے تمام علاقوں میں پیٹرول اور ڈیزل تقریباً یکساں قیمت پر دستیاب رہیں۔

اسی طرح پیٹرول کی حتمی قیمت میں آئل مارکیٹنگ کمپنیوں (OMCs) کا مارجن اور پٹرول پمپ ڈیلرز کا کمیشن بھی شامل ہوتا ہے۔ آئل مارکیٹنگ کمپنیاں ذخیرہ کرنے، نقل و حمل اور سپلائی کے نظام کو برقرار رکھنے کے اخراجات اور منافع کے طور پر اپنا حصہ حاصل کرتی ہیں، جبکہ پٹرول پمپ مالکان کو فی لیٹر فروخت پر ایک مقررہ کمیشن دیا جاتا ہے۔

اگر پاکستان میں حالیہ قیمتوں کی مثال لی جائے تو مارچ 2026 میں پیٹرول کی قیمت تقریباً 320 سے 321 روپے فی لیٹر تک پہنچ گئی، جس میں تقریباً 55 روپے فی لیٹر اضافہ کیا گیا۔ اس قیمت کے اندر عالمی قیمت یا ایکس ریفائنری لاگت تقریباً 155 سے 170 روپے فی لیٹر کے درمیان ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ تقریباً 9 روپے فی لیٹر ان لینڈ فریٹ اخراجات، 7.87 روپے آئل مارکیٹنگ کمپنیوں کا مارجن اور 8.64 روپے پٹرول پمپ ڈیلرز کا کمیشن شامل ہوتا ہے۔ حکومتی محصولات میں تقریباً 79 سے 80 روپے فی لیٹر پیٹرولیم لیوی اور تقریباً 2.5 روپے کلائمیٹ یا کاربن لیوی شامل ہوتی ہے۔ اس طرح مجموعی طور پر حکومت کو ایک لیٹر پیٹرول پر تقریباً 80 سے 85 روپے تک محصولات کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں۔

حالیہ قیمتوں میں اضافے کی بنیادی وجوہات میں عالمی سطح پر تیل کی قیمتوں میں اضافہ، مشرقِ وسطیٰ میں جغرافیائی سیاسی کشیدگی اور پاکستان کی درآمدی انحصار والی توانائی کی ساخت شامل ہیں۔ چونکہ پاکستان کا بیشتر تیل خلیجی ممالک سے آتا ہے، اس لیے عالمی سپلائی میں خلل یا سیاسی کشیدگی براہِ راست مقامی قیمتوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس کے ساتھ حکومت کی جانب سے پیٹرولیم لیوی کو برقرار رکھنے یا بڑھانے کا فیصلہ بھی قیمتوں میں اضافے کا ایک اہم سبب بنتا ہے۔

مجموعی طور پر اگر پیٹرول کی قیمت کے ڈھانچے کو دیکھا جائے تو تقریباً 50 سے 55 فیصد حصہ عالمی قیمت پر مشتمل ہوتا ہے، تقریباً 25 فیصد کے قریب حصہ حکومتی ٹیکس اور لیویز پر مشتمل ہوتا ہے، جبکہ باقی حصہ آئل کمپنیوں کے مارجن، ڈیلر کمیشن اور ترسیلی اخراجات پر مشتمل ہوتا ہے۔

نتیجتاً پاکستان میں پیٹرولیم مصنوعات کی قیمت محض عالمی تیل کی قیمت کا عکس نہیں بلکہ ایک پیچیدہ مالیاتی و انتظامی نظام کا نتیجہ ہوتی ہے جس میں بین الاقوامی منڈی، درآمدی اخراجات، حکومتی مالیاتی پالیسی اور ملکی ترسیلی ڈھانچہ سب اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عالمی منڈی میں معمولی تبدیلی بھی پاکستان میں پیٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں اور بالآخر معیشت و عوامی زندگی پر نمایاں اثرات مرتب کرتی ہے۔



پاکستان میں توانائی بحران کی حقیقت اور ابنائے ہرمز کی بندش سے جڑے خدشات اور ممکنہ حل

اوگرا کے مطابق پاکستان میں پیٹرول اور ڈیزل کے وافر ذخائر موجود ہیں اور ملک میں ایندھن کی کسی فوری قلت کا خدشہ نہیں، لہٰذا عوام کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ دوسری جانب پیٹرولیم ڈیلرز کا کہنا ہے کہ ایندھن کی سپلائی میں تقریباً پچاس فیصد تک کمی واقع ہو چکی ہے، جس کے باعث بعض علاقوں میں پمپ خالی ہونے کے خدشات پیدا ہو رہے ہیں۔(اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ حکومت اب ہر ہفتے قیمتوں میں ردوبدل کیا کرے گی اور آج 55 روپے فی لٹر تیل کی قیمت میں اضافہ متوقع ہے تو مصنوعی ذخیرہ اندوزی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا) صورتحال اور بڑھتی ہوئی کشیدگی کے باعث صارفین احتیاطاً زیادہ مقدار میں ایندھن خریدنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حکام نے واضح کیا ہے کہ ذخیرہ اندوزی اور مصنوعی قلت پیدا کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ تاہم عوام کے نزدیک حکومت حقائق چھپا رہی ہے کیونکہ توانائی کے عالمی بحران سے پاکستان کیسے محفوظ رہ سکتا ہے کیونکہ۔۔۔۔۔

دنیا کی توانائی کی ترسیل میں خلیج فارس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور اس خطے کا سب سے اہم سمندری راستہ آبنائے ہرمز ہے۔ یہ تنگ مگر انتہائی اہم گزرگاہ خلیج فارس کو بحر عمان اور بحر ہند سے ملاتی ہے۔ عالمی اندازوں کے مطابق دنیا کے تقریباً بیس فیصد تیل اور بڑی مقدار میں مائع قدرتی گیس اسی راستے سے عالمی منڈیوں تک پہنچتی ہے۔ اس لیے اگر کسی جنگ یا کشیدگی کے باعث اس راستے کو بند کر دیا جائے تو اس کے اثرات صرف خلیجی ممالک تک محدود نہیں رہتے بلکہ پوری دنیا کی معیشت متاثر ہوتی ہے۔ پاکستان بھی ان ممالک میں شامل ہے جو اس صورتحال سے براہِ راست متاثر ہو سکتے ہیں۔

پاکستان کی معیشت اور توانائی کا نظام بڑی حد تک درآمدی تیل پر منحصر ہے۔ ملک میں استعمال ہونے والے تیل کا بڑا حصہ خلیجی ممالک سے درآمد کیا جاتا ہے اور یہ سپلائی زیادہ تر آبنائے ہرمز ہی کے راستے پاکستان پہنچتی ہے۔ اگر یہ گزرگاہ بند ہو جائے تو نئی سپلائی رک سکتی ہے جس سے توانائی کے شعبے میں دباؤ پیدا ہونے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔

سرکاری اندازوں کے مطابق پاکستان کے پاس عام حالات میں پیٹرول اور ڈیزل کا تقریباً 25 سے 28 دن تک کا ذخیرہ موجود ہوتا ہے، جبکہ خام تیل کا ذخیرہ تقریباً 10 سے 12 دن تک کی ضروریات پوری کر سکتا ہے۔ اسی طرح مائع گیس (LPG) کا ذخیرہ تقریباً دو ہفتوں کے قریب ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آبنائے ہرمز کی بندش اچانک ہو جائے تو پاکستان فوری طور پر بحران کا شکار نہیں ہوگا، لیکن اگر یہ صورتحال طویل عرصے تک برقرار رہے تو توانائی کی قلت پیدا ہونے کا خدشہ بڑھ سکتا ہے۔
آبنائے ہرمز کی طویل بندش کی صورت میں سب سے پہلے ٹرانسپورٹ کے شعبے پر اثر پڑ سکتا ہے کیونکہ پیٹرول اور ڈیزل کی دستیابی متاثر ہوگی۔ اس کے بعد بجلی کی پیداوار پر بھی دباؤ بڑھ سکتا ہے، کیونکہ پاکستان کے بعض بجلی گھر فرنس آئل پر چلتے ہیں۔ توانائی کی کمی کے باعث صنعتی سرگرمیوں میں سست روی آسکتی ہے اور مہنگائی میں بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔
ایسی صورتحال سے نمٹنے کے لیے پاکستان چند متبادل اقدامات اختیار کر سکتا ہے۔ ان میں موجودہ اسٹریٹجک ذخائر کا محتاط استعمال، توانائی کے استعمال میں بچت کی پالیسی، بجلی کی پیداوار کے لیے مقامی ذرائع جیسے سولر۔ پانی، کوئلہ اور گیس کا زیادہ استعمال، اور خلیجی ممالک کے علاوہ دیگر عالمی منڈیوں سے تیل کی فراہمی کے متبادل انتظامات شامل ہیں۔ اس کے علاوہ حکومت عارضی طور پر ایندھن کی کھپت کم کرنے کے لیے انتظامی اقدامات بھی کر سکتی ہے۔
مختصر یہ کہ آبنائے ہرمز کی بندش عالمی سطح پر توانائی کے بحران کو جنم دے سکتی ہے اور پاکستان بھی اس کے اثرات سے مکمل طور پر محفوظ نہیں رہ سکتا۔ تاہم ملک کے پاس محدود مدت کے لیے موجود ایندھن کے ذخائر اور متبادل توانائی کے ذرائع اس بحران کے فوری اثرات کو کسی حد تک کم کر سکتے ہیں۔ اگر بندش طویل عرصے تک جاری رہے تو پاکستان سمیت کئی ممالک کو توانائی، معیشت اور صنعتی سرگرمیوں کے حوالے سے سنگین چیلنجز کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے



عالمی معیشت امریکی ڈالر کے شکنجے میں

دوسری جنگِ عظیم کے بعد عالمی معیشت کی باگ ڈور جس کرنسی کے ہاتھ میں آئی، وہ امریکی ڈالر تھا۔ 1944ء میں منعقد ہونے والی Bretton Woods Conference نے ایک نیا عالمی مالیاتی نظام وضع کیا جس کے تحت امریکی ڈالر کو سونے کے ساتھ منسلک کیا گیا اور دیگر بڑی کرنسیاں ڈالر کے ساتھ باندھ دی گئیں۔ چونکہ اس وقت امریکہ دنیا کی سب سے مضبوط معیشت اور سب سے بڑے سونے کے ذخائر کا حامل تھا، اس لیے ڈالر پر عالمی اعتماد قائم ہو گیا۔ یوں عالمی تجارت، مالیاتی ذخائر اور بین الاقوامی ادائیگیاں ڈالر کے گرد گھومنے لگیں۔

1971ء میں امریکی صدر Richard Nixon نے سونے کے بدلے ڈالر کی تبدیلی ختم کرنے کا اعلان کیا، جسے "نکسن شاک" کہا جاتا ہے۔ بظاہر یہ قدم ڈالر کی بنیاد کو کمزور کر سکتا تھا، مگر اس وقت تک ڈالر عالمی تجارت میں اس قدر رچ بس چکا تھا کہ اس کی بالادستی برقرار رہی۔

اسی دوران 1970ء کی دہائی میں امریکہ اور Saudi Arabia کے درمیان ایک اہم معاشی مفاہمت ہوئی جس کے تحت سعودی عرب نے تیل کی فروخت صرف امریکی ڈالر میں کرنے پر اتفاق کیا۔ بعد ازاں OPEC کے بیشتر ممالک نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ اس نظام کو "پیٹرو ڈالر" کہا جاتا ہے۔ چونکہ دنیا کی معیشت کا بڑا انحصار تیل پر ہے، اس لیے ہر ملک کو تیل خریدنے کے لیے ڈالر درکار ہونے لگا۔ یوں ڈالر کی عالمی طلب میں غیر معمولی اضافہ ہوا اور وہ عملی طور پر دنیا کی سپر کرنسی بن گیا۔

پیٹرو ڈالر نظام کے عالمی معیشت پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ امریکہ کو یہ سہولت حاصل ہو گئی کہ وہ اپنے تجارتی خسارے کے باوجود عالمی مالیاتی نظام میں مضبوط پوزیشن برقرار رکھے

۔ مرکزی بینکوں نے اپنے ذخائر کا بڑا حصہ ڈالر میں رکھنا شروع کیا۔ دوسری طرف ترقی پذیر ممالک ڈالر کی قدر میں اتار چڑھاؤ سے براہِ راست متاثر ہونے لگے، کیونکہ ان کی درآمدات خصوصاً تیل ڈالر میں ادا کی جاتی ہیں۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ پیٹرو ڈالر کوئی باضابطہ عالمی قانونی معاہدہ نہیں بلکہ عملی اور تجارتی روایت ہے۔ اس لیے ممالک نظری طور پر اس سے باہر نکل سکتے ہیں۔ حالیہ برسوں میں China اور Russia سمیت بعض ممالک نے اپنی مقامی کرنسیوں میں تجارت بڑھانے کی کوششیں کی ہیں۔ تاہم عالمی مالیاتی ڈھانچہ، بینکنگ نظام اور سرمایہ کاری کے بڑے حصے کی بنیاد اب بھی ڈالر پر قائم ہے، اس لیے مکمل طور پر اس نظام سے علیحدگی آسان نہیں۔

مختصراً، امریکی ڈالر کی سپر کرنسی حیثیت محض اتفاق نہیں بلکہ تاریخی فیصلوں، معاشی طاقت اور تیل کی عالمی تجارت سے جڑی حکمتِ عملی کا نتیجہ ہے۔ پیٹرو ڈالر نے ڈالر کو عالمی معیشت کا مرکز بنا دیا، اور اگرچہ متبادل نظام کی کوششیں جاری ہیں، مگر فی الحال ڈالر کی برتری بدستور قائم ہے۔ اور امریکہ اس برتری کو قائم رکھنے کے لئے کچھ بھی کرنے کو ہمہ وقت تیار رہتا ہے اور کمزور ممالک اس شکنجے سے نکلنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ تیسری دنیا کے جس ملک کی قیادت نے ایسا کرنے کی کوشش کی۔۔۔ناکام رہا اور حکومت بھی جاتی رہی



4 MARCH- DEATH ANNIVERSARY OF SULTAN SALAH UDDIN AYUBI

آج عالم اسلام کے عظیم فرزند کی برسی ہے

صلاح الدین ایوبی اسلامی تاریخ کی ایک درخشاں اور باوقار شخصیت تھے جنہوں نے اپنی عسکری صلاحیت، سیاسی بصیرت اور اعلیٰ اخلاقی کردار کے باعث عالمِ اسلام میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ وہ نہ صرف ایک عظیم فاتح تھے بلکہ ایک مدبر حکمران اور مصلح بھی تھے۔

صلاح الدین ایوبی 1137ء میں تکریت (موجودہ عراق) میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام یوسف بن ایوب تھا۔ ابتدائی تعلیم و تربیت شام میں حاصل کی اور نوجوانی ہی میں عسکری اور انتظامی امور میں مہارت حاصل کر لی۔ وہ ابتدا میں نور الدین زنگی کی سرپرستی میں رہے، جس نے ان کی صلاحیتوں کو نکھارا۔

صلاح الدین ایوبی کی سب سے بڑی کامیابی 1187ء میں معرکہ حطین میں صلیبی افواج کو شکست دینا اور بیت المقدس کو دوبارہ فتح کرنا تھا۔ یہ فتح عالمِ اسلام کے لیے عظیم تاریخی لمحہ تھی۔ انہوں نے مصر، شام، یمن اور حجاز کے وسیع علاقوں کو متحد کر کے ایک مضبوط ایوبی سلطنت قائم کی۔ ان کی حکمتِ عملی، صبر و تحمل اور دشمن کے ساتھ بھی انسانی سلوک نے انہیں مغرب میں بھی ایک باعزت سپہ سالار کے طور پر متعارف کرایا۔

صلاح الدین ایوبی نے داخلی استحکام کے لیے عدل و انصاف کو فروغ دیا، بدعنوانی کا خاتمہ کیا اور ریاستی نظم و نسق کو منظم کیا۔ مصر میں فاطمی خلافت کا خاتمہ کر کے سنی نظام کو بحال کیا۔ انہوں نے تعلیمی ادارے، مساجد اور فلاحی مراکز قائم کیے اور علماء کی سرپرستی کی۔ ان کی حکومت سادگی، دیانت اور عوام دوستی کی مثال سمجھی جاتی ہے۔

صلاح الدین ایوبی 4 مارچ 1193ء کو دمشق میں وفات پا گئے۔ وفات کے وقت ان کے پاس ذاتی دولت نہ ہونے کے برابر تھی، جو ان کی زاہدانہ زندگی کا ثبوت ہے۔ انہیں دمشق میں سپردِ خاک کیا گیا۔

صلاح الدین ایوبی کی شخصیت بہادری، رواداری اور عدل کا حسین امتزاج تھی۔ انہوں نے نہ صرف بیت المقدس کو آزاد کرایا بلکہ مسلم دنیا کو سیاسی طور پر متحد کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ تاریخ انہیں ایک عادل فرمانروا اور عظیم سپہ سالار کے طور پر ہمیشہ یاد رکھے گی۔



ایران۔ اسرائیل امریکن جنگ میں پاکستان کیا کردار ادا کر سکتا ہے؟ اور کیا کرنے کی ضرورت ہے؟؟

مشرقِ وسطیٰ میں ایران، امریکہ اور اسرائیل کے درمیان بڑھتی ہوئی کشیدگی اور ممکنہ جنگی صورتحال نے عالمی سیاست کو ایک نازک موڑ پر لا کھڑا کیا ہے۔ ایسے میں یہ سوال نہایت اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ کیا پاکستان اس تنازع میں کوئی مؤثر کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں ہے؟ اگر ہے تو وہ کردار کیا ہو سکتا ہے اور اس کے عملی تقاضے کیا ہوں گے؟

پاکستان کی موجودہ پوزیشن: محتاط غیر جانبداری کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ پاکستان اس وقت براہِ راست عسکری مداخلت کی پوزیشن میں نظر نہیں آتا۔ نہ تو اس کے مفاد میں کسی ایک فریق کا کھلا ساتھ دینا ہے اور نہ ہی اس کی داخلی و معاشی صورتحال اسے کسی بیرونی جنگ کا متحمل ہونے دیتی ہے۔ چنانچہ اس کی پالیسی کا مرکزی نکتہ "محتاط غیر جانبداری" اور سفارتی توازن ہے۔

ایک طرف ایران پاکستان کا ہمسایہ ملک ہے جس کے ساتھ مذہبی، ثقافتی اور سرحدی روابط موجود ہیں؛ دوسری طرف امریکہ عالمی طاقت ہے جس کے ساتھ پاکستان کے دفاعی اور معاشی تعلقات رہے ہیں؛ جبکہ اسرائیل کے حوالے سے پاکستان کا مؤقف تاریخی طور پر فلسطینی حقِ خود ارادیت کی حمایت پر مبنی ہے۔ ان متضاد جہتوں کے درمیان توازن قائم رکھنا ہی پاکستان کی سب سے بڑی سفارتی آزمائش ہے۔

یہ سوال کہ کیا پاکستان عسکری کردار ادا کر سکتا ہے؟ عملاً دیکھا جائے تو پاکستان کے لیے کسی بھی فریق کے حق میں عسکری مداخلت کئی خطرات کو جنم دے سکتی ہے: جس میں داخلی عدم استحکام: فرقہ وارانہ اور سیاسی تقسیم میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ اور پہلے سے کمزور معیشت پر پابندیوں یا تجارتی رکاوٹوں کا بوجھ پڑ سکتا ہے۔

مغربی سرحدوں پر طالبان دہشت گردوں سے اس وقت جنگ عروج پر ہے اور علاقائی محاذ آرائی کی وجہ سے: مشرقی اور مغربی سرحدوں پر بیک وقت مزید دباؤ بڑھ سکتا ہے۔

لہٰذا حقیقت پسندانہ تجزیہ یہی بتاتا ہے کہ پاکستان براہِ راست جنگی کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں، اور نہ ہی یہ اس کے قومی مفاد میں ہے۔

سفارتی کردار: ایک ممکنہ اور مؤثر راستہ یے جس کے تحت پاکستان سفارتی سطح پر ایک تعمیری کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس کی چند وجوہات ہیں:

پاکستان کے ایران اور خلیجی ممالک دونوں کے ساتھ روابط موجود ہیں۔

اسلامی دنیا میں اس کی ایک اہم عسکری اور سیاسی حیثیت تسلیم کی جاتی ہے۔

وہ ماضی میں بھی علاقائی کشیدگی کم کرنے کے لیے پس پردہ سفارت کاری کرتا رہا ہے۔

پاکستان اگر فعال سفارت کاری اپنائے تو درج ذیل اقدامات مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں:

.1 ثالثی کی پیشکش:

پاکستان باضابطہ طور پر جنگ بندی اور مذاکرات کے لیے پلیٹ فارم فراہم کرنے کی پیشکش کر سکتا ہے۔ اگر براہِ راست ثالثی ممکن نہ ہو تو بیک چینل ڈپلومیسی کے ذریعے کشیدگی کم کرنے میں کردار ادا کیا جا سکتا ہے۔

.2 علاقائی فورمز میں سرگرمی:

اسلامی تعاون تنظیم (OIC) یا اقوامِ متحدہ میں فعال سفارتی مہم چلا کر جنگ بندی، انسانی حقوق کے تحفظ اور مذاکرات کی ضرورت کو اجاگر کیا جا سکتا ہے۔

.3 انسانی ہمدردی کی بنیاد پر اقدامات:

اگر تنازع شدت اختیار کرتا ہے تو پاکستان متاثرہ شہریوں کے لیے طبی یا انسانی امداد کی پیشکش کر سکتا ہے، جو ایک غیر متنازع اور مثبت قدم ہو گا۔

داخلی استحکام: اولین ترجیح

کسی بھی بیرونی بحران میں مؤثر کردار ادا کرنے کے لیے اندرونی استحکام بنیادی شرط ہے۔ پاکستان کو چاہیے کہ وہ:

داخلی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو یقینی بنائے،

معاشی استحکام پر توجہ دے،

سرحدی سلامتی کو مضبوط رکھے۔

موجودہ ایران–امریکہ–اسرائیل کشیدگی میں پاکستان کا براہِ راست عسکری کردار نہ ممکن دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی دانشمندانہ۔ تاہم سفارتی، اخلاقی اور انسانی سطح پر وہ ایک متوازن اور ذمہ دار ریاست کے طور پر اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

اصل چیلنج یہی ہے کہ پاکستان جذباتی ردِ عمل کے بجائے قومی مفاد، علاقائی استحکام اور عالمی امن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حکمت، تدبر اور توازن کی پالیسی اپنائے۔ اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب رہتا ہے تو یہ بحران اس کے لیے خطرہ نہیں بلکہ ایک سفارتی موقع بھی بن سکتا ہے—ایسا موقع جس میں وہ خود کو ایک سنجیدہ، ذمہ دار اور امن پسند ریاست کے طور پر منوا سکے۔



ایران۔امریکہ اور اسرائیل میں اختلافات کا تاریخی پس منظر

ایران، امریکہ اور اسرائیل کے درمیان کشیدگی کوئی اچانک پیدا ہونے والا مسئلہ نہیں بلکہ کئی دہائیوں پر محیط سیاسی، نظریاتی اور تزویراتی اختلافات کا نتیجہ ہے۔اس تنازعے کی جڑیں تاریخ، علاقائی بالادستی، نظریاتی تصادم اور جوہری پروگرام جیسے عوامل میں پیوست ہیں۔

1950 اور 1960 کی دہائی میں ایران اور امریکہ قریبی اتحادی تھے۔شاہِ ایران محمد رضا پہلوی امریکہ کے مضبوط حلیف سمجھے جاتے تھے۔ تاہم 1979 کے ایرانی انقلاب نے پورا منظر نامہ بدل دیا۔ آیت اللہ روح اللہ خمینی کی قیادت میں قائم ہونے والی اسلامی جمہوریہ نے امریکہ کو "شیطانِ بزرگ" قرار دیا اور اسرائیل کو ناجائز ریاست کہا۔اسی دوران تہران میں امریکی سفارتخانے پر قبضے اور یرغمالی بحران نے دونوں ممالک کے تعلقات کو مکمل طور پر منقطع کر دیا۔

ایران اور اسرائیل کے تعلقات بھی انقلاب سے پہلے معمول کے تھے، لیکن انقلاب کے بعد ایران نے فلسطینی مزاحمتی تنظیموں، خصوصاً حماس اور حزب اللہ کی کھلی حمایت شروع کر دی، جو اسرائیل کے لیے براہِ راست سکیورٹی خطرہ سمجھی جاتی ہیں۔

نظریاتی تصادم بھی اس مین اہم عنصر ہے کہ: ایران خود کو خطے میں اسلامی مزاحمت کا علمبردار سمجھتا ہے، جبکہ امریکہ اور اسرائیل خطے میں اپنے مفادات اور اتحادیوں کے تحفظ کو اولین ترجیح دیتے ہیں۔

ایران کا جوہری پروگرام امریکہ اور اسرائیل کے لیے سب سے بڑا تشویش کا باعث ہے۔ International Atomic Energy Agency کی نگرانی کے باوجود اسرائیل ایران پر جوہری ہتھیار بنانے کی کوشش کا الزام لگاتا رہا ہے، جس کی ایران تردید کرتا ہے۔

عراق، شام، لبنان اور یمن میں ایران کے بڑھتے اثرات نے بھی اسرائیل اور امریکہ کو تشویش میں مبتلا رکھا ہے۔۔

ایرانی قیادت کی جانب سے اسرائیل کے خاتمے سے متعلق بیانات نے دشمنی کو مزید گہرا کیا۔۔

حالیہ کشیدگی کی بڑی وجوہات میں شام میں ایرانی تنصیبات پر اسرائیلی حملے، لبنان کی سرحد پر جھڑپیں، اور ایران کے جوہری پروگرام سے متعلق پیش رفت شامل رہی۔ امریکہ اور اسرائیل نے ایران پر خطے میں مسلح گروہوں کے ذریعے بالواسطہ جنگ چھیڑنے کا الزام لگایا، جبکہ ایران نے اسے اپنی دفاعی حکمتِ عملی قرار دیا۔

امریکہ نے 2020 میں بغداد میں ڈرون حملے کے ذریعے قاسم سلیمانی کو ہلاک کیا، جو سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی کی قدس فورس کے سربراہ تھے۔

اسی طرح 2020 میں ایران کے ممتاز جوہری سائنسدان محسن فخری زادہ کو قتل کیا گیا، جس کا الزام ایران نے اسرائیل پر عائد کیا۔ مختلف اوقات میں شام میں ایرانی کمانڈروں اور عسکری مشیروں کو بھی نشانہ بنایا گیا، جنہیں اسرائیل اپنی سکیورٹی کے لیے خطرہ سمجھتا ہے اور اب سپریم ایرانی لیڈر خامنہ ای اور انکے اہل خاندان کے ساتھ اہم لیڈرشپ کا۔ قتل عام اس میں مزید شدت اور مخالفت میں اضافے کا سبب بن گیا ہے اور اس نے امریکہ کی حامی خلیجی ریاستوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے جہاں ایران کی طرف سے میزائل حملوں میں شدت آچکی ہے۔

اس سنگین صورت حال میں علاقائی جنگ کا خطرہ سر پر ان پہنچا ہے اور براہِ راست تصادم پورے مشرقِ وسطیٰ کو جنگ کی لپیٹ میں لے سکتا ہے اور۔ آبنائے ہرمز میں کشیدگی عالمی توانائی سپلائی کو متاثر کر سکتی ہے۔ علاوہ ازیں پراکسی جنگوں میں اضافہ اور لبنان، شام اور عراق میں جھڑپوں کے امکانات بڑھ سکتے ہیں۔ اور عالمی طاقتوں کی مداخلت کے امکانات کو بھی نظر انداز نہیں کیس جاسکتا کیونکہ روس اور چین جیسے ممالک ایران کے قریب سمجھے جاتے ہیں، جبکہ امریکہ اسرائیل کا مضبوط اتحادی ہے، جس سے عالمی سطح پر صف بندی مزید واضح ہو سکتی ہے۔

ایران، امریکہ اور اسرائیل کے تعلقات نظریاتی دشمنی، سکیورٹی خدشات اور علاقائی بالادستی کی کشمکش کا مجموعہ ہیں۔ براہِ راست جنگ نہ صرف خطے بلکہ عالمی معیشت اور امن کے لیے بھی سنگین نتائج لا سکتی ہے۔ موجودہ حالات میں سفارتی کوششیں ہی کسی بڑے تصادم کو روکنے کا واحد قابلِ عمل راستہ دکھائی دیتی ہیں۔



آبنائے ہرمز: عالمی توانائی کی شہ رگ اور اس کی بندش کے عالمی معاشی اثرات

آبنائے ہرمز دنیا کی سب سے اہم اور حساس سمندری گزرگاہوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ خلیجِ فارس کو خلیجِ عمان اور بحرِ عرب سے ملاتی ہے اور مشرقِ وسطیٰ کے تیل پیدا کرنے والے ممالک کو عالمی منڈی تک رسائی فراہم کرتی ہے۔ عالمی اندازوں کے مطابق دنیا کی تقریباً بیس فیصد سے زائد یومیہ تیل سپلائی اسی راستے سے گزرتی ہے، جبکہ مائع قدرتی گیس (LNG) کی بڑی مقدار بھی اسی گزرگاہ کے ذریعے برآمد کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے عالمی توانائی کی "شہ رگ" قرار دیا جاتا ہے۔

جغرافیائی طور پر اس آبنائے کے شمال میں ایران جبکہ جنوب میں عمان واقع ہیں۔ قانونی اعتبار سے یہ ایک بین الاقوامی بحری راستہ ہے جہاں عالمی قوانین کے تحت جہازوں کو حقِ گزر حاصل ہے۔ تاہم ایران اپنے ساحلی علاقے کی وجہ سے اس کے شمالی حصے پر نمایاں اثر و رسوخ رکھتا ہے، جبکہ خطے میں عالمی بحری افواج کی موجودگی بھی طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

اکثر سوال اٹھایا جاتا ہے کہ کیا ایران آبنائے ہرمز کو بند کر سکتا ہے؟ نظری طور پر ایران محدود مدت کے لیے رکاوٹیں پیدا کر سکتا ہے، مثلاً بحری مشقیں، میزائل یا ڈرون سرگرمیاں، یا دیگر عسکری اقدامات۔ لیکن مکمل اور طویل المدتی بندش نہ صرف عالمی ردِعمل کو دعوت دے گی بلکہ ممکنہ فوجی کارروائی اور شدید سفارتی دباؤ کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ مزید یہ کہ ایسی کسی بھی بندش سے

ایران کی اپنی تیل برآمدات بھی متاثر ہوں گی، جس سے اس کی معیشت کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے مکمل بندش ایک نہایت پیچیدہ اور مہنگا قدم ہو گا۔

اگر کسی وجہ سے آبنائے ہرمز میں رکاوٹ پیدا ہو جائے تو اس کے اثرات پوری دنیا میں محسوس کیے جائیں گے۔ عالمی منڈی میں تیل کی قیمتوں میں فوری اور نمایاں اضافہ ہو گا، جس سے مہنگائی بڑھے گی اور توانائی بحران جنم لے سکتا ہے۔ اسٹاک مارکیٹس میں غیر یقینی صورتحال پیدا ہو گی اور سپلائی چین متاثر ہو سکتی ہے۔ خلیجی ممالک جیسے سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، کویت، قطر اور عراق کی برآمدات براہِ راست متاثر ہوں گی، جبکہ بڑے درآمد کنندگان جیسے چین، بھارت، جاپان اور جنوبی کوریا کو توانائی کی قلت اور مہنگائی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ پاکستان جیسے ممالک بھی بالواسطہ طور پر متاثر ہوں گے کیونکہ عالمی قیمتوں میں اضافہ ان کے درآمدی بل اور معاشی استحکام پر اثرانداز ہو گا۔

مختصراً، آبنائے ہرمز صرف ایک جغرافیائی گزرگاہ نہیں بلکہ عالمی معیشت کا ایک نازک ستون ہے۔ اس میں کسی بھی قسم کی کشیدگی یا رکاوٹ نہ صرف علاقائی بلکہ عالمی سطح پر گہرے اقتصادی اور سیاسی اثرات مرتب کر سکتی ہے۔ اسی لیے عالمی طاقتیں اس خطے میں استحکام کو برقرار رکھنے میں خصوصی دلچسپی رکھتی ہیں



رہبر اعظم علی خامنہ ای کی شہادت اور ایران میں قیادت کی تبدیلی۔۔ایک مختصر جائزہ

ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ علی خامنہ ای کی سرکاری سطح پر شہادت کی تصدیق کے بعد ملک میں سیاسی و آئینی سرگرمیاں تیز ہو گئی ہیں۔ حکومتِ ایران نے قومی سوگ کا اعلان کرتے ہوئے انہیں "شہیدِ انقلاب" قرار دیا ہے۔ ان کی وفات کے بعد ایران کو اپنی تاریخ میں دوسری مرتبہ سپریم لیڈر کے انتخاب کے مرحلے کا سامنا ہے (پہلا انتخاب 1989 میں ہوا تھا)۔

ایرانی آئین کے مطابق نیا سپریم لیڈر منتخب کرنے کا اختیار 88 رکنی مجلسِ خبرگانِ رہبری کے پاس ہے۔ یہ ادارہ ملک کے منتخب مذہبی علما پر مشتمل ہے جو نئے رہبر کا تقرر کرتا ہے۔ مستقل انتخاب تک عبوری طور پر ایک قیادت کونسل ذمہ داریاں نبھا رہی ہے، جس میں صدرِ ایران، عدلیہ کے سربراہ اور شورائے نگہبان کا ایک رکن شامل ہے۔

ممکنہ جانشینوں کے حوالے سے مختلف نام زیرِ بحث ہیں۔ ان میں خامنہ ای کے بیٹے مجتبیٰ خامنہ ای کا نام نمایاں کیا جا رہا ہے، اگرچہ ان کی باضابطہ نامزدگی یا اہلیت پر بحث جاری ہے۔ سابق چیف جسٹس صادق لاریجانی، موجودہ عدلیہ سربراہ غلام حسین محسنی اژہ ای اور ممتاز مذہبی رہنما علیرضا اعرافی بھی ممکنہ امیدواروں میں شمار کیے جا رہے ہیں۔ تاہم حتمی فیصلہ مجلسِ خبرگان کے اجلاس کے بعد ہی سامنے آئے گا۔

سیاسی مبصرین کے مطابق یہ انتخاب ایران کی داخلی سیاست، معیشت اور علاقائی پالیسی پر گہرے اثرات مرتب کرے گا۔ خاص طور پر ایران کے امریکہ، اسرائیل اور خلیجی ممالک کے ساتھ تعلقات نئی قیادت کے اندازِ فکر سے متاثر ہو سکتے ہیں۔

مجموعی طور پر ایران ایک اہم تاریخی موڑ پر کھڑا ہے، جہاں قیادت کی تبدیلی نہ صرف ملکی استحکام بلکہ پورے خطے کی سیاسی حرکیات پر اثر انداز ہو سک تی



NTERNATIONAL WHEAL CHAIR DAY

International Wheelchair Day, observed annually on 1st March, is dedicated to celebrating the positive impact of wheelchairs in enabling mobility, independence, and dignity for millions of people around the world. The day highlights the importance of accessibility, inclusion, and equal opportunities for persons with disabilities.It serves three key purposes:

To recognize and celebrate the achievements and resilience of wheelchair users.

To acknowledge the caregivers and organizations that support mobility and rehabilitation services.

To raise awareness about the need for accessible infrastructure, inclusive policies, and affordable mobility aids, especially in developing regions.

Beyond celebration, the day is a reminder of our collective responsibility to create barrier-free environments — in education, healthcare, workplaces, and public spaces — so that every individual can participate fully in society.International Wheelchair Day is not just about mobility equipment; it is about empowerment, human rights, and building a more inclusive and compassionate world.

عالمی یومِ وہیل چیئر ہر سال یکم مارچ کو منایا جاتا ہے۔ اس کا مقصد وہیل چیئر استعمال کرنے والے افراد کی خود مختاری اور وقار کو سراہنا اور معاشرے میں رسائی، شمولیت اور مساوی مواقع کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔

یہ دن معذور افراد کی کامیابیوں اور ان کی مدد کرنے والوں کی خدمات کا اعتراف کرتا ہے، اور قابلِ رسائی انفراسٹرکچر اور جامع پالیسیوں کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔ دراصل یہ دن بااختیار بنانے اور ایک زیادہ منصفانہ و جامع معاشرے کی یاددہانی ہے۔ اور اس امر کی طرف عوام کی توجہ مرکوز کرانا کہ وہ ان افراد کو معاشرے کا اہم فرد سمجھیں اور ان کا احترام کریں



PUNJAB GOVERNMENT BANS ENTRY OF MEDICAL REPS IN PUBLIC HOSPITALS .

The Punjab Government has imposed a strict ban on the entry of medical representatives (MRs) into public sector hospitals to prevent undue influence on prescribing practices and to ensure uninterrupted patient care. The Punjab Health Department has directed all Medical Superintendents to strictly enforce the order, warning of legal action against violations.

The ban applies to all teaching hospitals, District Headquarters (DHQ), and Tehsil Headquarters (THQ) hospitals across the province. Hospital administrations have been instructed to monitor compliance, and instances of action against violators have already been reported.

This measure aims to strengthen governance in public healthcare facilities, eliminate conflicts of interest, and ensure that doctors remain fully focused on patient care during working hours.

حکومت پنجاب نے صوبے بھر کے تمام سرکاری ہسپتالوں مین ادویات ساز کمپنیوں کے نمائندوں کے داخلے پر پابندی عائد کر رکھی ہے تاکہ ادویات کے نسخوں پر غیر ضروری اثر ورسوخ کا خاتمہ کیا جاسکے اور مریضوں کی دیکھ بھال کا عمل بلا تعطل جاری رہے۔ Punjab Health Department نے تمام میڈیکل سپرنٹنڈنٹس کو ہدایت جاری کی ہے کہ اس حکم پر سختی سے عمل درآمد یقینی بنایا جائے، بصورتِ خلاف ورزی قانونی کارروائی کی جائے گی۔ یہ پابندی صوبے کے تمام ٹیچنگ ہسپتالوں، ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر (DHQ) اور تحصیل ہیڈ کوارٹر (THQ) ہسپتالوں پر لاگو ہو گی۔ اس اقدام کا مقصد سرکاری صحت کے اداروں میں شفافیت کو فروغ دینا، مفادات کے ٹکراؤ کا خاتمہ کرنا اور ڈاکٹروں کو ڈیوٹی اوقات میں مکمل طور پر مریضوں کی خدمت پر مرکوز رکھنا ہے۔



ARE CLOSE RELATIONS , AN EASY TARGET OF SHORT TEMPERED ??

Most people lose their temper more easily with close contacts (family, partners, close friends) because of a mix of psychological and emotional factors:

1. <u>Emotional Safety</u>
We feel safer with close people. Subconsciously, we know they are less likely to leave us, so we drop social filters. With strangers, we control ourselves more.

2. <u>Lower Social Mask</u>
In public, we maintain a "polite version" of ourselves. At home, that mask fades. Suppressed stress from work or society often gets released where we feel comfortable.

3. <u>Higher Expectations</u>
We expect understanding, loyalty, and support from close contacts. When expectations aren't met, disappointment feels deeper, triggering stronger reactions.

4. Emotional History

Close relationships carry past memories, unresolved issues, and sensitivities. Small triggers can activate old emotional wounds.

5. Frequency of Interaction

We interact more often with close people. More interaction = more chances for misunderstanding or friction.

6. Stress Displacement

Sometimes people displace frustration from external pressures (work, finances, social stress) onto safer targets — usually family or close friends.

Important Insight

Losing temper with loved ones is common — but not healthy if repeated. It can slowly damage trust and emotional safety.

قریبی رشتے اکثر غصّے کا زیادہ نشانہ بنتے ہیں کیونکہ ان میں جذباتی قربت اور تحفظ کا احساس پایا جاتا ہے۔ انسان اپنے اہلِ خانہ، شریکِ حیات یا قریبی دوستوں کے ساتھ خود کو محفوظ سمجھتا ہے، اس لیے وہ رسمی انداز اور سماجی نقاب کو چھوڑ دیتا ہے۔ بیرونی دباؤ، کام کی تھکن اور معاشرتی تناؤ عموماً وہیں خارج ہوتے ہیں جہاں انسان کو قبولیت کا یقین ہو۔ مزید برآں، قریبی تعلقات میں توقعات زیادہ ہوتی ہیں؛ جب سمجھ بوجھ، تعاون یا توجہ ہماری امید کے مطابق نہ ملے تو مایوسی شدت اختیار کر لیتی ہے۔ ایسے رشتوں میں ماضی کی یادیں، حل طلب معاملات اور حساس پہلو بھی شامل ہوتے ہیں، جو معمولی بات پر شدید ردِ عمل کو جنم دے سکتے ہیں۔ چونکہ قریبی افراد کے ساتھ میل جول زیادہ ہوتا ہے، اس لیے غلط فہمی یا اختلاف کے امکانات بھی بڑھ جاتے ہیں۔ تاہم بار بار غصّہ کرنا تعلق میں اعتماد اور جذباتی تحفظ کو متاثر کر سکتا ہے، اس لیے خود آگہی اور ضبطِ نفس نہایت ضروری ہیں۔



20 , FEBRUARY-WORLD DAY OF SOCIAL JUSTICE (EQUALITY DAY)

Observed annually, on 20 February, World Day of Social Justice highlights the global commitment to building fair, inclusive, and equitable societies. The day underscores the urgent need to address pressing social challenges such as poverty, social exclusion, gender inequality, unemployment, discrimination, and limited access to basic human rights and social protection systems-

This international observance emphasizes that sustainable peace and development cannot be achieved without social justice. Governments, institutions, civil society, and communities are encouraged to promote equal opportunities, decent work, inclusive economic growth, and policies that protect vulnerable populations.20 February serves as a powerful reminder that social justice is not only a moral responsibility but also a foundation for social harmony, economic stability, and human dignity worldwide.

ہر سال 20 فروری کو عالمی یوم سماجی انصاف منایا جاتا ہے، جس کا مقصد منصفانہ، جامع اور مساوی معاشروں کے قیام کے عزم کو اجاگر کرنا ہے۔ یہ دن غربت، سماجی محرومی، صنفی عدم مساوات، بے روزگاری اور انسانی حقوق تک محدود رسائی جیسے مسائل کی جانب توجہ دلاتا ہے۔ یہ موقع اس امر کی یاد دہانی ہے کہ پائیدار امن اور ترقی سماجی انصاف کے بغیر ممکن نہیں۔ مساوی مواقع، باوقار روزگار اور کمزور طبقات کے تحفظ پر مبنی پالیسیاں ہی سماجی ہم آہنگی اور معاشی استحکام کی بنیاد بنتی ہی

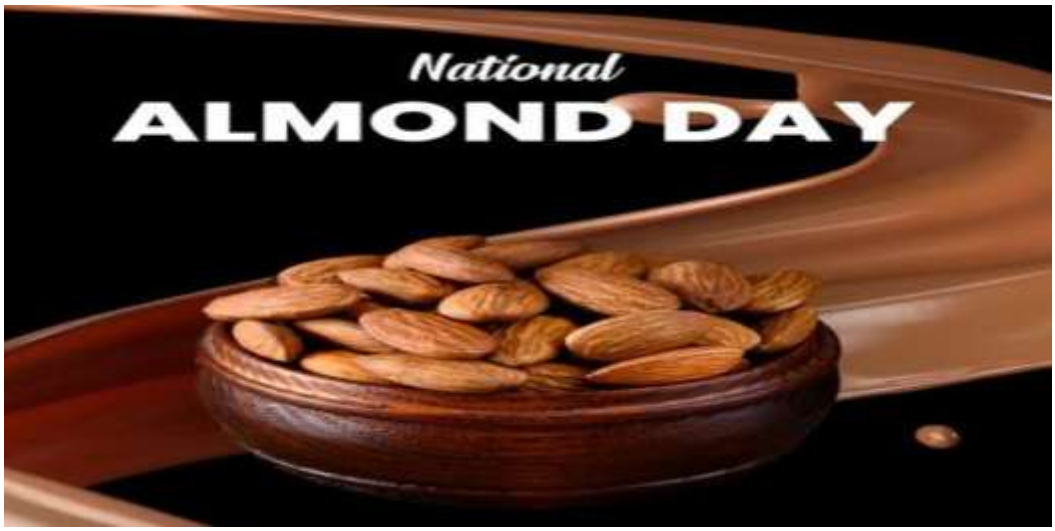

16 FEBRUARY - NATIONAL ALMOND DAY

National Almond Day is observed on 16 February to raise global awareness about the remarkable health benefits of almonds. Due to their high nutritional value, health experts strongly recommend incorporating almonds into daily diets.

A single serving (28 grams) of almonds provides approximately 48% of the recommended daily intake of Vitamin E, along with magnesium, protein, dietary fiber, and heart-healthy fats. Almonds help maintain heart health by lowering LDL cholesterol and regulating blood pressure. Their low carbohydrate and high fiber content also make them highly effective in controlling blood sugar levels.In addition, almonds support weight management, enhance cognitive function due to essential nutrients, improve skin and hair health through antioxidants and Vitamin E, and strengthen bones and muscles with vital minerals.

16 فروری کو دنیا بھر میں نیشنل بادام ڈے منایا جاتا ہے جس کا مقصد بادام کے غذائی و طبی فوائد سے آگاہی دینا ہے۔ماہرینِ صحت کے مطابق روزانہ ایک مٹھی(28 گرام)بادام یومیہ ضرورت کا تقریباً48٪وٹامن ای فراہم کرنے کے ساتھ میگنیشیم، پروٹین، فائبر اور مفید چکنائیوں کا بہترین ذریعہ ہے۔بادام دل کی صحت بہتر بنانے، کولیسٹرول اور بلڈ پریشر کو متوازن رکھنے، خون میں شوگر کنٹرول کرنے، وزن معتدل رکھنے اور دماغی کارکردگی بڑھانے میں معاون ہے۔اس کے اینٹی آکسیڈنٹس جلد، بال، ہڈیوں اور قوتِ مدافعت کو بھی تقویت دیتے ہیں. ماہرین متوازن غذا کے حصے کے طور پر روزانہ بغیر نمک کچے یا خشک بھنے بادام استعمال کرنے کی سفارش کرتے ہیں

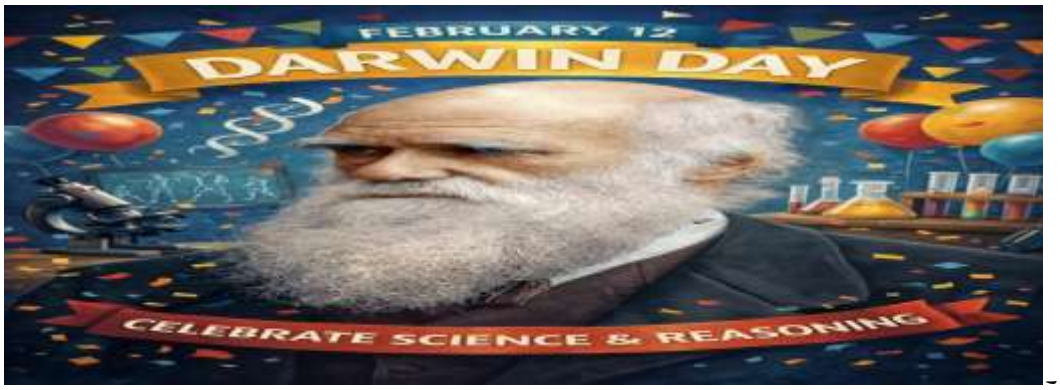

12 FEB --DARWIN DAY---' FOR CELEBRATION OF SCIENCE, REASON AND HUMANITY

February 12 is globally recognized as International Darwin Day, a celebration of science, reason, and humanity. This significant day commemorates the birth anniversary of Charles Darwin, whose groundbreaking theory of evolution transformed our understanding of life on Earth and laid the foundation for modern biological sciences.

International Darwin Day, observed every year on February 12th, inspires people around the world to appreciate scientific inquiry, critical thinking, and evidence-based knowledge. It highlights the importance of curiosity, open-mindedness, and intellectual courage in advancing human progress.

The day also serves as a reminder of the vital role science plays in addressing global challenges — from healthcare and environmental sustainability to technological innovation and social development. Educational institutions, scientific communities, and individuals mark the occasion through seminars, discussions, public lectures, and awareness activities that promote scientific literacy and rational thought.

Above all, International Darwin Day celebrates humanity's shared pursuit of knowledge and encourages future generations to explore, question, and contribute to a better and more informed world.

12 فروری کو دنیا بھر میں عالمی یومِ ڈارون منایا جاتا ہے، جو سائنس اور انسانی شعور کے فروغ کی علامت ہے۔ یہ دن چارلس ڈارون کی پیدائش کی یاد میں منایا جاتا ہے، جن کے نظریۂ ارتقاء نے جدید حیاتیات کی بنیاد رکھی۔

یہ موقع سائنسی تحقیق، تنقیدی سوچ اور شواہد پر مبنی علم کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے اور نئی نسل کو علم، تحقیق اور بہتر مستقبل کی تعمیر کی ترغیب دیتا ہے۔



WHAT IS REAL ISSUE WITH JEFFEREY EPSTEIN'S ISLAND ??

The Jeffrey Epstein case drew global attention due to grave allegations involving the abuse of power, wealth, and vulnerable individuals. Epstein was an American billionaire financier reportedly connected to influential figures. His private island, Little Saint James, was allegedly used for the exploitation of underage girls, with his associate Ghislaine Maxwell playing a key role.

According to victims' testimonies, girls were lured under various pretexts, subjected to abuse, and compromising material was retained for blackmail. Following his arrest in 2019, Epstein's death in prison was officially ruled a suicide, though doubts persist. Maxwell has since been sentenced to 20 years in prison.

The case highlights how power and influence enabled the exploitation of vulnerable groups, while full accountability remains elusive.

جیفری ایپسٹین کا معاملہ دنیا بھر میں توجہ کا مرکز بنا، جس میں طاقت، دولت اور کمزور افراد کے استحصال کے سنگین الزامات سامنے آئے۔ ایپسٹین ایک امریکی ارب پتی فنانسر تھا جس کے بااثر شخصیات سے تعلقات بتائے جاتے ہیں۔ اس کی نجی جزیرہ لٹل سینٹ جیمز کو مبینہ طور پر کم عمر لڑکیوں کے استحصال کے لیے استعمال کیا گیا، جہاں اس کی ساتھی گھسلین میکسویل نے اہم کردار ادا کیا۔

متاثرین کے بیانات کے مطابق لڑکیوں کو مختلف بہانوں سے پھانس کر استحصال کا نشانہ بنایا گیا اور بلیک میلنگ کے لیے مواد بھی رکھا گیا۔ 2019 میں گرفتاری کے بعد ایپسٹین کی جیل میں ہلاکت کو سرکاری طور پر خودکشی قرار دیا گیا، تاہم شکوک برقرار ہیں۔ میکسویل کو 20 سال قید کی سزا سنائی جا چکی ہے۔

یہ کیس اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ کس طرح طاقت اور اثر و رسوخ کے ذریعے کمزور طبقات کا استحصال ممکن ہوا، ہ



5TH FEBRUARY...KASHMIR SOLIDARITY DAY -VISION OF TWO GREAT LEADERS

The people of Pakistan, along with Kashmiris living across the world, observe 5 February each year as Kashmir Solidarity Day. On this occasion, they reaffirm their unwavering support for the Kashmiri people and convey a clear message to the international community that Kashmiris are not alone in their just struggle.

The observance of Kashmir Solidarity Day was initially proposed in 1990 by Qazi Hussain Ahmad, then leader of Jamaat-e-Islami Pakistan, and was endorsed by Mian Muhammad Nawaz Sharif. The present format of the annual commemoration was formally institutionalized in 2004 by Pakistan's Ministry of Kashmir Affairs and Northern Areas.

۵ فروری... یومِ یکجہتیٔ کشمیر—دو عظیم قائدین کا وژن

ہر سال ۵ فروری کو پاکستان کے عوام اور دنیا بھر میں مقیم کشمیری، یومِ یکجہتیٔ کشمیر مناتے ہیں۔ اس موقع پر کشمیری عوام کی منصفانہ جدوجہد کی بھرپور حمایت کا اعادہ کیا جاتا ہے اور عالمی برادری کو واضح پیغام دیا جاتا ہے کہ کشمیری تنہا نہیں ہیں۔

یومِ یکجہتیٔ کشمیر منانے کی تجویز 1990ء میں جماعتِ اسلامی پاکستان کے اُس وقت کے قائد قاضی حسین احمد نے پیش کی، جس کی تائید میاں محمد نواز شریف نے کی۔ اس دن کو سالانہ قومی سطح پر منانے کا باقاعدہ طریقۂ کار 2004ء میں وزارتِ امورِ کشمیر و شمالی علاقہ جات، حکومتِ پاکستان نے مرتب کیا۔



FIRST FEBRUARY....WORLD HIJAB DAY

World Hijab Day (WHD) is a global observance held annually on February 1 to promote religious tolerance, mutual respect, and understanding. Established in 2013 by Nazma Khan, a Bangladeshi-American who faced severe bullying for wearing the hijab in New York, the initiative was created to challenge stereotypes and discrimination against Muslim women.

Observed in over 150 countries, World Hijab Day invites women of all backgrounds—Muslim and non-Muslim alike—to experience wearing the hijab for a day as an act of solidarity and empathy. The initiative underscores that the hijab represents modesty, dignity, and personal identity, not oppression.

The 2026 theme, **#UnityInHijab**, emphasizes inclusion and shared humanity. Participants, often referred to as hijab champions, engage in awareness-building activities and share their experiences globally through social media, reinforcing the message of respect, unity, and freedom of choice.

ورلڈ حجاب ڈے ہر سال یکم فروری کو منایا جاتا ہے

تاکہ مذہبی رواداری اور باہمی احترام کو فروغ دیا جاسکے۔اس کی بنیاد 2013 میں نظمہ خان نے رکھی۔یہ دن دنیا بھر میں خواتین کو یکجہتی کے طور پر حجاب پہننے کی دعوت دیتا ہے اور یہ پیغام دیتا ہے کہ حجاب وقار، حیا اور ذاتی شناخت کی علامت ہے، جبر کی نہیں۔

2026 کا موضوع #UnityInHijab اتحاد اور مشترکہ انسانیت پر زور دیتا ہے۔



01 FEBRUARY.. NATIONAL FREEDOM DAY..WHEN SLAVERY WAS BANNED

National Freedom Day, observed annually on February 1, commemorates the historic step toward the abolition of slavery in the United States. The day marks President Abraham Lincoln's signing of the joint House and Senate resolution on February 1, 1865, which later became the 13th Amendment to the U.S. Constitution. Although slavery was formally outlawed through this act, the amendment was ratified by the states on December 18, 1865, completing its constitutional adoption.

In contrast, the approach to slavery in Islam followed a gradual reformative process rather than an immediate prohibition. Beginning over 1,400 years ago, Islamic teachings limited enslavement primarily to prisoners of war and strongly promoted the emancipation of slaves as a moral and religious obligation. Despite these reforms, slavery was not explicitly banned in the 7th century and persisted in various forms until its legal abolition in Muslim-majority countries, which occurred between 1846 in Tunisia and 1981 in Mauritania.

قومی یوم آزادی ہر سال یکم فروری کو منایا جاتا ہے، جو ریاستہائے متحدہ میں غلامی کے خاتمے کی جانب ایک تاریخی قدم کی یاد دلاتا ہے۔ اس دن صدر ابراہام لنکن نے یکم فروری 1865ء کو ایوانِ نمائندگان اور سینیٹ کی مشترکہ قرارداد پر دستخط کیے، جو بعد ازاں امریکی آئین کی تیرہویں ترمیم بنی۔ اگرچہ اس اقدام کے ذریعے غلامی کو قانونی طور پر ممنوع قرار دیا گیا، تاہم اس ترمیم کی باضابطہ توثیق ریاستوں نے 18 دسمبر 1865ء کو کی، جس کے ساتھ اس کی آئینی حیثیت مکمل ہوئی۔ اس کے برعکس، اسلام میں غلامی کے مسئلے سے نمٹنے کے لیے فوری ممانعت کے بجائے تدریجی اصلاحی طریقہ اختیار کیا گیا۔ چودہ سو برس قبل اسلامی تعلیمات نے غلام بنانے کے دائرے کو بنیادی طور پر جنگی قیدیوں تک محدود کیا اور غلاموں کی آزادی کو ایک اخلاقی اور دینی فریضہ قرار دے کر اس کی بھرپور ترغیب دی۔ ان اصلاحات کے باوجود ساتویں صدی تک غلامی پر صریح پابندی عائد نہیں کی گئی، اور یہ مختلف صورتوں میں قائم رہی، یہاں تک کہ مسلم اکثریتی ممالک میں اسے قانونی طور پر ختم کیا گیا—جس کا آغاز 1846ء میں تیونس سے ہوا اور آخری مرحلہ 1981ء میں موریطانیہ می



NOT EVERY HAND SHAKER IS YOUR FRIEND

(دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا)

Human beings are naturally social and inclined to form connections. However, a common mistake is assuming that every familiar face or frequent interaction represents true friendship. When ordinary social relationships are mistaken for genuine bonds, unrealistic expectations are formed—and disappointment becomes inevitable.

Not everyone we meet in daily life qualifies as a friend. Neighbors, classmates, colleagues, travel companions, social acquaintances, or people connected through routine, convenience, or shared interests often remain part of our social circle, not our inner circle. True friendship is defined by trust, sincerity, emotional support, and consistency—qualities that are rare and earned over time.

Friendships exist at different levels. Some are situational, some are social, some bring inspiration, and a few stand firmly beside us in difficult times. Only a handful, however, grow into deep, lasting bonds marked by loyalty and understanding. Recognizing these distinctions protects our emotional well-being and helps us value relationships for what they truly are.

Friendship is not static; it evolves with time, circumstances, and self-awareness. The wisdom lies in knowing who truly belongs in our lives—and to what extent.

As Faraz profoundly reminds us:

"Who truly belongs to you, except yourself?

It is painful to lose touch with your own self."

Understanding this truth is not pessimism—it is emotional maturity and self-respect.

دوست ہوتا نہیں۔ ہر ہاتھ ملانے والا۔۔

انسان فطری طور پر میل جول پسند کرتا ہے، مگر ہر جان پہچان یا بار بار کی ملاقات کو دوستی سمجھ لینا ایک عام غلطی ہے۔

حقیقی دوستی اعتماد، خلوص، جذباتی سہارا اور مستقل مزاجی سے پہچانی جاتی ہے، جو وقت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔

روزمرہ کے تعلقات—جیسے ہمسائے، ساتھی کار یا سماجی جاننے والے—اکثر سماجی دائرے تک محدود رہتے ہیں، دل کے قریب نہیں۔

دوستیاں مختلف درجوں میں ہوتی ہیں؛ چند وقتی، چند سماجی، اور بہت کم ایسی جو مشکل وقت میں ساتھ نبھائیں۔ ان فرقوں کو سمجھنا ذہنی سکون، خود آگہی اور خود احترام کی علامت ہے۔

فراز اپنے سوا ہے کون تیرا۔۔۔تجھے تجھ سے جدا دیکھا نہ جائے



NEVER COMPROMISE YOUR SELF RESPECT IN THE NAME OF RELATIONSHIP

The people you consider your friends—ask yourself honestly:

Do they give priority to your phone calls, or are you always the one initiating contact?

Do they reach out to you only when they need something—and disappear otherwise?

Do they stay informed about your circumstances, or make any effort to do so?

In times of difficulty, can they truly be your first line of support?

Are their connections with you merely superficial—so much so that your silence makes no difference to them?

If this is the reality, then pause and reflect: what world are you living in?

Act without delay. Step back from such relationships. Protect your identity, preserve your dignity, and free yourself from emotional burdens that were never meant to be yours.

کیا آپ رشتے نبھانے میں محض مروّت کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں؟

جنہیں آپ خلوصِ دل سے اپنا دوست سمجھتے ہیں، ذرا ان تعلقات کا بے لاگ جائزہ لیجیے:

1۔ کیا وہ آپ کی فون کال کو اہمیت دیتے ہیں، یا ہمیشہ آپ ہی کو پہل کرنا پڑتی ہے؟

2۔ کیا ان کا رابطہ صرف ضرورت کے وقت ہی جاگتا ہے، ورنہ خاموشی طاری رہتی ہے؟

3۔ کیا وہ آپ کے حالات سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے ہیں، یا آپ کی دنیا سے بے نیاز ہیں؟

4۔ کیا مشکل گھڑی میں آپ انہیں اپنی اولین ترجیح بنا سکتے ہیں؟

5۔ کیا آپ کی غیر موجودگی ان کے لیے بے معنی ہے، اور آپ کا رابطہ نہ کرنا انہیں کوئی فرق نہیں ڈالتا؟

اگر ان سوالوں کے جواب آپ کے دل کو کچوکے لگا رہے ہیں، تو خود سے پوچھیں — آپ کس دنیا میں جی رہے ہیں؟

ہوش کے ناخن لیجیے۔ ایسے رشتوں سے خاموشی کے ساتھ کنارہ کش ہو جایئے۔

اپنی شخصیت کو مسخ ہونے سے بچایئے، اور اس بے وزن مگر بھاری بوجھ کو اپنے سر سے اتار دیجیے۔

کیونکہ اصل تعلق وہی ہے جو یک طرفہ نہیں، بلکہ دل سے دل تک جاتا ہے۔



28 JANUARY ...A REMARKABLE DAY IN THE HISTORY OF PAKISTAN

28th January marks a truly significant milestone in the history of Pakistan. On this day in 1933, the name "PAKISTAN" was coined by Chaudhry Rahmat Ali, a law student at the University of Cambridge. He introduced this historic concept through a pamphlet titled "Now or Never; Are We to Live or Perish Forever?", a document that later came to be known as the Pakistan Declaration.

The pamphlet was addressed to the British and Indian delegates attending the Third Round Table Conference in London. At the time, its ideas were largely dismissed and failed to gain acceptance for nearly a decade. Many political leaders—most notably Muhammad Ali Jinnah—initially regarded them as idealistic notions of a student. However, by 1940, Muslim political leadership in the subcontinent embraced these ideas, culminating in the Lahore Resolution of the All-India Muslim League, which the press famously termed the Pakistan Resolution.

The name "Pakistan" itself was derived as an acronym symbolizing the Muslim-majority regions of British India: Punjab, Afghania (North-West Frontier Province), Kashmir, Sindh, and Baluchistan—a name that would soon become the identity of a nation and the realization of a historic vision.

28 جنوری پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم دن ہے۔

اسی روز 1933ء میں چوہدری رحمت علی نے اپنے پمفلٹ "Now or Never" کے ذریعے پہلی بار پاکستان کا نام پیش کیا۔ ابتدا میں یہ تصور نظر انداز ہوا، مگر 1940ء میں قراردادِ لاہور کے ساتھ یہی خیال قراردادِ پاکستان بن گیا۔

پاکستان کا نام مسلم اکثریتی علاقوں—پنجاب، افغانیہ، کشمیر، سندھ اور بلوچستان—کا مخفف ہے، جو بعد میں ایک قوم کی شناخت بن گی ا۔



NEVER LET THE LAMPS GO OUT

If today you light a lamp for others
and arrange brightness in their darkness,
tomorrow you too may need that very light
which someone else will hold out to you.
For life, in its truest form,
is the unbroken chain of spreading light,
and hope lives on through continuity.
So keep lighting one flame from another—
for this is how life endures,
and how hope remains alive.

چراغوں کو کبھی بجھنے نہ دیں

اگر آج آپ دوسروں کے لئے چراغ جلا کر روشنی کا اہتمام کرتے ہیں تو کل آپ کو بھی اس روشنی کی ضرورت پڑے گی جو کوئی اور مہیا کر رہا ہو گا۔ کیونکہ روشنیاں بکھیرنے کا تسلسل ہی اصل زندگی ہے اور امید پیہم بھی۔ لہزہ دیپ سے دیپ جلائے رکھیں



RUMOURS ARE JUST A NOISE—NOT YOUR REALITY. DEFEAT IT WITH SMILE

Some people will talk, exaggerate, and create drama.

You can't control their words,

but you can control your response.

Rise above the negativity,

stay focused on your path,

and keep moving forward with a calm smile

افواہیں محض شور ہیں—آپ کی حقیقت نہیں۔

کچھ لوگ باتیں بنائیں گے، مبالغہ کریں گے اور ہنگامہ کھڑا کریں گے۔ آپ اُن کے الفاظ پر اختیار نہیں رکھتے، مگر اپنے ردِ عمل پر مکمل اختیار رکھتے ہیں۔ منفی سوچ سے بلند رہیں، اپنے راستے پر نظر جمائے رکھیں، اور اطمینان بھری مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھتے رہیں۔

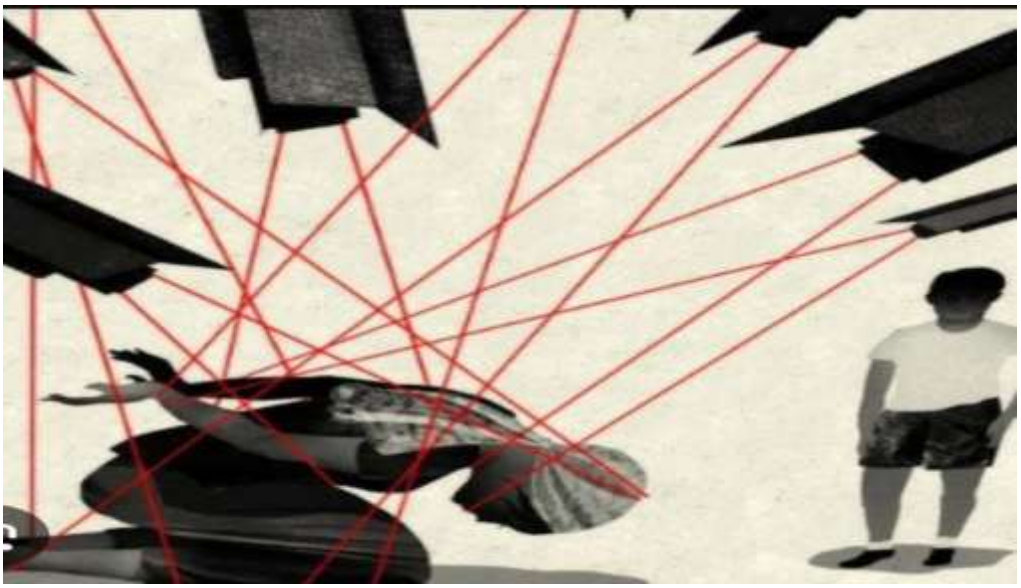

NEVER ALLOW ANYONE TO INTERFERE IN YOUR LIFE — AND EXTEND THE SAME RESPECT TO OTHERS.

DO NOT LET ANYONE'S WORDS OR OPINIONS DIMINISH, DISTURB, OR POISON YOUR DAY.
STAND FIRMLY IN YOUR TRUTH, YOUR WORTH, AND YOUR UNIQUE JOURNEY.
MOVE FORWARD WITH CONFIDENCE, FREE FROM THE NEED FOR APPROVAL OR VALIDATION FROM OTHERS.

کسی کو ہر گز یہ اجازت نہ دیں کہ وہ آپ کی زندگی میں مداخلت کرے—اور یہی وقار و احترام دوسروں کو بھی عطا کریں۔

کسی کے الفاظ یا آراء کو یہ طاقت نہ دیں کہ وہ آپ کے دن کی روشنی مدھم کریں، آپ کے سکون کو متزلزل کریں یا آپ کی سوچ کو زہر آلود بنا دیں۔

اپنی سچائی، اپنی قدر و قیمت اور اپنے منفرد سفر پر پوری استقامت کے ساتھ قائم رہیں۔

اعتماد کے ساتھ آگے بڑھیں، اس ضرورت سے آزاد ہو کر کہ آپ کو دوسروں کی توثیق یا منظوری درکار ہو۔



GRATITUDE IS A GUIDING SPIRIT FOR UPLIFT IN LIFE

Gratitude helps us see the strength we carry within, deepens our trust in our ability to endure, and reminds us that every setback is survivable. No matter how heavy the fall or how difficult the journey, we always have the power to rise, rebuild, and move forward with hope.

شکر گزاری زندگی کی سمت کا صحیح تعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور ہمیں اپنی اندرونی قوت کا ادراک عطا کرتی ہے، اپنی ثابت قدمی پر اعتماد کو گہرا کرتی ہے، اور یہ یاد دہانی کراتی ہے کہ ہر لغزش اور ہر آزمائش قابلِ برداشت ہوتی ہے۔ چاہے گرنے کی شدت کتنی ہی زیادہ ہو یا سفر کتنا ہی دشوار، ہمارے اندر ہمیشہ یہ طاقت موجود رہتی ہے کہ ہم دوبارہ اٹھیں، خود کو سنواریں، اور امید کے ساتھ آگے بڑھتے رہیں۔



FOR A BRIGHT FUTURE ...NO NEED OF PERFECTION

YOUR FUTURE DOES NOT DEMAND PERFECTION.
IT REQUIRES COURAGE TO BEGIN,
CONSISTENCY TO CONTINUE,
AND THE WILLINGNESS TO GROW THROUGH EVERY MISTAKE.

کامیابی کے لیے کسی شخص کا کامل ہونا ضروری نہیں،
بلکہ ہمت، تسلسل اور غلطیوں سے سیکھنے کا حوصلہ ضروری ہے
۔اور یہی روشن مستقبل کی کلید ہے



SILENCE IS YOUR TREASURE & PEACE OF MIND

*** PROTECT YOUR PEACE BY MASTERING SILENCE AND KEEPING YOUR PLANS PRIVATE.**

***HANDLE FAMILY MATTERS WITH DIGNITY.**

***GUARD YOUR VULNERABILITIES.**

LET YOUR PAST STAY IN THE PAST.

KEEP YOUR FINANCES CONFIDENTIAL

DON'T SPEAK ABOUT OTHERS.

LIVE QUIETLY AND INTENTIONALLY.

A PEACEFUL LIFE IS A PRIVATE LIFE.

خاموشی آپ کا قیمتی سرمایہ اور ذہنی سکون کی کنجی ہے۔

اپنے سکون کی حفاظت کریں، منصوبوں اور مالی معاملات کو نجی رکھیں، کمزوریوں کی نگہداشت کریں، ماضی کو پیچھے چھوڑ دیں اور دوسروں پر گفتگو سے اجتناب کریں۔

وقار، شعور اور مقصد کے ساتھ جئیں — کیونکہ پر سکون زندگی دراصل ایک نجی زندگی ہوتی ہے۔



BE THE AUTHOR OF YOUR HAPPINESS ?

* Choose

happiness with intention. &Make peace with the truth that time keeps moving.

* Stay aware of the world around you& *Protect and nurture your emotional well-being.

*Hold on to hope, even in uncertainty. and above all,

live with a heart full of gratitude.

اپنی خوشی کے معمار خود بنیں

شعوری طور پر خوشی کا انتخاب کریں۔

اس حقیقت کو قبول کریں کہ وقت مسلسل آگے بڑھ رہا ہے، اور اس کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کریں۔

اپنے ارد گرد کی دنیا سے باخبر اور باشعور رہیں۔

اپنی جذباتی صحت کی حفاظت کریں اور اسے سنواریں۔

غیر یقینی حالات میں بھی امید کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھیں۔

اور سب سے بڑھ کر، دل کو شکر گزاری سے بھر کر زندگی گزاریں

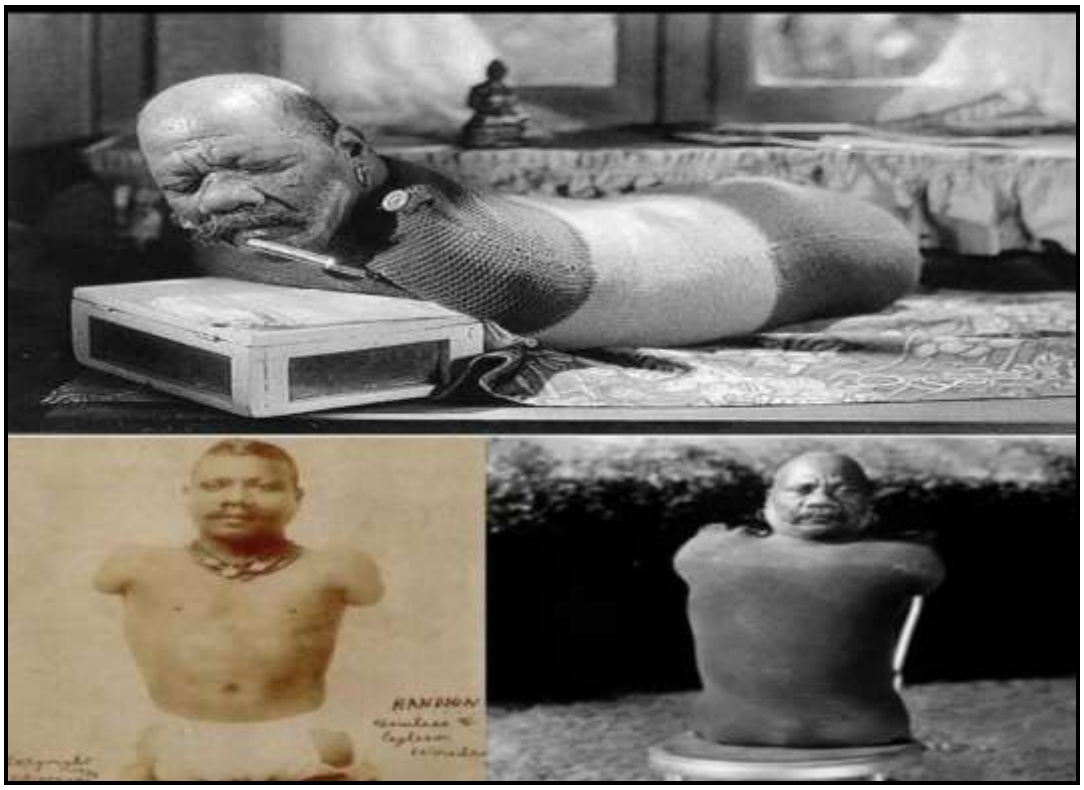

A TRUE STORY OF DETERMINATION.. "HUMAN CATERPILLAR ...PRINCE RANDIAN "

Prince Randian, born in 1871 with a rare condition called tetra-amelia syndrome (having no arms or legs), was known to the world as the “Human Caterpillar.” Despite severe physical limitations, he refused to give up on life. Using only his mouth, chin, and shoulders, he mastered everyday skills like writing, shaving, painting, and even rolling and lighting a cigarette. His remarkable abilities were famously displayed in the 1932 film Freaks.

Randian’s life was not a story of pity but of courage and determination. He married, had children, and lived with confidence in a society that

offered him many challenges. His story proves that true strength lies not in the body, but in willpower—those who rise after every fall are the real winners, and life's hardships are tests of resilience, not barriers.

پرنس رینڈین 1871ء میں ایک نایاب پیدائشی بیماری ٹیٹرا ایمیلیا سنڈروم کے ساتھ پیدا ہوئے، جس کے باعث ان کے نہ بازو تھے اور نہ ٹانگیں۔ دنیا انہیں "انسانی سنڈی" کے نام سے جانتی تھی۔ شدید جسمانی محدودیت کے باوجود انہوں نے زندگی کے آگے ہار ماننے سے انکار کر دیا۔ صرف اپنے منہ، ٹھوڑی اور کندھوں کی مدد سے انہوں نے لکھنا، حجامت بنانا، مصوری کرنا، حتیٰ کہ سگریٹ رول کرنا اور جلانا جیسے روزمرہ کام سیکھ لیے۔ ان کی غیر معمولی صلاحیتیں 1932ء کی مشہور فلم Freaks میں بھی دکھائی گئیں۔

پرنس رینڈین کی زندگی ترس کی نہیں بلکہ حوصلے، جرات اور عزم کی داستان تھی۔ انہوں نے شادی کی، اولاد ہوئی، اور ایسے معاشرے میں اعتماد کے ساتھ زندگی گزاری جو ان کے لیے بے شمار چیلنجز رکھتا تھا۔ ان کی کہانی یہ ثابت کرتی ہے کہ اصل طاقت جسم میں نہیں بلکہ ارادے میں ہوتی ہے—جو ہر بار گر کر دوبارہ اٹھتا ہے وہی حقیقی کامیاب ہے، اور زندگی کی مشکلات رکاوٹیں نہیں بلکہ صبر و استقامت کے امتحان ہوتی ہیں۔



SUSTAINED HAPPINESS IS NEVER PROMISED BY LIFE....IT ALWAYS REQUIRES FLEXIBILITY & ADJUSTMENT.

Life will never promise you nonstop happiness. However, accepting the unchangeable allows you to harness the power to grow, heal, and advance with greater resilience. Peace begins where acceptance starts.

زندگی کبھی بھی مستقل خوشی کی ضمانت نہیں دیتی—اس کے لیے ہمیشہ لچک اور حالات کے مطابق خود کو ڈھالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

زندگی آپ سے یہ وعدہ نہیں کرتی کہ خوشی بغیر رکے ساتھ رہے گی، مگر جو چیز بدلی نہیں جاسکتی اسے قبول کرلینا آپ کو بڑھنے، سنبھلنے اور مزید مضبوطی کے ساتھ آگے بڑھنے کی طاقت دیتا ہے۔

سکون کی شروعات وہیں سے ہوتی ہے جہاں قبولیت جنم لیتی ہے۔

ONLY DEAD BODIES CANNOT THANK GOD??

صرف مردے ہی اللہ کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

ایک امیر شخص نے اپنے گھر کی بالکونی سے دیکھا کہ ایک غریب آدمی کچرے میں سے خوراک تلاش کر رہا ہے۔

اس نے دل ہی دل میں کہا:

خدا کا شکر ہے! میں غریب نہیں ہوں

اسی غریب نے بازار میں ایک ننگے پاگل کو دیکھا جو لوگوں سے الجھ رہا تھا اور ذلیل ہو رہا تھا۔

اس نے کہا:

الحمدللہ! میں پاگل نہیں ہوں۔

وہی پاگل، ہوش کے کسی لمحے میں، ایک مریض کو ایمبولینس میں دیکھ کر بولا:

خدا کا شکر ہے، میں بیمار نہیں ہوں۔

اور مریض، جب ہسپتال میں داخل ہوا تو ایک لاش کو مردہ خانے کی طرف لے جاتے دیکھ کر کہا:

اللہ کا شکر ہے، میں زندہ ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ شکر ادا نہ کر سکنے کی حالت میں صرف مردہ لوگ ہوتے ہیں۔

اگر زندگی کی اصل حقیقت سمجھنی ہو تو تین مقامات کا تصور کیجیے:

1۔ ہسپتال — جہاں جا کر صحت کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

2۔ جیل — جہاں آزادی کی نعمت کا احساس ہوتا ہے۔

3۔ قبرستان — جہاں سمجھ آتا ہے کہ زندگی جیسی بھی تھی، کتنی قیمتی اور دلکش تھی۔

آج جس زمین پر ہم فخر سے چل رہے ہیں،

کل اسی زمین کے اندر ہوں گے۔

لہٰذا کامیابی اسی میں ہے کہ

زندگی میں عاجزی اختیار کی جائے، شکر گزار رہا جائے،

اور ہر دن اپنے خالق کی مرضی کے مطابق گزارا جائے۔



RECOGNIZING A TRULY TOXIC PERSON IS ESSENTIAL — NEVER IGNORE IT.

THE CLEAREST SIGN IS THIS:

THEY HATE RUDENESS,THEY CANNOT TOLERATE THE SLIGHTEST INSULT,DIRECTED AT THEMSELVES,YET THEY FEARLESSLY

INSULT AND HUMILIATE OTHERS.AMONG THEM MAY BE SO-CALLED "FRIENDS"WHO TAKE PRIDE IN PUBLICLY BELITTLING

HONORABLE PEOPLE,AS IF IT WERE THEIR RIGHT,

JUST TO PROVE HOW CLOSE THEY ARE.TO SOMEONE RESPECTED.

CAST SUCH PEOPLE OUT OF YOUR CIRCLE.PROTECT YOUR

DIGNITY.GUARD YOUR PEACE.CHOOSE YOUR COMPANY WISELY.

ایک حقیقی کمینے انسان کی شناخت آپ کی ضرورت ہے... اسے نظر انداز نہ کریں؟؟

اس کی انتہائی کمینی خصلت اور پہچان یہ ہے کہ اسے بد تمیزی اور اپنی توہین سے سخت نفرت ہے، پھر بھی وہ دوسروں کی توہین کرنے میں بے خوف ہو جاتا ہے۔ ان میں

کچھ ایسے نام نہاد لنگوٹیا نما "دوست" بھی ہو سکتے ہیں جو اپنے معزز دوستوں کے ساتھ بد سلوکی یا ان کی سر عام توہین کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں تا کہ وہ دوسروں کو یہ دکھا سکیں کہ وہ اس قابل احترام شخص کے کتنے قریب ہیں

ایسے عناصر کو اپنے دائرہ رفاقت سے باہر پھینک دیں۔



NO ONE OTHER THAN YOU CAN CARE YOU

An advice by great scholar ibn Al Qayyium RA (translated from the collection of NASIR MEHMOOD KHOSA-THE TRUE LOVER OF LITERATURE)

زندگی کا اصل سبق یاد رکھیں

!نہ دوست آپ کا درد خود جھیل سکتا ہے، نہ کوئی عزیز آپ کی تکلیف اٹھا سکتا ہے۔

اگر آپ ٹوٹ جائیں تو آپ کو سنبھالنے والا صرف آپ خود ہیں،

اور اگر آپ ہار جائیں تو آپ کو جتوانے والی صرف آپ کی ہمت ہے۔

اپنی قدر لوگوں کی نظروں میں مت تلاش کریں،

اپنی قدر اپنے ضمیر میں تلاش کریں۔

اگر ضمیر مطمئن ہو تو باتیں، الزامات اور تنقید نقصان نہیں دیتی۔

دنیا کی فکریں اپنے اوپر نہ اٹھائیں—

یہ اللہ کا کام ہے۔

رزق کی فکر نہ کریں—

یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

مستقبل کی پریشانی نہ پالیں—

یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔
صرف ایک فکر رکھیں:
اللہ کو کیسے راضی کرنا ہے۔
جب آپ اللہ کو راضی کرتے ہیں تو
وہ آپ کو بھی راضی کر دیتا ہے،
آپ کی کمی پوری کرتا ہے اور دل کو غنی کر دیتا ہے۔
اس زندگی پر نہ روئیں جس نے آپ کو رلایا،
بس یہ دعا کریں:
"اے اللہ! مجھے دنیا اور آخرت میں اس کا بہتر بدل عطا فرما۔"
غم سجدے سے ختم ہوتا ہے،
خوشی خلوصِ دعا سے آتی ہے۔
اللہ کسی نیکی کو نہیں بھولتا،
نہ وہ آنسو بھولتا ہے جو آپ نے کسی کے لیے پونچھا۔
زندگی کا اصول یہ رکھیں:
نیکی کریں، چاہے بدلے میں نیکی نہ ملے،
لوگوں کے لیے نہیں،
بلکہ اس لیے کہ اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔



چراغ حیات بجھنے والا ہے

(Extract from novel by Zhau Daxin (Mao Dun Prize Winner)

زندگی کے آخری حصے میں داخل ہوتے ہوئے ہمیں یہ حقیقت سمجھنی اور قبول کرنی چاہیے کہ ہر مرحلہ ہمیں سکون، صبر اور دانائی کے ساتھ آگے بڑھنے کا پیغام دیتا ہے۔ بڑھاپا اچانک نہیں آتا، رات آہستہ آہستہ اترتی ہے—اور اگر ہم ذہنی طور پر تیار ہوں تو یہ مرحلہ خوف نہیں بلکہ وقار بن جاتا ہے۔

ساٹھ سال کے بعد زندگی کے چند اہم سبق:

لوگ کم ہوتے جاتے ہیں: والدین اور بزرگ رخصت ہو جاتے ہیں، ہم عمر اپنی مصروفیات میں، اور نئی نسل اپنی دنیا میں گم ہو جاتی ہے۔ تنہائی کو دشمن نہیں، ہنر سمجھ کر قبول کرنا سیکھیں۔

توجہ کا دائرہ سمٹ جاتا ہے: شہرت اور عہدے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ خاموشی سے نئی نسل کی کامیابی دیکھنا اور دل میں وسعت پیدا کرنا اصل بڑائی ہے۔

صحت آزمائش بن سکتی ہے: بیماریوں کے خطرات بڑھتے ہیں۔ مکمل صحت کی ضد چھوڑ کر مثبت سوچ، مناسب ورزش اور حوصلہ اپنائیں

انکساری سیکھنے کا وقت: ایک دن سہارا دوسروں سے لینا پڑ سکتا ہے۔ شکر گزاری اور عاجزی کو طاقت بنائیں

۔ فریب سے ہوشیار رہیں: بڑھاپا دھوکے بازوں کا ہدف ہوتا ہے۔ اپنی جمع پونجی کی حفاظت کریں، سوچ سمجھ کر خرچ کریں۔

جیون ساتھی کی قدر کریں: نرمی، خیال اور محبت سے پیش آئیں۔ اس عمر میں اصل سہارا ایک دوسرے کا ہوتا ہے۔

اہم پیغام:

اس مرحلے میں نہ معاشرے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کریں، نہ اولاد کی زندگی میں مداخلت۔ حکم دینے کے بجائے احترام سیکھیں۔ زندگی کو سمجھداری سے سنبھالیں، فطرت کے فیصلے کو قبول کریں اور دل میں سکون پیدا کریں۔

نتیجہ:

بڑھاپا کمزوری نہیں، دانائی کا موسم ہے۔ اگر ہم اسے شعور، وقار اور تیاری کے ساتھ قبول کریں تو زندگی کا آخری سفر بھی پُرسکون، باوقار اور بامعنی بن جاتا ہے۔ آیئے، رات کے اترنے سے پہلے دل میں روشنی جگالیں۔



SMALL TREES NEVER GROW UNDER THE SHADOW OF BIG TREES ??

DON'T WALK WITH THE EASY CROWD — IT WON'T MAKE YOU STRONGER.
GO WHERE STANDARDS ARE HIGH, EXPECTATIONS ARE TOUGH, AND PERFORMANCE IS DEMANDED.
THAT'S WHERE REAL GROWTH BEGINS.THERE IS HARDLY ANY PLACE FOR AVERAGE....TOPS ARE ALWAYS VACANT .

چھوٹے درخت کبھی بڑے درختوں کے سائے میں پروان نہیں چڑھتے۔

آسان ہجوم کے ساتھ چلنے سے طاقت نہیں ملتی۔ وہاں جائیں جہاں معیار بلند ہو، توقعات سخت ہوں اور بہترین کارکردگی کا مطالبہ ہو۔ اصل ترقی وہیں سے شروع ہوتی ہے

۔ وسط لوگوں کے لیے جگہ کم ہوتی ہے، بلند مقام ہمیشہ خالی ہوتا ہے

۔



BRAIN DRAINAGE FROM PAKISTAN. WORST SITUATION OF UNEMPLOYMENT

بدترین بیروزگاری کی وجہ سے ملک سے افرادی قوت کی کثیر تعداد میں ہجرت۔ سرکاری ادارے کے پریشان کن اعداد و شمار

- In 2025, over 700,000 Pakistanis migrated abroad for employment, including a significant number of highly educated and skilled professionals, according to data released by the Bureau of Immigration -
- A total of 762,499 Pakistanis went overseas for jobs in 2025, compared to 727,381 in 2024, showing an upward trend.
- Among them were 18,352 highly educated individuals, 13,657 highly skilled, and 222,171 skilled workers.
- The workforce also included 42,257 semi-skilled and 466,062 unskilled workers.

Professional Breakdown (2025):

Accountants: 5,659

Cooks: 10,503

Doctors: 3,795

Engineers: 5,946

Nurses: 1,640

Teachers: 1,725

Drivers: 163,718

Electricians: 6,475

Laborers: 465,138

Technicians: 12,703

Managers: 11,777

Masons: 5,700

Plumbers: 2,306

Waiters: 2,027

Top Destination Countries:

Saudi Arabia: 530,256,Qatar: 68,376,UAE: 52,664,Bahrain: 37,726

Kuwait: 6,590,South Korea: 39

Other Notable Destinations:

UK: 4,355,USA: 1,005,Germany: 984,Italy: 813,China: 2,230,Japan: 2,210

Romania: 1,109,

Key Insight:

The data reflects a continued rise in overseas employment, with Pakistan exporting a broad spectrum of manpower—from unskilled labor to highly educated professionals—primarily to Middle Eastern countries, alongside growing migration to Europe, East Asia, and North America.



HAPPINESS OR USEFULNESS? WHAT SHOULD BE THE AIM IN LIFE .....???

The purpose of existence is not solely to attain happiness. Rather, it is to demonstrate usefulness, uphold honor, embody compassion, and make a meaningful impact, thereby leaving a lasting legacy that signifies a life well-lived.

واحد مقصد حیات آسائشوں اور خوشیوں کے حصول کے علاوہ دوسروں کے لئے احترام و ہمدردی کے جذبات کا اظہار بھی ہے جو زندگی کو خوشیوں کے ساتھ ایک دائمی وقار اور معاشرے کے لئے آپ کی افادیت کا ایک ثبوت بھی ہوتا ہے۔ا



IF YOU CANNOT TOLERATE THIRST.....CARRY WATER WITH YOU ???

If you lack the strength to endure life’s heat and cold, build the strength—don’t wait for rescue. Preparation empowers; dependence weakens.

اگر آپ میں زندگی کی گرمی اور سردی برداشت کرنے کی طاقت نہیں، تو دوسروں سے سہارا ڈھونڈنے کے بجائے خود کو تیار کریں۔ منصوبہ بندی قوت دیتی ہے، اور انحصار کمزوری۔



NEVER WAIT FOR THE OPENING OF LOCKED DOOR

STOP WORRYING ABOUT WHAT CLOSED BEHIND YOU. 🚪
KEEP MOVING FORWARD—BECAUSE EVERY STEP OPENS NEW OPPORTUNITIES.
YOUR FUTURE RESPONDS TO YOUR COURAGE, NOT YOUR REGRETS. ✨

**جو دروازے پیچھے بند ہو گئے ہیں، اُن کی فکر چھوڑ دیں۔ 🚪
آگے بڑھتے رہیں — کیونکہ ہر قدم نئی راہیں کھولتا ہے۔
آپ کا مستقبل آپ کی ہمت کا جواب دیتا ہے، نہ کہ آپ کے پچھتاووں کا



LIFE IS SHORT BUT BEAUTIFUL

BEAUTY IS NOT YOUR LOOKS, SIZE, OR COLOR—IT'S THE SEASON YOU'RE LIVING IN. TIME CHANGES EVERYTHING, AND THAT'S OKAY. YOU ARE A SOUL WITH A STORY, GROWING EVERY DAY. BE PROUD OF WHO YOU ARE—BECAUSE BEING YOU IS WHAT TRULY MATTERS.

💫 زندگی مختصر ضرور ہے مگر خوبصورت ہے۔۔۔

خوبصورتی چہرے، جسامت میں نہیں بلکہ اُس مرحلے میں ہے جس سے آپ گزر رہے ہیں۔ وقت سب کچھ بدل دیتا ہے، اور یہ بالکل ٹھیک ہے۔ آپ ایک روح ہیں جس کی اپنی کہانی ہے، جو ہر دن آگے بڑھ رہی ہے۔ خود پر فخر کریں — کیونکہ اصل اہمیت آپ کے خود ہونے میں ہے۔ 💫



KICK UNWANTED PERSONS OUT OF YOUR LIFE

YOU ARE UNIQUE—THERE IS NO ONE LIKE YOU. KNOW YOUR VALUE, OWN YOUR POWER, AND NEVER LET ANYONE DIM YOUR WORTH. ANYONE WHO MAKES YOU FEEL SMALL DOESN'T DESERVE A PLACE IN YOUR LIFE—WALK AWAY AND RISE STRONGER.

آپ بے مثال ہیں — آپ جیسا کوئی اور نہیں۔ اپنی قدر کو پہچانیں، اپنی طاقت پر یقین رکھیں، اور کبھی کسی کو اپنی اہمیت کم کرنے نہ دیں۔ جو کوئی آپ کو کمتر محسوس کرائے، وہ آپ کی زندگی میں جگہ کا حقدار نہیں — اس سے دور ہو جائیں اور پہلے سے زیادہ مضبوط بن کر ابھریں۔